

نام کتاب = عورت کا مقام
 اسلام کی نظر بصیرت میں عورت کی شخصیت اور پردہ کے لحاظ سے
 مصنف = عبدالکریم اثری
 طابع = عبدالمنان کلیم
 مطبع =
 ایڈیشن = اوّل
 تاریخ اشاعت = اکتوبر 2011ء
 تعداد = 2200
 اشاعت فنڈ = 200 روپے

جہاں سے چاہیں منگائیں

0333-8406422 مکتبہ الاثریہ جناح اسٹریٹ گجرات
 0344-6532653 - 0546-593213 انجمن اشاعت اسلام ٹھٹھہ عالیہ
 042-7321865 نعمانی کتب خانہ حق سٹریٹ اردو بازار لاہور
 042-7235951 مکتبہ اخوت مچھلی منڈی اردو بازار لاہور
 0333-5154969 - 051-5531396 محرمیاز عثمانی راولپنڈی
 021-2631268 قیوم بک ڈپو اردو بازار کراچی
 021-4912806 ایچ ایم سعید کمپنی پاکستان چوک کراچی

عورت کا مقام

اسلام کی نظر بصیرت میں

عورت کی شخصیت اور پردہ کے لحاظ سے

عبدالکریم اثری

انجمن اشاعت اسلام (رجسٹرڈ) ٹھٹھہ عالیہ ضلع منڈی بہاؤ الدین

0346-6286669 - 0301-6296850 - 0546-593213

المحتویات

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
1	ابتدائیہ	13
2	پیش لفظ	17
3	عورتوں کے پردہ میں استعمال ہونے والے بعض الفاظ	26
4	حجاب کیا ہے؟	//
5	”ستر“ کے لفظ کا استعمال پردہ کے لحاظ سے	28
6	مستور، وہ پردہ جو نگاہوں سے پوشیدہ ہو	//
7	لفظ ”عورت“ کا استعمال کن معنوں میں	29
8	لفظ نقاب کا استعمال بسلسلہ پردہ	30
9	نماز کیا ہے؟	31
10	لفظ لباس اور زینت کا استعمال	32
11	لباس کیا ہے؟	//
12	اس کے متعلق وہ الفاظ جو قرآن کریم میں استعمال ہوئے	//
13	لباس اور معاشرتی زیب و زینت	33
14	”الزینۃ“ کا اصل مادہ زی ان ہے	//
15	قرآن کریم کی کوزیب و زینت سے نہیں روکتا	34
16	قرآن کریم کی ہدایات	35
17	پردہ کا پہلا حکم قرآن کریم میں	//
18	قرآن کریم کی آیات	39
19	پردہ کا دوسرا حکم قرآن کریم میں	40
20	بدکاری کا خطرناک راستہ نظر لڑانا ہے	41
21	دوسرا حکم عورتوں کے لیے بھی ویسا ہی ہے	42
22	نظر کے معاملہ میں ایک تساہل جو عام ہے	43
23	آباء کی وسعت دوسری تمام وسعتوں کو دارج کرتی ہے	44
24	گھر کے ملازمین، عورتیں اور بوڑھے مرد مستثنیٰ ہیں	45
25	نابالغ بچوں کا معاملہ	//
26	عورتوں کے لیے دوسری ہدایت کہ وہ چھپی زینت عیاں نہ کریں	46
27	جان بوجھ کر کی جانے والی باتیں پہلے ہی واضح ہیں	//

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
28	ایمان والو! اللہ کے حضور توبہ کر لو تا کہ تم فلاح پاؤ	47
29	اسلام کا پردہ بہت ہی آسان ہے مشکلات ہم نے خود پیدا کر لی ہیں	48
30	قرآن کریم کی آیات	49
31	مخصوص اوقات کے علاوہ گھر میں آنے جانے والوں کے لیے اجازت کی ضرورت نہیں	51
32	بچے جب بالغ ہو جائیں تو اب وہ بغیر اجازت اندر نہ آئیں	52
33	عمر رسیدہ عورتوں کے لیے خاص رعایت کا ذکر	//
34	رسم درواج سے چٹائوں کے لیے بھی ضروری ہے	//
35	بوڑھی عورتیں بھی احتیاط برتیں تو اس میں بھلائی ہے	53
36	جان لینا چاہیے کہ پردہ کا مقصد معاشرتی روابط کا انقطاع نہیں	//
37	کھانے کے اوقات تقریباً ہر جگہ متعین ہوتے ہیں	54
38	جن گھروں میں کھانا کھانے کی اجازت عام دی گئی ہے ان پر مزید ایک نگاہ ڈال لیں	55
39	وہ جن کی کتیاں تمہارے سپرد کی گئی ہیں؟	56
40	دوستوں کے گھروں سے کھانا کھانے کی بھی اجازت ہے	57
41	گھروں میں داخل ہوتے وقت السلام علیکم سے اجازت لینا	58
42	قرآن کریم کی آیات	//
43	نبی کریم ﷺ اور آپ کے اہل خانہ کے مخصوص احکام	60
44	نبی اعظم و آخرا ﷺ کو جو حکم خاص دیا جا رہا ہے	62
45	آپ کے لیے دوسرا حکم خاص جس میں پابندی کا ذکر ہے	63
46	تیسرا حکم جو صرف آپ کے لیے مخصوص ہے	//
47	ہم جانتے ہیں کہ یہ حکم آپ کے لیے مخصوص کیوں ہے	//
48	اس سلسلہ میں نبی اعظم و آخرا ﷺ کے لیے مزید احکامات	64
49	آپ کے عدل و انصاف کی مثال کسی دوسری جگہ ممکن ہی نہیں	65
50	آپ کی ازواج مطہرات کی دل جوئی کا ذکر	66
51	عدل و انصاف کی تقسیم کیا ہے ذہن میں رکھیں تاکہ ہدایت حاصل ہو	67
52	لوگوں کے خدشات کا ازالہ	68
53	اس کے بعد آزاد عورتوں میں سے آپ کسی کو اپنی زوجیت میں نہیں لے سکتے	//
54	مذکورہ پابندی سے ملک یمن کو مستثنیٰ رکھا گیا	69
55	نبی اعظم و آخرا ﷺ کے گھروں میں بھی اجازت لے کر داخل ہونے کا حکم	71
56	دوسرا حکم جس کو حجاب کے نام سے موسوم کیا گیا ہے مسلمانوں کے نام	72
57	تیسرا حکم بھی حجاب سے متعلق ہے کہ مسلمانوں کو اب کیا کرنا ضروری ہے	//

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
58	تم ایک چیز کو چھپا دیا ظاہر کرو اللہ تعالیٰ تو ہر حال میں جانے والا ہے	73
59	انسانی معاشرتی زندگی کا فیصلہ دہی بہتر ہے جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے	74
60	مذکورہ آیت کا مضمون وہی ہے جو (۲۳:۳۰) کا ہے	//
61	عورتوں کی تعداد مردوں کے مقابلے میں	77
62	عورتوں کی تعلیم و تربیت پر اضطراب	//
63	روشن خیالی کا الزام آخر کیوں؟	//
64	عورتوں کی تعلیم کا مسئلہ مدت سے اختلافی ہے	//
65	یہ مرض آج کا نہیں پرانا ہے	78
66	عورت کے متعلق بے حقیقت خیالات	79
67	دورِ جاہلیت کا فیصلہ قرآن کریم نے کر دیا	//
68	مرد اور عورت ایک دوسرے کے حریف نہیں	80
69	مرد اور عورت ایک جنس کی دو اصناف ہیں	//
70	موجودہ مسلمانوں کا ایک گروہ اور عورت	//
71	مسلمانوں کی اکثریت قرآن کریم سے جا مل ہے	81
72	مکاتب فکر سے روگردانی گردن زدنی کے مرادف ہے	//
73	قرآنی حدود سے متجاوز ہونے کا نتیجہ	82
74	موجودہ اسلامی معاشرہ اور اسلام	//
75	ہاتھی کے دانت کھانے کے اور، دکھانے کے اور	83
76	ایک آنکھ کھلی رکھنے کا اسلام	//
77	مردوں کے مقابلہ میں عورتوں کے لیے زائد حکم	84
78	عورت اپنی عزت و ناموس کو جانتی ہے	//
79	علم و عمل میں تضاد	//
80	کیا عورت کی تعلیم خاوند کی ذمہ داری ہے	85
81	عورتوں کا مسجدوں میں نہ جانے کا فتویٰ کہاں سے آیا	//
82	تعلیمات اسلامی کا منسلک، آخر کیوں؟	86
83	غیر مسلم اور اسلامی تعلیمات	//
84	دیہاتی عورتوں کی مجبوری	87
85	قرآن کریم میں شعیب علیہ السلام کی دو بیٹیوں کا واقعہ	88
86	شعیب نبی اور ان کی بیٹیوں کا پیشہ	89
87	قرآنی تعلیمات سے انحراف	//

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
88	منافقت سکھانے کا ایک عملی نمونہ	89
89	کیا عورت سراپا شر ہے؟	//
90	اسلام اور فرقہ بندی کی لعنت	90
91	خیر الکلام سے سلوک	//
92	عورت کا مقام قرآن میں	//
93	عورتوں کے لباس پر تنقید	91
94	نظریں نیچی رکھنے کا اخلاقی درس	94
95	نبوی دور میں عورت کی آزادی	95
96	مغرب میں ایسا کیوں ہو رہا ہے؟	96
97	مغربی اور مشرقی غلو کا نتیجہ	97
98	اقوال کو طلاق اور کتاب و سنت سے نباہ	98
99	ایک آنکھ کھلی رکھوانے والوں کا کارنامہ	99
100	مقلد اور غیر مقلد کا فرق کیا؟	100
101	خیال رہے کہ عورت حقیر نہیں بلکہ مکرم ہے	101
102	محبت اور اظہار محبت، احترام اور اظہار احترام	102
103	ساتھ سال کا ذاتی تجربہ جو ابھی تک جاری ہے	103
104	کتب روایات بھی پکار پکار کر کہتی ہیں کہ:	104
105	قرآن کریم میں مردوں کو خطاب ہے تو عورتیں بھی اس میں موجود ہیں	105
106	مرد و زن کی اصل بھی ایک ہے اور خطاب بھی	106
107	بحیثیت انسان دونوں کی ذمہ داریاں بھی ایک جیسی ہیں	107
108	مذکورہ ذمہ داریوں کا تجزیہ	108
109	ادامہ و نواہی میں یکسانیت	109
110	نیک و بد عمل میں مرد اور عورت کی برابری	110
111	ازالہ وہم	111
112	نبی اعظم و آلہ علیہ السلام کے مخاطبین اول خاندان کے مرد اور عورتیں	112
113	چلتے چلتے ایک مثال بھی سن لیں تاکہ بوقت ضرورت کام آئے	113
114	علمائے کرام کی طرف مراجعت کرنے کی ہدایت	114
115	روایات بیان کرنے میں عورت کا کردار	115
116	سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت عمرؓ اور ابن عمرؓ کی رائے کو رد کرتی ہیں	116
117	سیدہ عائشہؓ اور سیدہ ام سلمہؓ بوہرہ اور فضل بن عباسؓ کی رائے کو رد کرتی ہیں	117

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
118	سیدہ عائشہ صدیقہؓ نے عبداللہ بن عباسؓ کی رائے کو رد کر دیا	106
119	روایات کو مثلاً معہ کہہ کر قرآن کریم کے ساتھ نہیں ملایا جاسکتا	//
120	تعلیم و تعلم میں عورتوں اور مردوں کی شراکت اور برابری	107
121	کفر کی سرزمین سے مردوں اور عورتوں کی ہجرت میں برابری	//
122	عورتیں مردوں کے بغیر بھی ہجرت کر کے آسکتی ہوں تو آنے کا حکم موجود ہے	108
123	علمائے کرام غور کریں کہ اس سے استدلال ہو سکتا ہے یا نہیں؟	//
124	رسول اللہ ﷺ سے بیعت کرنے میں عورتوں کی مردوں سے برابری	109
125	دنیا کے مصائب میں ہمیشہ عورتیں مردوں کے ساتھ رہیں	//
126	امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں مردوں کی برابری	110
127	النجوان بزرگوں کے سامنے جو پردہ کے متعلق تشدد سے کام لیتے ہیں	111
128	رہنے سہنے کے لحاظ سے لوگوں کی آپس میں مختلف حیثیتیں قرآن کی نظر میں	112
129	قرآنی آیات کے ساتھ ہمارے بزرگوں نے کیا کیا؟	//
130	معدوروں کے ساتھ حسن سلوک کہ وہ اس کے مستحق ہیں	113
131	کھانے پینے میں اپنے گھروں تک محدود رہنا	//
132	قرآن کریم میں بیان کردہ عزیز و اقارب سے قرب کی علامت	//
133	اعتماد کرنے والوں سے تعلقات آمدورفت و خوردونوش	114
134	دوست و احباب کے ساتھ تعلقات خوردونوش	//
135	اگر چہ روایت صحیح نہیں تاہم اس کا مفہوم جو سمجھ میں آتا ہے	115
136	کیا نبی اعظم و آخیا ﷺ کا اسوہ حسنہ ہمارے لیے کافی نہیں؟	116
137	سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا کے تعلق کی مثال آپ کے اسوہ حسنہ سے	//
138	معدوروں کے معاملہ میں حسب و نسب کا لحاظ ضروری نہیں	117
139	جب کوئی شخص اپنے ان گھروں میں جائے گا تو بیوی بچوں کو ساتھ نہیں لے جائے گا؟	//
140	انسانیت کے فطری رشتوں کے تقدس کو پامال نہ کریں	118
141	قرآن کریم میں آپ کیلئے اور آپ کی ازواج کے لیے مخصوص احکام بھی موجود ہیں	//
142	فضول باتوں پر بحث کر کے ان کو دین کا حصہ بنا دینا کیسا ہے؟	120
143	ایک بناوٹی چیز کو اصل بنانے کا طریقہ حوالہ کے اندراج کے لیے	//
144	ابو ہریرہؓ اور ابو موسیٰؓ اشعریؓ کا فضل بن عباسؓ کی بیٹی کے گھر میں جمع ہونا	121
145	مذکورہ روایت سے کتنی باتیں معاشرہ اسلامی کی سمجھی جاسکتی ہیں	//
146	ابوبکر صدیقؓ کا خاندان جس کی ایک عورت کے ساتھ مکالمہ	122
147	ثابت بناتی کی موجودگی میں انس رضی اللہ عنہ کی اپنی بیٹی سے گفتگو	//

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
148	آپ کا بنفس نفیس ام سلیم کے گھر بار بار جانا	122
149	انس رضی اللہ عنہ کی والدہ اور خالہ ام حرام کے ہاں آپ کی آمدورفت	123
150	حضرت سلمانؓ اور حضرت ابودرداءؓ کے بھائی چارہ کے بعد	//
151	کیا میں ”لحمو الموت“ کہنے والوں سے دریافت کر سکتا ہوں	124
152	ام حرام کے پاس آپ کی آمدورفت اور وہاں آرام فرمانا	//
153	ام سلیم اور ام حرام دو بیٹنیں ہیں قبا کے قریب رہتی ہیں	125
154	ابوموسیٰ اشعریؓ یمن سے آکر آپ کے حج میں شامل ہوتے ہیں اور احرام کھولتے ہیں	126
155	حافظ ابن حجر اور ابن قیم الجباری میں اس کی وضاحت	//
156	ان روایات پر علامہ یوسف قرضاوی جو بحث کرتے ہیں اس کا حاصل	127
157	ہم اپنے کچھ اور رہنے سہنے کی طرف بھی توجہ کرتے ہیں	128
158	آپ کی اخلاقی حدود بہت وسیع تھیں، غور کریں	//
159	آپ کے اخلاق حسنہ کی حدود	129
160	ہند بنت عتبہ کا بیان بنی کریمہ ﷺ کے متعلق	//
161	اس عورت کا ذکر جس کو دنیائیں آپ نے جنت کی خوشخبری سے نوازا	130
162	کیا دو صحابہ کے دوران یہ مکالمہ اپنی دلیل آپ نہیں ہے	//
163	اسماء رضی اللہ عنہا کا اپنے بیٹے کو آپ کی گود میں رکھنا	131
164	اسماء رضی اللہ عنہا کا مکمل تعارف کہ وہ کون ہیں؟	//
165	سائب بن یزید کا بیان کہ میری خالہ مجھے آپ کے پاس لے گئیں	132
166	آپ معلم بنا کر بھیجے گئے ہیں مردوں کے لیے بھی اور عورتوں کے لیے بھی	//
167	عبداللہ بن ہشام نے آپ کی زیارت کی	133
168	ام قیس بن محسن کا بیان اپنے چھوٹے بیٹے کے متعلق	//
169	اوپر بیان کردہ روایات کا حاصل	//
170	ام اسید کی شادی کا پہلا روز اور ولیمہ کی دعوت کا انتظام	134
171	یہ ایک سبق آموز واقعہ ہے جس پر غور کرنا ضروری ہے	//
172	جمعہ کے روز نہایت خوش و خرم ہونے کا واقعہ	135
173	خالصہ دینی محبت کے لیے ایک دوسرے سے ملاقات	//
174	مذکورہ حدیث پر فتح الباری میں امام ابن حجر کی وضاحت	//
175	ایک گزشتہ حدیث کا حوالہ جو اس جگہ دیا جاسکتا ہے	136
176	امام بخاری کی تجزیہ حدیث جو انہوں نے خود ہی اپنی بیان کردہ روایت پر کیا	//
177	ایک عورت کا خود حاضر ہو کر آپ کو چادر پیش کرنا	//

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
178	اس روایت سے جو بات سمجھ میں آتی ہے	137
179	زینب رضی اللہ عنہا کی شادی پر ام سلیم کا تختہ آپ کی خدمت میں	138
170	ام حید کا آپ کی خدمت میں تختہ پیش کرنا	//
171	ایسی روایات کو اس جگہ کیوں درج کیا گیا ہے؟ جواب واضح ہے	//
172	عورتوں اور مردوں کی ملاقات تو ایک فطری چیز ہے	139
173	نبی کریم ﷺ کے خواب میں آپ رضی اللہ عنہا نظر آئیں	//
174	جابر بن عبد اللہ نے اپنے آپ کو جنت میں دیکھا	//
175	آپ ﷺ نے جنت میں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا محل دیکھا	//
176	عورتوں کی آزادی نماز یعنی مسجدوں میں باقاعدہ حاضری	140
177	عورتوں کی طرف سے مردوں کی عیادت کا ذکر روایات میں	//
178	اٹھائے گئے ایک سوال کے جوابات فتح الباری میں	141
179	ام ہشربنت براء کا کعب بن مالک کی عیادت کے لیے تشریف لانا	//
180	آپ ﷺ بنت زبیر کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے	142
181	رسول ﷺ کا ام سائب کی عیادت کے لیے تشریف لے جانا	//
182	ابوداؤد کی روایت کتاب الجنازہ باب عمادة النساء ج ۲ ص ۴۱۷	//
183	نواح مدینہ میں بیمار ہونے والی خاتون کی عیادت	143
184	عبداللہ بن عباس نے سیدہ عائشہ صدیقہ کی بیمار پرسی کی	//
185	اس کو تقویٰ کہیں پارواج جو امیروں اور غریبوں میں الگ الگ معیار رکھتا ہے	//
186	دین اسلام کی وہ کوئی بات ہے جس کا حلیہ انہوں نے بگاڑ نہ دیا ہو	144
187	قرآن کریم میں عورتوں کا وارثت میں حصہ واضح ہے لیکن عمل؟	145
188	قرآن کریم نے وارثوں کے حصے مقرر کیے ہیں اور ہم نے اس بات کو تسلیم کر لیا ہے	146
189	ارکان اسلام ہوں یا ارکان ایمان سب مسلمانوں کا یہی حال ہے	147
190	اپنے موضوع سے دور نکلنے کا اعتراف اور اس کی وجہ	//
191	اپنے موضوع کی طرف واپسی اور عورت کی شخصیت کا اعتراف	//
192	اسماء بنت ابوبکر زوجہ زبیر کا واقعہ	148
193	فریقین کو صدقہ و خیرات کے کاموں میں خصوصاً مشورہ ضروری نہیں	//
194	عورت اور اس کے ولی کے معاملہ کے متعلق روایات کی وضاحت	149
195	والد نے اپنی بیٹی کا نکاح اس کی مرضی کے خلاف کیا اور آپ نے اُسے رد کر دیا	150
196	دوران عدت اپنے گھر سے باہر اپنے باغ میں کام کرنے کی اجازت	//
197	قریب البلوغ نا تختہ اؤں کا عید گاہ کی طرف آنا	//

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
198	کھانے میں نہ ہر ملا کر آپ کو پیش کرنے والی عورت	150
199	درجہ کمال کو پہنچنے والی عورتوں کا ذکر آپ کی زبان سے	151
200	مذکورہ حدیث پر امام ابن حجر رحمہ اللہ کی رائے	//
201	حدیث مذکورہ کے متعلق امام قرطبی کیا فرماتے ہیں	152
202	قاضی عیاض رحمہ اللہ کا بیان مذکورہ حدیث کے متعلق	//
203	علامہ کرمانی نے لفظ کمال کی وضاحت کس طرح کی	//
204	علامہ اشعری رحمہ اللہ کا ارشاد گرامی	//
205	امام ابن حزم نے اپنی کتاب "المکمل والنحل" میں تحریر کیا	//
206	رسالت اور نبوت کا فرق	153
207	آسیہ زوجہ فرعون نے جوہمت کی اس کی اہمیت	//
208	مذکورہ حدیث سے جو ہم کو اسباق حاصل ہوتے ہیں	//
209	سبق نمبر ایک یہ بات تسلیم ہے کہ استعداد سب میں برابر ہے	//
210	سبق نمبر ۲ کمال حاصل کرنے میں مرد اور عورت کی برابری	//
211	سبق نمبر ۳ مردوں کے مقابلہ میں عورتوں کے کمال کی قلت کی وجہ؟	154
212	سبق نمبر ۴ عورتوں کا ذکر فقط مثال کے لیے ہے	//
213	سبق نمبر ۵ مردوں اور عورتوں کے میدان عمل الگ الگ بھی ہیں اور مشترک بھی	//
214	سبق نمبر ۶ جہاں دو پہلو کا احتمال ہو وہاں متنی پہلو ترک کر دینا	155
215	سبق نمبر ۷ سابقہ امتوں کی عورتوں کا ذکر کر کے اپنی امت کی عورتوں کی حوصلہ افزائی	156
216	عرصہ سے یہ نظریہ قائم ہے کہ عورت کے معنی ہی پردہ کے ہیں	//
217	عورتوں کا پردہ تسلیم لیکن اس کا معیار کیا؟	157
218	موجودہ دور میں عورتوں کے لباس کا طریقہ	//
219	برقع اور نقاب کی موجودہ صورت حال	//
220	مسلم خواتین کو ایسے پردہ کی توفیق ہو جو صحیح اسلامی پردہ ہے	158
221	خواتین اسلام کی قربانیاں جو ہمیشہ یاد رہیں گی	159
222	عمار بن یاسر کے خاندان اور خصوصاً ان کی والدہ کی قربانی	//
223	فاطمہ بنت خطاب یعنی حضرت عمر کی ہمیشہ کے ایمان کا واقعہ	//
224	ابوسفیان کی اپنی بیٹی ام المؤمنین ام حبیبہ سے مدینہ میں ملاقات	//
225	اسماء کی والدہ بنت عبد العزیٰ مکہ سے مدینہ آتی ہے	160
226	مسطح بن اثاثر کی والدہ مسطح کے متعلق بولتی ہیں	//
227	عورتوں کی جنگی خدمات کا مختصر ذکر	161

صفحہ نمبر	مضامین	نمبر شمار
162	حضرت اُمّ عمارؓ	228
163	عکرمہ بن بھل کی بیوی ام حکیم رومیوں کے مقابلے میں	229
//	اسماء بنت یزید نے رومیوں کے خلاف حصہ لیا	230
164	ام حارث کی میدان جنگ میں ثابت قدمی	231
//	ہر جنگ میں ام سلیم فخر اپنے ساتھ رکھتی تھیں	232
//	حبیب بن سلمہ کے ساتھ ان کی بیوی نے بھی جنگ میں شرکت کی	233
//	ربیع بنت معوذ کا بیان خواتین کی شرکت کے متعلق	234
//	ایک صحابیہ کا جنگ میں شرکت کے متعلق واضح بیان	235
//	ام عطیہ اپنے متعلق جنگ میں شرکت کا واقعہ اس طرح بیان کرتی ہیں	236
165	احد کی جنگ ختم ہونے کے بعد مدینہ سے آ کر جن عورتوں نے زنجیوں کا علاج کیا	237
//	حضرت انسؓ کا جنگ احد میں حضرت عائشہؓ اور ام سلیمؓ کا دیکھنا	238
//	ام سلیط کے متعلق حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا بیان	239
//	حنہ بنت جحش نے بھی احد کے میدان میں حصہ لیا	240
//	ام ایمن کے حالات زندگی میں جو کچھ لکھا ہے	241
166	خیبر میں مسلمان خواتین کی شرکت کا بیان	242
//	حشر بن زیاد کی دادی مزید پانچ عورتوں کے ہمراہ	243
//	خیبر اور ابورافع کی بیوی مع ام عامر اور ام خلد	244
//	جنگ خیبر میں قبیلہ غفار کی خواتین کی شمولیت	245
167	رقیدہ نامی عورت کا خیمہ لگانا اور مجاہدین کی خدمت سرانجام دینا	246
//	خواتین اسلام نے دین کی مدافعت اور اس کی ترغیب کا فریضہ سرانجام دیا	247
//	نبی کریم ﷺ کی پھوپھی اروی کا بیان	248
168	ام عمارہ جو آپؐ کی چچی تھیں انہوں نے اپنے بیٹے سے جو خطاب کیا	249
//	احد کے شہدائے متعلق ہند بنت عتبہ کے اشعار کا جواب شعروں میں	250
//	آپؐ کی صحابیہ خنساء نے اپنے بیٹوں کو جو نصیحت کی	251
169	اسماء بنت ابوبکرؓ کی نصیحت اپنے بیٹے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو	252
//	خواتین اسلام نے کس بیباکی کے ساتھ اظہار حق کیا	253
170	سیدہ اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہا کا جواب حجاج کو	254
//	سمیہ کے بیٹے زیاد کے خط کا جواب سیدہ عائشہؓ کی طرف سے	255
171	خواتین اسلام کی اعیان حکومت کو نصیحت اور اس کے نتائج	256
//	سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا معاویہ کو نصیحت کرنا	257

صفحہ نمبر	مضامین	نمبر شمار
171	حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ایک عورت نے روک کر نصیحت کی	258
172	حضرت عمرؓ کا وعظ عورتوں کا حق مہر کم کرنے کے متعلق اور عورت کا جواب	259
//	سودہ بنت عمارہ کا مکالمہ حضرت معاویہؓ سے	260
173	معاویہؓ کے سامنے سودہؓ کا علی رضی اللہ عنہ کی تعریف کرنا	261
174	عکرمہ بنت اطرش معاویہؓ کے دربار میں	262
//	خاتون اسلام کی جرأت کہ معاویہؓ کو کیسے جواب دیا	263
175	قابل غور ہے کہ کیا ان خواتین اسلام کو چار دیواری میں بند کرنا چاہیے	264
//	بنو امیہ کے دور خلافت میں سیدہ عائشہ صدیقہ کی تنقید و احتساب	265
176	خواتین اسلام کی رائے اور مشوروں کا حق اور اس سے استفادہ	266
177	اگر بچی کا خیر خواہ باپ موجود نہ ہو تو اس کو ظلم کا نشانہ بننے نہ دینا	267
//	عورتیں جن شعبوں میں کام کر سکتی ہیں ان سے کام لینا چاہیے	268
178	صلح حدیبیہ کے وقت ام سلمہؓ کا صائب مشورہ جو آپ ﷺ نے قبول فرمایا	269
//	حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی عورتوں سے مشورہ لیا کرتے تھے	270
//	شفاء بنت عبداللہ کا تذکرہ الاستیعاب میں	271
179	حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک تقریر	272
//	حضرت عثمان کی شہادت کے بعد خلافت کا مشورہ سیدہ صدیقہؓ سے	273
//	خواتین اسلام سے اکثر و بیشتر مسائل میں عملی تعاون	274
180	حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا خوارج کو ان کے سوال کا جواب دینا	275
//	ام ورقہ بنت عبداللہ کو اپنے اہل خانہ کو جماعت کرانے کا حکم	276
//	نماز تراویح یعنی رمضان کی رات کی نماز کی جماعت عورت سے	277
//	دو رہاضر اور مسلمان خواتین کی ذمہ داری	278
181	تغییر و اصلاح معاشرہ میں عورت کا کردار	279
//	شوہروں کے لیے روحانی اور جسمانی سکون کی فراہمی	280
//	دینی اجتماعات میں شرکت اور اولاد کی تعلیم و تربیت	281
182	عصر حاضر میں عورت کا معاشرتی سرگرمیوں میں حصہ لینے کا شرعی حکم	282
184	حرف آخر	283

ابتدائیہ

نبی اعظم وآخراہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ النساء شقائق الرجال یعنی عورتیں مردوں کی نظیر ہیں۔ لہذا ضروری تھا، ہے اور رہے گا کہ عورت بھی مرد کی طرح اسلامی زندگی کے تمام میدانوں میں جوش و خروش کے ساتھ حصہ لے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ رب ذوالجلال والا کرام کی شریعت نے اس بات میں عورت کے لیے کوئی حرج قرار نہیں دیا کہ وہ مردوں سے اپنی ضرورت کے کاموں کے لیے میل ملاقات کرے اور وہ آپس میں گفت و گو کریں۔ شرط یہ ہے کہ دونوں اس سلسلہ میں شرعی آداب کی پابندی کریں اور یہ میل جول کسی تکلف، دشواری اور حساسیت کے بغیر وقار کے ساتھ ہو۔

معاشرتی زندگی میں عورت کی سرگرمی، شراکت اور اس کے نتیجہ میں مردوں سے ملاقات کے لیے ایک طریق کار ہے جسے شریعت الہی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت نے مقرر کیا ہے کیونکہ آپ کو علم تھا کہ اس میں عورت کے لیے آسانی اور نیکی کے کام میں تعاون ہے اور اس کے برعکس تنگی، حرج اور بسا اوقات عورت کو نیکی کے کام سے محروم کر دینا ہے۔ عورت کو معاشرتی میدان میں کام کی اجازت اس لیے نہیں دی گئی کہ اپنے گھر اور اپنے بچوں کے حوالہ سے اس پر جو اولین ذمہ داری عائد ہے اس کے ادا کرنے سے اسے روکا جائے، بلکہ یہ اجازت اس لیے دی گئی ہے تاکہ انسانی شخصیت کی تکمیل کے لیے معاون ثابت ہو اور اس طرح وہ کمال طریقے سے اپنی گھریلو ذمہ داری اور ان تمام دیگر ذمہ داریوں کو ادا کر سکے جو خاندان یا معاشرے کی ضرورت کی وجہ سے اس کے کندھوں پر عائد ہو سکتی ہیں۔

ان معاشرتی ذمہ داریوں کے باعث ہی نبی اعظم وآخراہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بقول مودودی صاحب اس طرح کے احکام ارشاد فرمائے کہ:

”کوئی عورت اپنے چہرے اور ہاتھوں کے سوا تمام جسم کو لوگوں سے چھپائے (ابن جریر)“ ایک جگہ ارشاد فرمایا کہ:

”کسی عورت کے لیے جو اللہ اور یوم آخر پر ایمان رکھتی ہے جائز نہیں کہ وہ اپنا ہاتھ اس سے زیادہ کھولے یہ کہہ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کلائی کے نصف حصہ پر اپنا ہاتھ رکھا۔ (ابن

جریر)“ فرمایا کہ:

”جب عورت بالغ ہو جائے تو اس کے جسم کا کوئی حصہ نظر نہ آئے سوائے چہرہ اور کلائی کے جو جوڑ تک ہوتی ہے“

ایسی تمام روایات سے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ چہرے اور ہاتھوں کے سوا عورت کا پورا جسم ستر میں داخل ہے اور ستر اپنے شوہر کے سوا کسی کے سامنے بغیر کسی اشد ضرورت کے نہیں کھولنا چاہیے۔ (اسلامی نظام معاشرت مودودی)

تسلیم کر لینے والی بات کو تسلیم کر ہی لینا چاہیے کہ عورت بھی اپنی ایک شخصیت رکھتی ہے اس لیے اس کو معاشرتی زندگی کی ضرورت کے لیے اپنی حدود کے اندر رہتے ہوئے جب اس کو دوسرے لوگوں سے میل ملاقات کرنا پڑے تو وہ ظاہری بناؤ سنگار کو ترک کرتے ہوئے میل ملاقات کر سکتی ہے گویا کہ:

معاشرتی زندگی میں عورت کی شراکت اور دوسروں سے ملاقات خواہ وہ قصد و ارادہ کے بغیر ہو یا کسی نیک مقصد کی خاطر ہو زندگی کے عام اور خاص میدانوں میں اسلامی معاشرے میں یہ عام معمول کی بات تھی، ہے اور رہے گی جیسے:

1- مسجد جس میں خواتین فرض نمازوں، نماز جنازہ اور کسوف کے وقت حاضر ہوتی رہیں اور اب بھی ان کو ہوتے رہنا چاہیے۔

2- علم و علماء کی مجالس میں بھی خواتین حاضر ہوتی رہیں خواہ یہ مجالس مسجد میں ہوتیں یا عید گاہ میں یا علماء کرام کے گھروں میں۔

3- بیت اللہ جسے اللہ رب کریم نے لوگوں کے لیے حج و عمرہ کے مناسک ادا کرنے کیلئے بار بار آنے جانے کیلئے امن کی جگہ بنا دیا ہے جس میں عورتیں برابر کی حصہ دار ہیں۔

4- تقریب عید کے مقامات، نماز عید ادا کرنے کے لیے یہ مقامات خواہ عید گاہ کی صورت میں ہوں اور عورتیں وہاں جمع ہو کر مردوں کے ساتھ علیحدہ مقام پر نماز عید ادا کریں اور دعاء وغیرہ میں شریک ہوں خواہ اپنی جگہ الگ بنائیں۔

5- عدالت خواہ مسجد میں ہو یا کسی دوسری جگہ جس میں مردوں اور عورتوں کے تنازعات پیش ہوں اور کبھی نوبت یہاں تک پہنچ جائے کہ مرد کو لوگوں کے سامنے اپنی بیوی سے لعان کرنا پڑے۔

6- جنازہ کے امور مثلاً تعزیت کے لیے آنا جانا ضروری ہو یا کسی میت کی الوداعی کے وقت حاضری ضروری ہو جو عزیز و اقارب میں ہوتی رہتی ہے۔

7- میدانِ جہاد میں خواہ عورتیں مردوں کو کھلانے پلانے کی خدمت پر مامور ہوں یا زخمیوں کی مرہم پٹی کرنے کے لیے ان کو شریک کیا جائے اور اسی طرح زخمیوں کو اور مقتول لوگوں کو دوسری جگہ منتقل کرنے کا کام وہ سرانجام دیں۔

مختصر یہ کہ اس طرح کی بہت سی ضروریات پیش آ سکتی ہیں جن میں عورتیں مردوں کے ساتھ تعاون کر سکتی ہیں اور کرتی رہی ہیں جیسا کہ روایات میں ان باتوں کا ذکر بکثرت موجود ہے۔

شرعی آداب کو ملحوظ رکھتے ہوئے مردوں اور عورتوں کی اس طرح کی ملاقات کو عصر حاضری کی نئی اصطلاح میں ”اختلاط مشروع“ کا نام دیا جاتا ہے جو جائز اور صحیح ہے اور اس سے مراد عورت کا ایسی زندگی اختیار کرنا ہے جو اچھی ہو، بری نہ ہو۔ بھرپور ہو گناہ نہ ہو، پاک ہو ناپاک نہ ہو، خیر ہو شر نہ ہو اور مردوں سے ملاقات اس نوع کی زندگی بسر کرنے کا لازمی نتیجہ ہو۔ اس سے ملاقات کی ان تمام صورتوں کی نفی ہو جاتی ہے جن کا سبب جذبہ شہوت و خواہش نفس ہو اور اس سے اچھی ملاقات کی تمام صورتوں کا اثبات بھی ہو جاتا ہے خواہ یہ ملاقات غیر ارادی طور پر ہو اور خواہ قصد و ارادہ سے ہو۔ جو صورتیں جائز اور درست ہیں جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے۔

فرد خواہ وہ مرد ہو یا عورت معاشرے کے لیے ایسے خاندان کے بغیر چارہ کار نہیں جو باہم الفت کرنے والا، تعاون کرنے والا اور سعادت مند ہو اور خاندان کی حفاظت خواہ وہ الفت و ربط اور افراد میں باہمی محبت کے اعتبار سے ہو یا بچوں کی حسن و کمال کے ساتھ پرورش کے حوالہ سے ہو۔ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس کے حصول کے لیے تمام افراد اور تمام نجی و سرکاری اداروں کو باہمی تعاون کرنا چاہیے۔ مرد و عورت اور معاشرے کی ترقی اس مقصد کے حصول کے مطابق ہوگی تو معاشرہ صحت مند اور درست ہوگا اور جس قدر اس مقصد کو ضائع کر دیا جائے گا، مرد و عورت بھی ضائع ہوں گے اور معاشرہ بھی ضعیف و انحطاط میں مبتلا ہو گا۔

ابوالاعلیٰ مودودی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ ”ایک مومن عورت جو اللہ اور رسول اللہ ﷺ

کے احکام کی سچے دل سے پابند رہنا چاہتی ہے اور جسے فتنے میں مبتلا ہونا منظور نہیں ہے وہ خود اپنے حالات اور ضروریات کے لحاظ سے فیصلہ کر سکتی ہے کہ چہرہ اور ہاتھ کھولے یا نہیں، کب کھولے اور کب نہ کھولے، کس حد تک کھولے اور کس حد تک چھپائے۔ اس باب میں قطعی احکام نہ شارع نے دیئے ہیں، نہ اختلاف احوال و ضروریات کو دیکھتے ہوئے یہ مقتضائے حکمت ہے کہ قطعی احکام وضع کیے جائیں۔ جو عورت اپنی حاجات کے لیے باہر جانے اور کام کاج کرنے پر مجبور ہے اُسے کسی وقت ہاتھ بھی کھولنے کی ضرورت پیش آئے گی اور چہرہ بھی۔ ایسی عورت کے لیے بلحاظ ضرورت اجازت ہے اور جس عورت کا حال یہ نہیں ہے اس کے لیے بلا ضرورت قصداً کھولنا درست نہیں۔ پس شارع کا مقصد یہ ہے کہ اپنا حسن دکھانے کے لیے اگر کوئی چیز بے حجاب کی جائے تو یہ گناہ ہے۔ خود بخود اگر کچھ ظاہر ہو جائے یا ضرورت کے مطابق ظاہر کیا جائے تو کوئی گناہ نہیں۔“ (پردہ ۲۶)

اسلامی معاشرے کے لیے اگر مغرب کی آزادی زہر قاتل ہے تو مشرق کی وہ پابندی جو دین کے نام پر روارکھی گئی ہے وہ بھی کسی طرح اس سے کم نہیں قرار دی جاسکتی۔ مغرب کی آزادی نے جہاں معاشرے کے نوجوان مردوں اور عورتوں کو بے لگام کر دیا ہے اور وہ مادر پدر آزاد ہوتے چلے جا رہے ہیں، مشرق کی پابندی نے صرف عورتوں ہی کو کال کوٹھڑی میں بند کر کے آدھے معاشرے کا ستیاناس نہیں کیا بلکہ خاندانی پیار و محبت اور الفت و شفقت جیسی تمام چیزوں کو جڑ سے اکھاڑ کر دور پھینک دیا ہے اور ”لحمو موت“ کے دو لفظوں کی غلط تعبیر نے حقیقی بھائی کو حقیقی اور نسبی بھائی سے اس طرح جدا کر دیا ہے کہ گویا وہ کوئی اجنبی ہیں جو ایک دوسرے کو جانتے تک نہیں جس پر جتنا افسوس کیا جائے کم ہے۔ اس تحریر کا مقصد صرف اور صرف یہ ہے کہ اسلامی معاشرہ کو صحیح خطوط پر قائم کیا جائے اور افراط و تفریط سے مکمل طور پر گریز کیا جائے تاکہ معاشرہ اسلامی غلو کا شکار نہ ہو۔ اللہ سے دُعا ہے کہ وہ اس حقیر کوشش کو شرف قبولیت بخشے اور معاشرہ ہر قسم کی بداعتدالیوں سے محفوظ رہے۔ رب یسر ولا تعسر و تتم بالخیر۔

پیش لفظ

قرآن کریم میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ: لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا ۝ (۲۱:۳۳) (اے ایمان والو!) بلاشبہ تمہارے لیے رسول اللہ (ﷺ) میں بہترین نمونہ ہے خصوصاً اُن لوگوں کے لیے جو تم میں سے اللہ کی ملاقات اور آخرت کے دن کے آنے کی اُمید رکھتے ہیں اور اللہ کی یاد کثرت سے کرتے ہیں۔“

کیا کوئی مسلمان ایسا ہے جو نبی اعظم و آخر ﷺ کی زندگی کو اپنے لیے بہترین نمونہ قرار نہ دیتا ہو؟ کیا کوئی ایسا مسلمان ہے جو آپ کا طریقہ دیکھ، سن لینے کے بعد مزید کسی کے طریقہ زندگی سے دلیل طلب کرے؟ جواب ایک اور صرف ایک ہے کہ وہ شخص کبھی مومن نہیں ہو سکتا جو آپ کے طریقہ زندگی کو دیکھ کر اُس کو اپنے لیے لازم و ضروری نہ سمجھتا ہو۔ گویا مسلمان ہونے کے لیے ضروری ہے کہ مسلمان کہلانے والا آپ کے طریقہ زندگی کو اپنائے اور اُس سے بہتر نمونہ کسی اور کی زندگی کو قرار نہ دے خواہ وہ کون ہو، کہاں ہو اور کیسا ہو۔

نبی کریم ﷺ کی زندگی کے بے شمار ابواب ہیں اور سب ابواب میں ہمارے لیے راہنمائی موجود و محفوظ ہے۔ ان ہی ابواب میں سے ایک باب مزاح کا بھی ہے۔ آپ جب خوش ہوتے تو اکثر اوقات مزاح میں بات فرماتے آپ کے مزاح کے متعلق روایات میں بھی ذکر موجود ہے مثلاً معروف ہے کہ ایک بوڑھی عورت نے آپ سے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ! آپ میرے لیے جنت کی دعا فرمائیں تو آپ نے بطور مزاح اس بوڑھی عورت سے فرمایا کہ اے اللہ کی بندی! جنت میں کوئی بوڑھی عورت نہیں جائے گی وہ بے چاری پریشان ہونے لگی تو آپ نے دوبارہ فرمایا کہ آپ جنت جائیں گی تو بوڑھی نہیں رہیں گی بلکہ جوان ہو جائیں گی تو وہ آپ کا جواب سن کر خوش ہو گئی اور اُس کی حیرانی ختم ہو گئی۔

اسی طرح یہ بھی معروف ہے کہ ایک آدمی نے آپ سے جہاد کے سفر کے لیے اونٹ طلب کیا، آپ نے نہایت خوشی کے عالم میں اُس سے فرمایا کہ: اچھا کل آنا میں آپ کو

اونٹ کا بچہ دوں گا۔ وہ حیران ہو کر بولا، یا رسول اللہ ﷺ! میں اونٹ کا بچہ لے کر کیا کروں گا؟ میں نے تو سواری کے لیے اونٹ طلب کیا ہے، آپ نے اُس کی یہ بات سن کر فرمایا کہ اے اللہ کے بندے! کیا ہر اونٹ، اونٹ ہی کا بچہ نہیں ہوتا تو وہ بات کو سمجھ گیا اور خوش و خرم واپس لوٹا۔

اسی طرح ایک عید کے موقع پر آپ نے عورتوں کو اچھے ملبوسات میں ملبوس دیکھا اور وہ اپنی عادت کے مطابق سب کی سب باتوں میں مصروف تھیں، آپ کی طرف متوجہ نہ ہوئیں، آپ نے ان کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ ”تم ناقصات عقل و دین ہو“ وہ حیران ہو کر پوچھنے لگیں، یا رسول اللہ ﷺ! کیوں؟ تو آپ نے فرمایا کیا ایک مرد کے مقابلہ میں تم میں سے دو کی گواہی لی جاتی ہے، انہوں نے اثبات میں جواب دیا تو آپ نے فرمایا کیا یہ تمہاری عقل کا نقص نہیں؟ پھر فرمایا کہ تم کو ہر ماہ اذیت کے دن آتے ہیں؟ انہوں نے ہاں میں جواب دیا تو آپ نے فرمایا یہ تمہارے دین کا نقصان نہیں؟ کہ تم کو نماز سے روک دیا جاتا ہے تو وہ خاموش ہو گئیں حالانکہ یہ ایک طرح سے ان عورتوں کو خاموش کرانے کے لیے بطور مزاح آپ نے فرمایا۔ جب کہ یہ معلوم ہے کہ یہ دونوں چیزیں نقصان کی نہیں بلکہ عورت کی شخصیت کی تکمیل کی علامت ہیں۔

قابل غور ہے کہ روایات میں کامل عورتوں کا ذکر بھی موجود ہے چاہے وہ کم ہی ہوں، کیا یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ جو کامل عورتیں گزری ہیں وہ ان دونوں عوارضات سے مستثنیٰ تھیں؟ یہ بات بھی کتاب و سنت میں واضح ہے کہ عورت کی کاملیت کا ثبوت ہی یہ ہے کہ اس کو اذیت کے دن آتے ہوں اگر کسی عورت کو یہ اذیت کے دن نہ آئیں تو وہ کامل عورت نہیں ہوتی کیونکہ بنات آدم کے لیے یہ قضیہ عورتوں کی زندگی کا ایک اہم جزو ہے۔

اس جگہ بات عورت کے پردے کے متعلق ہو رہی ہے ہم دیکھتے ہیں کہ آپ کا اسوہ حسنہ اپنے عزیز واقارب کے ساتھ کیا تھا خصوصاً ان عزیز واقارب کے ساتھ جن سے نکاح کرنا جائز اور حلال ہے جن میں پھوپھی زاد بہن، چچا زاد بہن، خالہ زاد بہن، چچا کی بیوی، چچا زاد بھائی کی بیوی اور اپنی سالی وغیرہ شامل ہیں۔ ان مثالوں کو پیش نظر رکھ کر دوسرے قریب کے رشتہ داروں اور ان کی اولاد در اولاد کا فیصلہ بھی بآسانی کیا جاسکتا ہے۔ اب ملاحظہ فرمائیں آپ کے اسوہ حسنہ کی مثالیں جن میں سے ایک ایک مثال پر اس جگہ اکتفا کیا

جاتا ہے کیونکہ دلیل کے لیے یہ کافی دوانی ہیں اور زیادہ کے لیے ذخیرہ روایات کھلا پڑا ہے بشرطیکہ کوئی شخص محض سنی سنائی باتوں کو چھوڑ کر خالی الذہن ہو کر، تعصب کی عینک اُتار کر خود مطالعہ کرنے کے لیے تیار ہو اور وہ اس کی صلاحیت بھی رکھتا ہو۔

1- ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ضباعت بنت الزبیر بن عبدالمطلب کے ہاں تشریف لے گئے اور فرمایا کیا آپ حج کا ارادہ رکھتی ہیں؟ وہ کہنے لگیں کہ ارادہ تو تھا لیکن بخدا میں تو اس وقت سخت تکلیف محسوس کر رہی ہوں (شاید روک دی جاؤں) آپ نے فرمایا کہ حج کی نیت کریں اور شرط لگالیں کہ اے اللہ! میں اس جگہ حلال ہوں گی جہاں میں سفر کرنے سے عاجز آ جاؤں گی۔ (بخاری ۴۰۰۰، ۵۰۸۸) ضباعت مقداد بن الاسود کے نکاح میں تھیں اور نبی کریم ﷺ کے چچا زبیر بن عبدالمطلب کی بیٹی تھیں گویا آپ کی چچا زاد تھیں۔

2- ام ہانی رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ کہتی ہیں کہ فتح مکہ کے روز حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آئیں اور نبی کریم ﷺ کی بائیں طرف بیٹھ گئیں جب کہ میں (ام ہانی) آپ کی دائیں طرف بیٹھی تھی۔ ایک لڑکی نے پانی کا پیالہ آپ کی خدمت میں پیش کیا، جو آپ نے طلب فرمایا تھا۔ آپ نے اس پیالہ سے پانی پیا اور جو بیچ گیا وہ مجھے (ام ہانی) کو دے دیا، میں نے اُس سے پیا (مشکوٰۃ المصابیح تحقیق البانی حدیث ۲۰۷۹، حاکم جلد اول ص ۶۴۲ محقق نے کہا ہے کہ اس کا اسناد جید ہے)

ام ہانی بنی کریم ﷺ کے چچا ابوطالب کی بیٹی اور علیؑ کی بہن ہیں۔ صحیح بخاری اور مسلم میں بیسیوں روایات موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ اکثر ان کے پاس تشریف لے جاتے تھے۔ ان کے ہاں کھاتے پیتے اور سوتے جاگتے اور نہاتے دھوتے تھے اور آپ کو اپنی اس چچا زاد سے بہت انس و محبت تھی اور آپ ان سے نہایت بے تکلفی سے پیش آتے تھے اور ام ہانی رضی اللہ عنہا بھی آپ سے بہت محبت کرتی تھیں۔ اس کتاب ”عورت کا مقام اسلام کی نظر بصیرت میں“ بھی بعض روایات بخاری و مسلم سے درج کی گئی ہیں جو قارئین ملاحظہ کریں گے۔

3- ”ابن ابی حسین سے روایت ہے کہ درہ بنت ابولہب حارث بن عبد اللہ بن نوفل کے نکاح میں تھیں۔ ان کے لطن سے عقبہ، ولید اور ابو مسلم پیدا ہوئے وہ جب ہجرت کر کے

رسول اللہ ﷺ کے پاس مدینہ منورہ آئیں تو لوگوں نے ان کے والدین کے متعلق بہت کچھ کہنا شروع کر دیا۔ وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کہنے لگیں یا رسول اللہ ﷺ! کیا صحابہ میں میرے سوا کوئی کافروں کی اولاد نہیں؟ آپ نے فرمایا! کیوں، کیا بات ہے؟ کہنے لگیں مدینہ والے میرے والدین کی برائی کر کے مجھے اذیت دیتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جب تم ظہر کی نماز پڑھو گی تو ایسی جگہ کھڑی ہو، جہاں سے میں آپ کو بآسانی دیکھ سکوں۔ جب آپ نے ظہر کی نماز پڑھائی اور نمازیوں کی طرف منہ پھیرا تو عورتوں کی صفوں میں آپ نے درہ کو دیکھا تو لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا، لوگو! کیا تمہارا حسب نسب ہے اور میرا کوئی حسب و نسب نہیں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کی بات سنی تو جلدی سے آپ کے پاس پہنچے اور فرمایا، جس نے آپ کو ناراض کیا اس پر اللہ تعالیٰ کی ناراضگی ہوگی۔ آپ نے درہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ درہ میری چچا زاد ہیں ان سے کلمہ خیر کے سوا تم لوگ اور کچھ نہ کہو۔ (مجمع الزوائد۔ کتاب المناقب، مناقب درہ بنت ابولہب ج ۹ ص ۲۵۸، اس کو طبرانی نے بھی روایت کیا ہے اس کے راوی صحیح بخاری کے راوی ہیں)

روایت کا مضمون واضح ہے اور اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ درہ نبی کریم ﷺ کے چچا ابولہب کی بیٹی تھیں اور ابولہب کی مخالفت اظہر من الشمس تھی تاہم درہ مسلمان ہو گئیں اور آپ نے ان کو وہ مقام دیا جو قربت میں ان کا حق تھا جیسا کہ اوپر روایت سے بھی یہ بات واضح ہو رہی ہے۔

4- ”ام الفضل رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپ میرے ہاں تشریف فرما تھے کہ ایک دیہاتی آپ کے پاس آیا اس نے اجازت طلب کی، اجازت دی گئی تو اُس نے آ کر عرض کی کہ اے اللہ کے رسول ﷺ میری ایک بیوی ہے اُس کے بعد میں نے ایک اور عورت سے نکاح کیا اور جب میں نکاح کر کے گھر لے آیا تو میری پہلی بیوی نے کہا کہ میں نے اس کو ایک یا دو بار، ایک یا دو گھونٹ دودھ پلایا ہے تو اب میرے لیے کیا حکم ہے؟ نبی کریم ﷺ نے اُس سے فرمایا کہ ایک یا دو بار پستان منہ میں لے کر دودھ پینے (چوسنے) سے حرمت ثابت نہیں ہوتی۔ (مسلم ۳۵۹۱، ۱۸، ۱۴۵۱)

اس جگہ دودھ کے حکم سے ہمارا معاملہ نہیں معاملہ صرف یہ ہے کہ ام الفضل نبی کریم

ﷺ کی چچی ہیں جو حضرت عباس بن عبدالمطلب کی بیوی ہیں آپ کا اُن کے ہاں تشریف لے جانا اور وہاں قیام کرنا ثابت ہے۔ آپ کا ان چچی جان سے آنا جانا اور ان کے ہاں قیام کرنے کی روایات صحیح بخاری اور مسلم میں موجود ہیں جس سے آپ کی خاندانی زندگی کا اسوہ حسنہ ثابت کرتا ہے کہ اس میں ہمارے لیے کیا راہنمائی موجود ہے اور آپ کے یہ چچا عمر کے لحاظ سے بھی آپ کے تقریباً ہم عمر ہیں صرف تین چار سال آپ سے بڑے تھے جس سے آپ کی ہم عمری بھی واضح ہو رہی ہے اور ام الفضل بہت سی روایات کی راوی ہونے سے بھی آپ کی آمدورفت واضح ہے۔

5۔ جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے ایک دفعہ آپ نے استفسار فرمایا کہ کیوں، کیا بات ہے کہ میرے چچا زاد بھائی جعفر بن ابی طالب کا جسم بہت نحیف اور کمزور نظر آتا ہے؟ کیا فقر و فاقہ میں مبتلا ہیں؟ تو اسماء بنت عمیس نے کہا کہ ایسی بات نہیں، دراصل ان کو وہم کی شکایت ہے تو آپ نے فرمایا اچھا میں ان کے لیے دُعا کروں گا۔ اسماء رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں جعفر یعنی اپنے خاوند کو لے کر آپ کے پاس حاضر ہوئی تو آپ نے ان کے لیے دُعا فرمائی (مسلم ۵۷۲۶، ۲۱۹۸، ۶۰)

اس جگہ بھی اصل مسئلہ زیر بحث صرف یہ ہے کہ آپ اپنے عزیز واقارب کے ہاں تشریف لے جاتے تھے۔ اس وقت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا آپ کے چچا زاد بھائی جعفر رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں اور جعفر آپ سے بہت چھوٹے تھے ان کے گھر میں آنے جانے کے باعث آپ نے اسماء رضی اللہ عنہا سے اپنے چچا زاد بھائی کی کمزوری صحت کا دریافت فرمایا اور اس کا مناسب سدباب بھی کیا۔ یہ وہ اسماء بنت عمیس ہیں جنہوں نے جعفر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے نکاح کیا اور ابو بکر صدیق کی وفات کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عقد میں آئیں اور کتب روایات میں ان کے ساتھ آپ کے روابط، آنا جانا اٹھنا بیٹھنا اور ان کے ہاں سے کھانے پینے کی روایات بکثرت موجود ہیں اور ہر ایک مقام پر صحابہ کرام سے بھی ان کی گفتگو، بات چیت اور ملاقات کا اکثر ذکر آتا ہے۔ یہ روایات بخاری و مسلم میں موجود ہیں۔

6۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ حضرت خدیجہ رضی

اللہ عنہا کی بہن ہالہ بنت خویلد نے آپ کے پاس آنے کی اجازت طلب کی تو آپ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی بہن ہونے کے باعث فوراً پہچان گئے۔ آپ نے خوش دلی اور نہایت چاہت سے اجازت دی اور زبان مبارک سے اچانک ارشاد فرمایا کہ اے اللہ! ہالہ بنت خویلد (بخاری ۳۱۳۸، مسلم ۲۶۸۲، ۷۸، ۲۳۳۶)

یہ ام المؤمنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی بہن ہالہ ہیں جو نبی کریم ﷺ کی رشتہ کے لحاظ سے ”سالی“ ہوتی ہیں اور یہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد ایک مدت تک زندہ رہیں اور مدینہ کی طرف ہجرت بھی کی اور مدینہ میں آنے کے بعد بھی نبی کریم ﷺ کے پاس اکثر آتی جاتی تھیں۔ آپ بھی ہالہ کی بہت عزت افزائی فرماتے ہالہ کے ہاں آپ کی آمدورفت اکثر رہتی جس کا ذکر روایات صحیح بخاری اور مسلم میں موجود ہے۔

آپ کی ازواج مطہرات کی کثرت کے باعث آپ کی بہت سی سالیاں تھیں اور بہت سی سالیاں آپ کی مسلمان ہوئیں اور اکثر کے ساتھ آپ کی عزیز داری کے تذکرے موجود ہیں اور کتب روایات میں آپ کی سالی اسماء بنت ابوبکر کا ذکر بھی بہت کیا گیا ہے اور آپ کی یہ سالی آپ کے پھوپھی زاد بھائی زبیر رضی اللہ عنہ کی بیوی بھی تھیں گویا اس طرح آپ کا ان سے دوہرا رشتہ تھا ان کے ہاں آنا جانا، بیٹھنا اٹھنا اور اپنے پیچھے اونٹ پر ردیف کے طور پر سوار کرنے کا ذکر بھی موجود ہے جس سے آپ کے حسن سلوک کی یاد آج بھی تازہ ہوتی ہے اور خاندانی رشتوں کے تقدس کا پتہ چلتا ہے ہمارے جو بھائی ان رشتوں ناطوں سے نفرت سکھاتے ہیں اور ان سے میل جول سے سختی سے منع کرتے ہیں ان کو غور کرنا چاہیے کہ وہ ایسا کر کے کس اسلام کی نشاندہی کر رہے ہیں؟ اور محبت و شفقت کی جگہ منافرت کے پھیلانے کا کیوں عزم کر رکھا ہے؟ اور ”الحمو موت“ سے اگر وہ مراد نہیں جو ہم نے بیان کی ہے تو اس کا مطلب و مفہوم کیا ہے؟ اللہ کے لیے آپ کے اسوہ حسنہ پر غور کریں اور اپنے عزیز واقارب کے ساتھ ایسے روابط قائم کریں جن کی اسلام نے خوشی کے ساتھ اجازت دی ہے۔ خاندانی عورتوں کا تقدس بحال کریں جو خاندان کا حسن ہیں محبت ہیں اور پیار ہیں۔ ان خونی رشتہ داروں سے پیر کرنا چھوڑ دیں۔

ان تمام رشتہ داریوں میں چہرہ کھلا ہونے کی بدولت نوجوان لڑکے اپنی چچا زاد، پھوپھی زاد، ماموں زاد اور خالہ زاد بہنوں کو پہچان لیتے ہیں اور اسی طرح جوان بچیاں بھی

اپنے چچا زاد، پھوپھی زاد، ماموں زاد اور خالہ زاد لڑکوں یعنی بھائیوں کو پہچان لیتی ہیں اور بچوں، بچوں کو اپنی پھوپھیوں اور خالوں کے شوہروں سے جان پہچان ہوتی ہے اور ان مقدس رشتوں کے آپس میں روابط بڑھتے ہیں جس سے انسانوں کی انسانیت پروان چڑھتی ہے اور انسان حیوانوں کی صف سے نکل کر انسانوں کی صف میں داخل ہوتا ہے اگر ان ہی رشتوں میں سے کوئی رشتہ ازدواجی زندگی میں منسلک کیا جاتا ہے تو اس سے دونوں خاندانوں میں مزید پیار و محبت کے رشتے استوار ہوتے ہیں اور پہلی رشتہ داری کو مزید تقویت حاصل ہوتی ہے۔ شوہر کی اپنی سالیوں اور بیویوں کو دیوروں سے تعارف حاصل ہوتا ہے جس سے بہنوں اور بھائیوں کے ان رشتوں میں وسعت حاصل ہوتی ہے۔

قرآن کریم نے جن رشتوں کا واضح ارشاد فرمایا ہے ان رشتوں کی موجودگی میں ان قریبی عزیزوں کی آمد و رفت سے خاندانی انس و محبت میں اضافہ ہوتا ہے۔ اگر ایسا نہ کیا جائے تو صلہ رحمی کا اور کیا طریقہ ہوگا اور کس طرح عزیز واقارب کے درمیان الفت و محبت کی فضا پیدا ہوگی؟ بیماری میں ایک دوسرے کی عیادت کیسے ہوگی؟ سفر پر جاتے وقت کس طرح ایک دوسرے کو رخصت کیا جائے گا؟ سفر سے واپسی کے وقت ایک دوسرے کا استقبال کیونکر ہوگا؟ کیا کوئی چچا زاد، ماموں زاد شادی شدہ بہن کے ساتھ صلہ رحمی کے لیے حاضر ہو گا؟ اور ایک مجلس میں بیٹھ کر قابل قدر جذبات اور احساسات کا تبادلہ کیسے ممکن ہوگا؟ حالانکہ ان رشتوں کی زیارت کرنا اور محبت و الفت کا اظہار کرنا ہمارے رسول اللہ ﷺ کی زندگی کا معمول تھا جو ہمارے لیے سب سے بہترین نمونہ قرار دیا گیا ہے۔ یہ تمام رشتہ داریاں ہر انسانی خاندان کا ایک اہم جزو ہیں ان کے باعث خاندان میں یسرو آسانی پیدا ہوتی ہے اور عسرو تنگی کی فضا ختم ہوتی ہے۔ یہ جدید اسلام کہاں سے آیا ہے جس نے خاندانی زندگی کا ستیاناس کر دیا ہے؟ اگر یہ مغرب کی ضد میں نافذ کیا جا رہا ہے تو جس طرح مغرب کی زندگی افراط کی بھینٹ چڑھی ہے بالکل اسی طرح مشرق کی زندگی تفریط کی بھینٹ چڑھائی جا رہی ہے اور کون نہیں جانتا کہ جس طرح افراط ایک غلط چیز ہے اور غلو ہے بالکل اسی طرح تفریط بھی غلط اور غلو ہے، راہ وہی صحیح اور درست ہے جو میانہ روی پر قائم ہے اور اسلام کی زندگی میانہ روی کی زندگی ہے افراط و تفریط کی نہیں اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ ہمارے لیے حقیقت کو سمجھنا آسان فرمادے۔

بلاشبہ انسان بھی ایک حیوان ہے اور تمام حیوانوں کی طرح اس میں بھی جنسی رجحانات و جذبات پائے جاتے ہیں لیکن ان جذبات پر قابو حاصل کرنا اور ان کو کنٹرول میں رکھنے کا نام انسانیت ہے جس سے انسان تعبیر ہوتا ہے اور یہ تمام انسانوں کا فرض ہے جس کو اجاگر کرنے کے طریقے اسلام نے سکھائے ہیں ان طریقوں کو سیکھنا اور ان کے مطابق عمل کرنا انسانیت کی تکمیل ہے۔ انسانوں میں جس طرح مرد شامل ہیں بالکل اسی طرح عورتیں بھی اور سب کی اپنی اپنی شخصیت ہے جس کو ملحوظ خاطر رکھنا ضروری ہے اس لیے عورت کو محض مرغی اور چوزا سمجھنا اور مرد کو بلا اور بلا تصور کرنا ایسا تصور کرنے والوں کی اپنی شخصیت کو مجروح کرنا ہے۔ افسوس کہ آج ایسا کرنے والوں کو علامہ اور حضرت العلام جیسے مبارک ناموں سے موسوم کیا جاتا ہے جو ان ناموں کی توہین و تضحیک کے مرادف ہے۔

مختصر یہ کہ اسلام نے لباس کے دو مقاصد خود واضح کر دیئے ہیں ایک مقصد انسان کے پردے کے مقامات کا پوشیدہ کرنا ہے اور دوسرا مقصد زیب و زینت کو قائم رکھنا ہے پھر یہ دونوں مقاصد ایسے ہیں کہ ان کو پیش نظر رکھنے سے تمام بداعتدالیاں خود بخود ختم ہو جاتی ہیں زیادہ بحث و تجسس کی ضرورت باقی نہیں رہتی ہاں! زیادہ سے زیادہ یہ بات بھی ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ ایک لباس ظاہری ہے اور ایک حقیقی ہے اور وہ کیا ہے؟

ظاہری لباس اور حقیقی لباس

لباس کے متعلق گفتگو ہمیں یہ موقع فراہم کرتی ہے کہ ہم ظاہر اور حقیقت دونوں کو پیش نظر رکھیں۔ بناوٹ اور رنگوں کے اعتبار سے ظاہری لباس تشکیل پاتا ہے۔ صرف خواتین ہی نہیں بلکہ مرد حضرات بھی جب اپنے لیے کسی لباس کا خیال کرتے ہیں تو ان کا اولین مقصد جسم کو ڈھانکنا ہوتا ہے، دوسرے درجے پر گرمی، سردی سے بچنا اور موسم کے لحاظ کو سامنے رکھنا اور تیسرا مقصد خوبصورت شکل و صورت میں نظر آنا اور لباس کے یہی مقاصد اسلام نے بھی بتائے ہیں البتہ اتنی مزید ہدایت فرمائی ہے کہ ولباس التقویٰ ذلک خیر (۲۶:۷) اور ظاہر ہے کہ اس سے اس کا مقصد یہی ہے کہ اس کے اس لباس کے لیے ساتھ اپنی عفت و پاکدامنی کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے جو ظاہری لباس سے بھی واضح ہوتا کہ وہی ظاہری لباس اُس کا حقیقی لباس بھی ثابت ہو سکے۔

مسلم خواتین کو بھی اس لباس کا زیادہ اہتمام کرنا چاہیے اس لیے کہ لباس پہننا ایک کلی

جو ہر کا ایک جزو ہے اور کلی جو ہر مسلمان خاتون کی مکمل شخصیت ہے جو اس کی عقل و دماغ، روح و قلب، شرافت اور ذمہ داریوں کے ملاپ سے تشکیل پاتی ہے۔

گویا پورا اور مکمل لباس خواتین کی پاکدامنی اور اجنبیوں کی نگاہ مست سے بچاؤ کا ضامن ہونے کے ساتھ ساتھ اولاً عقل و فہم کی نشوونما اور ثانیاً عقل و فہم کو بروئے کار لانے اور خوش اسلوبی سے استعمال کرنے میں مدد و معاون ثابت ہوتا ہے۔

مکمل شرعی لباس خواتین کے دل و دماغ کی حفاظت و صیانت میں بھی مددگار ثابت ہوتا ہے جس کی بدولت بیدار مغز ہو کر اس کا دل ماشاء اللہ نیکی اور خیر کے جذبات سے معمور ہو جاتا ہے۔

مکمل شرعی لباس ہر اس جگہ میں خواتین کی عزت و ناموس کے تحفظ میں مدد دیتا ہے جہاں انہوں نے جانا اور ٹھہرنا ہوتا ہے اور ان پر عائد ذمہ داریاں نبھانے میں مددگار ثابت ہوتا ہے جب کہ ان کی ذمہ داریوں کا دائرہ کار امور خانہ داری سے شروع ہو کر امت کی بیداری کے عمل میں شراکت تک وسیع ہوتا ہے خواہ وہ اجتماعی اور سیاسی میدانوں میں متحرک رہنا ہو یا انفرادی اور معاشرتی ضروریات کے تحت میدانِ عمل میں محنت و کوشش کرنی ہو جس کی وضاحت آپ نے اس طرح فرمادی کہ انما النساء شقائق الرجال ”خواتین مردوں کی نظیر ہیں“ (صحیح جامع الصغیر حدیث نمبر ۲۳۳۹)



عورتوں کے پردہ میں استعمال ہونے والے بعض الفاظ

حجاب کیا ہے؟

حجاب کا اصل مادہ ح ج ب ہے جس کے معنی ڈھانپنے اور چھپانے کے کیے جاتے ہیں وہ اس طرح کہ دو اشخاص یا دو چیزوں کے درمیان کسی تیسری چیز کو حائل کر دیا جائے کہ وہ دونوں اشخاص یا چیزیں اس طرح الگ ہو جائیں کہ ایک شخص دوسری کو دیکھ نہ سکے جیسے دو شخصوں کے درمیان کپڑے یا دیوار کا پردہ حائل ہو جائے۔ قرآن کریم میں اس مادہ کا لفظ آٹھ بار استعمال ہوا ہے جس کی وضاحت اس طرح ہے کہ ”حجاب“ کا لفظ 4 بار جیسے (۴۶:۷)، (۵۳:۳۳)، (۵:۴۱) اور (۵۱:۴۲) میں ”الحجاب“ کا لفظ صرف ایک بار (۳۲:۳۸) میں اور ”حجاباً“ کا لفظ دو بار جیسے (۴۵:۱۷) اور (۱۷:۱۹) میں اور ایک بار لفظ ”لمحجوبون“ کا استعمال ہوا اور یہ لفظ (۱۵:۸۳) میں موجود ہے جو مذکورہ آیات کریمات میں دیکھا جاسکتا ہے۔

قارئین کرام ان آیات کریمات کو دیکھیں گے تو معلوم ہو جائے گا کہ ”الحجاب“ سے مراد ایسی چیز ہے جو دو چیزوں یا شخصوں کے درمیان رکاوٹ ہو جس کی وجہ سے وہ دونوں شخص ایک دوسرے کو دیکھ نہ سکیں گویا حجاب کے ہوتے ہوئے ایک دوسرے کو دیکھنا ممکن نہیں ہوتا اندریں وجہ ان آیات سے مراد لباس ہرگز نہیں ہو سکتا جو انسان مرد ہو یا عورت بطور لباس استعمال کریں۔ کیونکہ یہ وہ چیز ہے جو دو شخصوں کے درمیان اس طرح حائل ہو جائے کہ دونوں ایک دوسرے کو قطعاً نہ دیکھ سکیں جب تک درمیان سے حجاب کا کوئی حصہ ہٹا نہ دیا جائے۔ مذکورہ آیات کو دیکھنے سے بھی یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ ”حجاب“ کا لفظ جب پردہ کے لیے استعمال ہوا تو اُس پردے کے لیے بولا گیا ہے جو گھر میں ہوتا ہے اور اس طرح لٹکایا جاتا ہے کہ باہر اور اندر والوں کے درمیان حائل ہو جائے جیسے ہمارے ہاں دروازوں پر لٹکائے جانے کا رواج اب بھی موجود ہے اسی طرح ایک صحن یا ایک کمرہ کے اندر ایسا پردہ لٹکایا جائے جو مردوں اور عورتوں کو ایک دوسرے سے الگ الگ کر دے اور دونوں اصناف کے درمیان حد فاصل کے طور پر استعمال کیا جائے جیسا کہ عموماً

گھروں میں اب بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ قرآن کریم میں ”حجاب“ کا لفظ امہات المؤمنین کے گھروں میں استعمال کے لیے خاص ہے۔

رہا معاملہ روایات کا تو روایات میں صرف صحیح بخاری اور مسلم سے سینکڑوں کی تعداد پیش کی جاسکتی ہیں جن سے واضح ہے کہ ”حجاب“ گھروں میں لٹکائے گئے پردوں پر استعمال ہوا ہے جو نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات کے گھروں میں لٹکائے گئے تاکہ لوگ ان پردوں کی اوٹ سے باہر رہیں اندر نہ آسکیں اور آپ کی وفات کے بعد بھی ازواج مطہرات کی زندگی میں ”حجاب“ بدستور اسی طرح لٹکائے جاتے رہے۔

مختصر یہ کہ کتاب وسنت میں کہیں بھی یہ لفظ لباس کے طور پر، پردہ کے لیے استعمال نہیں ہوا چاہے اب ہمارے رواج میں اس کا استعمال لباس کے پردہ کے لیے عام ہو۔ مجھے اعتراف ہے کہ عورتوں کے پردہ کے متعلق اس وقت جس نے قلم ہاتھ میں لیا ہے اُس نے ”حجاب“ کو لباس ہی کی صورت میں اس کو استعمال کیا ہے خصوصاً ہمارے ہاں اردو زبان میں جن لوگوں نے کچھ تحریر کیا ہے سب کا یکساں یہی حال ہے۔ میری اس وضاحت سے مراد صرف یہ ہے کہ حقیقت حال سب کے سامنے آ جائے اور سب کو معلوم ہو جائے کہ رواج کا معاملہ اتنا سخت ہے کہ وہ جب بھی کہیں رواج پا جاتا ہے تو اُس کے سامنے اصل حقیقت کی کوئی وقعت نہیں رہتی بلکہ رواج ہی اسلام ہو جاتا ہے یا یوں کہہ لیں کہ رواج کو اسلام کا نام دے دیا جاتا ہے اور حقیقت مستور ہو جاتی ہے اور آہستہ آہستہ بعد میں آنے والے پہلوں کے حوالے درج کر کے سب کو مطمئن کر دیتے ہیں کہ یہ سارے محررین جو آج تک اس طرح لکھتے چلے آ رہے ہیں کیا غلط ہو سکتے ہیں؟ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ کتاب وسنت کا اصل مفہوم پردہ میں چلا جاتا ہے اور اختراعی اور رواجی چیز اس پر مکمل طور پر قابو پا جاتی ہے اس وقت جو اسلام، اسلام کا نام استعمال ہوتا ہے وہ زیادہ تر اس اختراعی اور رواجی اسلام پر ہی بولا جاتا ہے جس پر جتنا افسوس کیا جائے کم ہے۔ یہ بات تو داخلی طور پر ہے اس کا خارجی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اغیار بھی اسی اختراعی اور رواجی اسلام کو اصل اسلام قرار دے کر اس پر اعتراضات کی بوچھاڑ شروع کر دیتے ہیں اور ایک شور مچا ہو جاتا ہے اور شور چیز ہی ایسی ہے کہ اس میں کچھ پتا نہیں چلتا کہ کون کیا کہہ رہا ہے اور کوئی دوسرا کیا سن رہا ہے پھر ایک دوسرے پر ایسی طعنہ زنی ہوتی ہے کہ الامان والحفیظ

”ستر“ کے لفظ کا استعمال پردہ کے لحاظ سے

عورتوں کے پردہ کے معاملہ میں ایک تو ”حجاب“ کا نام استعمال ہوتا ہے جیسا کہ اوپر مذکور ہوا اور اس سلسلہ میں جو دوسرا نام زیادہ استعمال ہوتا ہے اس کو ”ستر“ کا نام دیا جاتا ہے۔ اور یہ لفظ بھی حقیقت میں عربی زبان کا لفظ ہے جس کا مادہ س ت ر ہے اس مادہ کے صرف تین الفاظ قرآن کریم میں صرف ایک ایک جگہ استعمال ہوئے ہیں۔ مستور (۱: ۴۵) ۲- مستراً (۹: ۱۸) ۳- تستترون (۲۲: ۴۱) قرآن کریم کی مذکورہ آیات کو نکال کر اپنی آنکھوں سے ملاحظہ کریں گے تو روشن سورج کی طرح واضح ہو جائے گا کہ یہ لفظ بھی قرآن کریم میں کہیں لباس کے معنی میں استعمال نہیں ہوا، اس کے معنی بھی آڑ، اوٹ اور پردہ کے ہیں جس سے کوئی چیز چھپائی جائے جیسے کھلے میدان میں بادل سورج کو چھپا دیتا ہے اور انسان جب کسی مکان میں داخل ہو جاتا ہے تو سورج اُس سے چھپ جاتا ہے یا وہ انسان مکان کی آڑ اختیار کر لیتا ہے اور سورج سے چھپ جاتا ہے۔ معلوم ہو گیا کہ لفظ ”حجاب“ کی طرح ”ستر“ بھی کتاب وسنت میں عورتوں کے پردہ کرنے کے معاملہ میں استعمال نہیں ہوا چاہے رواج نے اس لفظ کا کتنا ہی زیادہ استعمال کیا ہو اور عورتوں کے پردہ ہی کے معاملہ میں کیا ہو۔

مستور، وہ پردہ جو نگاہوں سے پوشیدہ ہو

قرآن کریم کی زبان میں ”مستور“ وہ پردہ ہے جو نگاہوں سے پوشیدہ ہوتا ہے لیکن ہماری عام بول چال میں اس کا استعمال عورت کے لیے کیا جاتا ہے اور ”مستورات“ عورتوں کو کہا جاتا ہے گویا وہ نگاہوں سے پوشیدہ رہتی ہیں یا اُن کو مردوں کی نگاہوں سے پوشیدہ رہنے کا حکم دیا جاتا ہے یا وہ کوئی ایسی چیز ہیں جن کو نگاہوں کے سامنے اور خصوصاً مردوں کی نگاہوں کے سامنے نہیں آنا چاہیے لیکن ہمارے ہاں ”ستر“ اس عورتوں کے پردہ کو کہا جاتا ہے جو عورتیں تمام محرم مردوں کے سامنے بھی نہ کھول سکیں یا ان کو نہیں کھولنا چاہیے سوائے اپنے خاوند یعنی میاں کے اور عرف عام میں اس کو اصطلاحی معنی میں جو اسلام میں عورتوں کے پردہ کے سلسلہ میں استعمال ہوتے ہیں سے مراد جنسی مقامات لیے جاتے ہیں جو انسانی بدن کے حصے ہوتے ہیں اور حقیقت میں لباس کے سلسلہ میں یہ لفظ استعمال نہیں ہوتا چاہے عوام میں یہ لفظ ان معنوں میں معروف نہ ہو۔ چنانچہ تحریر ہے کہ:

”شرعی پردہ دراصل دو پردوں پر مشتمل ہے ایک ہے گھر کے اندر کا پردہ جس کے بارے میں احکامات سورہ النور میں بیان ہوئے ہیں۔ ان احکامات کو ”احکاماتِ ستر“ کہا جاتا ہے۔ دوسرا ہے گھر کے باہر کا پردہ جس کے بارے میں احکامات سورہ الاحزاب میں وارد ہوئے ہیں اور یہ احکامات ”احکاماتِ حجاب“ کہلاتے ہیں۔“ (ڈاکٹر اسرار)

”پردہ کے حوالے سے اکثر لوگ ستر اور حجاب میں کوئی فرق نہیں کرتے حالانکہ شریعت اسلامیہ میں ان دونوں کے احکامات الگ الگ ہیں۔ ستر جسم کا وہ حصہ ہے جس کا ہر حال میں دوسروں سے چھپانا فرض ہے ماسوائے زوجین کے یعنی خاوند اور بیوی اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔ مرد کا ستر ناف سے لے کر گھٹنوں تک ہے اور عورت کا ستر ہاتھ، پاؤں اور چہرے کی نکیہ کے علاوہ پورا جسم ہے یا اس کو اس طرح کہہ لیں کہ عورت کا سارا جسم ”ستر“ ہے سوائے چہرے اور ہاتھ کے۔ البتہ عورت کے لیے عورت کا ستر ناف سے لے کر گھٹنوں تک ہے۔ معمول کے حالات میں ایک عورت ستر کا کوئی حصہ بھی اپنے شوہر کے سوا کسی اور کے سامنے نہیں کھول سکتی۔ ستر کا یہ پردہ ان افراد سے ہے جن کو شریعت نے ”محرم“ قرار دیا ہے اور ان محرم افراد کی فہرست سورہ النور میں بیان کر دی گئی ہے۔ گھر کے اندر عورت کے لیے پردے کی یہی صورت ہے۔“ (ڈاکٹر اسرار)

لفظ ”عورت“ کا استعمال کن معنوں میں

”حجاب“ اور ”ستر“ کے متعلق کتاب و سنت میں جو کچھ کہا گیا ہے اُس کی وضاحت آپ نے دیکھ لی ہے اور آج کل اسلام کے پردہ کے متعلق جو کچھ بیان کیا جاتا ہے اس کا اشارہ بھی آپ نے پڑھ لیا ہے۔ اب لفظ ”عورت“ کے متعلق جان لیجئے کہ ”عورت“ کا لفظ کتاب و سنت میں کہیں بھی مونث انسان کے لیے استعمال نہیں بلکہ ”عورت“ عربی زبان میں پردہ کے مقام یعنی جنسی اعضاء کے لیے استعمال ہوا ہے اس لحاظ سے گویا پردہ کے مقام سے تشبیہ دیتے ہوئے مونث انسان (نساء) یا (امراة) کو ”عورت“ کہا گیا ہے اگرچہ یہ لفظ خالصتاً عربی زبان کا ہے تاہم ہماری بول چال میں جو لفظ استعمال ہوتا ہے اس کا تعلق لفظ عربی ”عورة“ سے ہرگز نہیں ہے۔ چاہے ہمارے علمائے کرام اس کو فخریہ طور پر لکھتے ہیں کہ عورت کو اس لیے عورت کہا جاتا ہے کہ یہ مکمل چھپائی جانے والی چیز ہے جس طرح پردہ کے مقامات کو انسان چھپاتا ہے اس طرح عورت کو چھپایا جانا ضروری ہے اس پر اللہ وانا الیہ

راجعون ہی پڑھا جاسکتا ہے کیا ان کے ذہن میں اُس وقت یہ بات نہیں رہتی کہ ”عورت“ بیٹی، بہن اور ماں بھی ہے جو انسان کے لیے نہایت ہی مقدس رشتے ہیں جن کا احترام ان کی حیثیت کے مطابق ہر انسان پر لازم و ضروری ہے اور جو ان کی حیثیت کے مطابق ان کا احترام نہیں کرتا وہ مسلمان تو درکنار انسانیت ہی سے خارج ہو جاتا ہے خواہ کون ہے، کہاں ہے اور کیسا ہے؟

لفظ نقاب کا استعمال بسلسلہ پردہ

فی زمانہ عورتوں کے پردہ کے متعلق ایک لفظ جو بہت زیادہ استعمال ہو رہا ہے وہ ”نقاب“ کا لفظ ہے جس کا مادہ ن ق ب ہے۔ اس مادہ کے الفاظ بھی قرآن کریم میں استعمال ہوئے ہیں جیسے نَقَبًا (۱۷:۱۸) نَقَبُوا (۲۶:۵۰) اور نَقِيبًا (۱۳:۵) جس کے معنی دیوار میں سوراخ کرنے کے ہیں۔ پناہ کی جگہ کی تلاش کو کہا جاتا ہے اور اس طرح چہرہ کو کیونکہ اس میں بھی سوراخ ہوتے ہیں شاید ”نقاب“ کا لفظ اسی نسبت سے استعمال کیا گیا ہے کہ عورت اپنے چہرے کے سوراخوں کو اس کپڑے سے چھپاتی ہے یا اُسے چھپانا چاہیے۔

مختصر یہ کہ چاہے یہ لفظ بھی عورتوں کے لباس کے لیے استعمال ہوتا ہے خواہ وہ چادر یا برقع کے اس مقام پر جو چہرہ کے اوپر آتا ہے الگ ایک کپڑے کو اس مقام پر لٹکا لیا جاتا ہے اور اس نسبت سے اس کا نام ”نقاب“ رکھا گیا ہو یا علاوہ ازیں کوئی اور وجہ سمجھی گئی ہو۔

دورِ جاہلیت میں عربوں کے ہاں مردوں میں زیادہ تر اس طرح کا لباس استعمال ہوتا تھا اور مرد اور خصوصاً وہ مرد جو قوم کے سردار و نقیب ہوتے تھے وہ اپنے چہروں پر پہنتے تھے جو ان کے لباس کا ایک مستقل حصہ ہوتا تھا اور وہی ”نقاب“ مردوں کے چہروں سے اتر کر عورتوں کے چہرہ کی طرف رواجاً منتقل ہوا جو بھی اور جیسے بھی اس کو سمجھ لیں اس لفظ کا کتاب و سنت کے مطابق جو عورتوں کا لباس ہے اس میں کہیں بھی ذکر موجود نہیں چاہے اس وقت ساری بحث اس لفظ پر بھی کی جاتی ہو جیسا کہ ہمارے مذہبی رسائل میں اس کا تذکرہ کیا جاتا ہے اور ”حجاب“ کی طرح ”نقاب“ کا لفظ بھی عورتوں کے پردہ کے لیے خصوصاً جب عورتیں گھروں سے باہر نکلیں تو ان کے لباس کا ایک اہم جز قرار دیا جاتا ہو۔

اس وقت سوچنے کا مقام ہے کہ روایات نے عورتوں کے تمام اعضاء سر، گردن، سینہ،

سینہ کے ابھار، کوہے اور پیٹ و پنڈلیاں ہی نہیں مکمل ٹانگوں تک سب کچھ کھول دیا ہے اور روز بروز کھلتا ہی چلا جا رہا ہے یہاں تک کہ یہ مرض بڑے بڑے شہروں سے شروع ہو کر اب دیہاتوں تک آ پہنچا ہے لیکن پردہ کے ان تمام مقامات کا کوئی نام نہیں لیتا، کہیں اس کی مذمت ہوتی نظر نہیں آتی جب کوئی صاحب علم اٹھتا ہے تو وہ عورتوں کے چہروں اور ہاتھوں ہی کا ذکر کرتا نظر آتا ہے کیا ”ماظہر منہا“ کا یہی مطلب ہے کہ ہاتھوں اور چہروں کے علاوہ عورتیں تمام اعضاء جسم کو کھول سکتی ہیں۔ افسوس کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے تھا اور ہم کیا کر رہے ہیں؟

خمار کیا ہے اور جلاباب کیا ہے؟

خمار خمر سے ہے اور خمر کا مادہ مخمّر ہے جس کے معنی ڈھانپنے، چھپانے کے ہیں۔ شراب کو خمر اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ نشہ کے باعث عقل و فکر کو ڈھانپ لیتی ہے یا چھپا لیتی ہے۔ اس مادہ کے دو لفظ ”خمر“ اور ”بخمرھن“ کے بھی استعمال ہوئے ہیں۔ یہ بڑی چادر کو کہا گیا ہے جو عورت کے اوڑھنے سے اُس کے تمام بدن کے کپڑوں اور زیوروں وغیرہ کو چھپا لیتی ہے گویا باہر نکلنے کے لیے یہ ایک زائد لباس ہے جو عورتوں کے لیے اسلام نے لازم بتایا ہے۔ ہاں! چہرہ اور ہاتھ وغیرہ کو اس سے مستثنیٰ کیا گیا ہے تاکہ شخصیت کی آزادی اپنی جگہ قائم رہے اور باہر نکلتے وقت عورتوں کو کسی ایسی تنگی میں مبتلا نہ کر دیا جائے جس کو نبھانا ہی ان کے لیے مشکل ہو کیونکہ ”الدین یسر“ کا اعلان عام ہے۔

اور یہ استثناء ”الاماظہر منہا“ کے الفاظ سے لی گئی ہے۔ خمر کا لفظ (۳۱:۲۳) میں استعمال ہوا ہے۔ اور ”بخمرھن“ کا لفظ (۳۱:۲۴) میں۔

جلباب کا مادہ ج ل ب ہے اس مادہ کے دو لفظ قرآن کریم میں استعمال ہوئے ہیں اجلب (۶۴:۱۷) اور جلابیہ (۵۹:۳۳) اس کے بنیادی معنی حفاظت کے ساتھ اپنے مال کو ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچانے کے ہیں۔ اور بعض اوقات اس مال پر بھی اُس کا استعمال ہوتا ہے جس کو فروخت کرنے کے لیے محفوظ کر لیا گیا ہو۔ سورہ بنی اسرائیل میں شیطان سے کہا گیا ہے کہ تو ان کے خلاف اپنے تمام لاؤ لشکر جمع کر کے لے آ۔ عربوں میں عورتوں کے لیے لباس میں ایک سیاہ رنگ کا کوٹ کی طرح کا لباس پہننے کا رواج تھا جو عورتیں اپنے لباس کے اوپر پہنتی تھیں تاکہ ان کے لباس کی زینت کو بھی وہ ڈھانک لے

اور اسلام نے بھی اس کو برقرار رکھا ہے اس لیے کہ خمار جو بڑی چادر ہوتی ہے اُس سے بھی ”جلباب“ پہننا زیادہ آسان ہے کیونکہ اُس کو چادر کی طرح سنبھالنا نہیں پڑتا یہ اپنی سلائی کے باعث خود بخود عورتوں کے سارے لباس کو اپنے اندر محفوظ کر لیتا ہے گویا یہ ایک برقع ہے جس کے ساتھ نقاب نہیں ہوتا۔

لفظ لباس اور زینت کا استعمال

اس جگہ لفظ ”لباس“ اور ”زینت“ کے متعلق بھی کچھ معلومات بیان کی جاتی ہیں تاکہ کتاب و سنت میں پردہ اور خصوصاً عورتوں کے پردہ کے متعلق جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس میں ان الفاظ کو بھی بہت اہمیت حاصل ہے۔

لباس کیا ہے؟

”لباس“ کا اصل مادہ ل ب س ہے جس کے اصل معنی چھپانے کے ہیں جو غلط ملط کر دینے اور مشتبہ کر دینے کے لیے بولا جاتا ہے اور پہننے کے معنی میں استعمال عام ہے کیونکہ کپڑے پہننے اور زیور پہننے میں بھی کتاب و سنت میں بولا گیا ہے۔ گویا لباس وہ چیز ہے جو اصل جسم کی ہیئت کو چھپا دیتا ہے تاکہ انسان کی انسانیت اجاگر ہو جائے اور اس کی حیثیت نکھر کے سامنے آ جائے جس سے اس کو ایک دوسرے سے میل جول اور بیٹھنا اٹھنا، چلنا پھرنا آسان سے آسان تر ہو جائے اور وہ مجلس میں کسی طرح کی مکی محسوس نہ کرے اور اسی طرح حق کو باطل کا لبادہ پہنانے یا باطل کو حق کا لبادہ پہنانے پر اس کا استعمال ہوا ہے جس کو آج کل کی زبان میں شوگر کوٹڈ (Sugar coated) کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اور اسلام میں اس کی بہت مذمت کی گئی ہے یہ ایک برا فعل قرار دیا گیا ہے۔

قرآن کریم میں یہ لفظ انسانی شرف کو برقرار رکھنے کے لیے انسان کے پردہ کے مقامات یعنی ستر کو چھپانے کے لیے جو کپڑے استعمال کیے جاتے ہیں ان پر اس کا استعمال ہوا ہے اور اس طرح یہ بھی کہ انسان کی زیب و زینت اور خوبصورتی بھی اس سے مراد لی جاتی ہے۔

اس کے متعلق وہ الفاظ جو قرآن کریم میں استعمال ہوئے

قرآن کریم میں اس مادہ ل ب س کے الفاظ مختلف صورتوں میں استعمال کیے گئے ہیں جیسے تلبسونہا (۱۴:۱۶) اور (۱۴:۳۶) میں، یلبسون (۳۱:۱۸) اور (۵۳:۴۴) میں، لباسا (۲۶:۷) اور (۴۷:۲۵) میں، لباس (۱۰:۷۸) میں، لباسا (۱۸۳:۲)،

(۲۶:۷) اور (۱۱۲:۱۶) میں، لباسہم (۲۳:۲۲)، لباسہما (۲۷:۷)، لبوس (۸۰:۲۱)، للبسنا (۹:۶)، تلبسوا (۲۲:۲)، تلبسون (۲۱:۳)، یلبسکم (۵۶:۶)، یلبسوا (۸۲:۶) اور (۱۳۷:۶)، یلبسون (۹:۶) میں، لبس (۱۵:۵۰) میں۔ مذکورہ ۲۳ بار کے استعمال میں کپڑے پہننے اور زیب و زینت کی چیزیں پہننے میں جس سے انسان کے پردہ کے مقامات چھپ جائیں اور زینت و آرائش سے اس کی خوبصورتی میں اضافہ ہو جائے اس پر یہ لفظ صرف ۷ بار استعمال ہوا ہے۔

لباس اور معاشرتی زیب و زینت

اور لباس کے دوسرے تمام معانی کا تعلق معاشرہ اسلامی کی زیب و زینت اور حق و باطل کے ملبوس کرنے کے ساتھ بولا جاتا ہے البتہ ”لباس التقویٰ“ کا ذکر قرآن کریم میں جو آیا ہے جس کو لباس کے لیے کسب و کمائی کے ساتھ لازم کر دیا گیا ہے حالانکہ اس سے ایسا لباس مراد ہے جو زیب و زینت کے ساتھ ساتھ جسمانی ساخت کو بھی نمایاں کر کے پیش نہ کرے بلکہ جسم کی اصل ساخت کو ڈھانپ لے خصوصاً عورتوں کے لیے چھاتی گردن اور کہنیوں کے پیچھے تک بازو اور ان اعضاء کے ہار سنگھار سب شامل ہیں لیکن افسوس کہ آج کل تمام پردادار گھروں کے اندر یہ سب کچھ مع شے زائد ہو رہا ہے جس کے تذکرے ہر جگہ ہو رہے ہیں بلکہ تمام نئے فیشن کی ابتداء ان ہی پردہ دار گھروں سے ہوتی دیکھی جا رہی ہے جس کا کوئی سد باب ممکن نہیں، کیوں؟ اس لیے کہ یہ سب کچھ اندرون خانہ ہو رہا ہے اور اس بات کی طرف کوئی دھیان نہیں دیتا کہ یہ محض ہاتھی کے دانت والا معاملہ ہے اس کے علاوہ کچھ نہیں، اس لیے کہ اس وقت اندرون خانہ اور بیرون خانہ کا محض نام استعمال ہوتا ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں۔

”الزینۃ“ کا اصل مادہ زینان ہے

”الزینۃ“ کا مادہ زینان ہے اور اس مادہ کے الفاظ قرآن کریم میں کثرت سے استعمال ہوئے ہیں اور ان کی وضاحت بھی موجود ہے کہ کون کون سی زینت ہوتی ہے اور کیسے کیسے ہوتی ہے نیز یہ بھی کہ کوئی زینت جائز اور صحیح ہے اور کوئی زینت ناجائز اور حرام ہے کس کس زینت کا تعلق رحمن سے ہے اور کس کس کا تعلق شیطان سے کہ شیطان اس کو مزین کر کے لوگوں کے سامنے پیش کرتا ہے اور لوگ اس کی طرف دوڑتے چلے جاتے ہیں۔ اسی طرح

یہ کہ زینت اعمال میں ہوتی ہے لباس میں بھی اور مختلف زیوروں کے استعمال میں بھی۔ ”الزینۃ“ وہ چیز ہے جس سے آرائش کی جائے اور خود کسی چیز کا نگاہ میں حسین معلوم ہونا بھی زینت کہلاتا ہے بلکہ یہی وہ زینت ہے جو فقط اُس کو ملی ہے جس کا اس میں جتنا حصہ تھا اور یہ ایک فطری چیز ہے۔

قرآن کریم کسی کو زیب و زینت سے نہیں روکتا

قرآن کریم میں دنیوی اور اخروی دونوں طرح کی زینت کا ذکر کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ اصل زیب و زینت وہی ہے جس کا تعلق اگر دنیا کے ساتھ ہو تو وہ ایسی نہ ہو جس سے اخروی زینت خراب ہو جائے کیونکہ ایسی زینت جو فقط دنیوی زندگی کے ساتھ خاص ہو اور اس سے آخرت خراب ہو وہ زینت انسان کے لیے خوبی کی چیز نہیں بلکہ نقصان دہ ہے۔ زیب و زینت وہی صحیح اور درست ہے جس سے دنیوی زندگی کے ساتھ آخرت کا حسن بھی برقرار رہے کیونکہ دنیوی زندگی عارضی زندگی ہے اور اخروی زندگی ہمیشہ کے لیے۔ یہ ایک حقیقت ہے جس کو جھٹلایا نہیں جاسکتا۔ خصوصاً انسان کی تمام عبادات کے لیے زیب و زینت ضروری ہے جس میں پاکیزگی اور عبادت کا عنصر غالب ہو اور ایسی زینت کا ذکر سورہ الاعراف کی آیت ۳۲ میں تفصیل کے ساتھ کیا گیا ہے۔

اس جگہ بات تو ”حجاب“ و ”ستر“ کی تھی جس کے ضمن میں دوسرے الفاظ جیسے لباس اور زینت وغیرہ کا ذکر بھی آ گیا ہے کیونکہ دراصل یہ بھی اس کا ایک خاص حصہ تھے، ہیں اور رہیں گے اب ہم قرآن کریم سے مردوں اور عورتوں کے اسلامی زندگی بسر کرنے کے لیے جس پردہ اور جس رہن سہن کے مخصوص طریقوں کا ذکر کیا گیا ہے اُن کی وضاحت کرتے ہیں اور ازیں بعد اس سلسلہ کی روایات کا مختصر ذکر کیا جائے گا۔ ان شاء اللہ

اس تحریر کا اصل مقصد اسلام کی نظر میں مسلمان خاتون کا مقام واضح کرنا ہے لیکن یہ بات سب کو معلوم ہے کہ جہاں عورت کا ذکر ہوتا ہے وہاں مرد کا ذکر خود بخود ہو جاتا ہے اور جہاں مرد کا ذکر ہو عورت کا ذکر خود بخود ہو جاتا ہے کیونکہ یہ دونوں ایک ہی جنس سے تعلق رکھتے ہیں اور جنس کی تکمیل دونوں کے وجود سے ہے۔ اس سلسلہ میں قرآن کریم نے جو معاشرتی زندگی کے آداب سکھائے ہیں جن میں پردے کے احکام بھی بتائے گئے ہیں ان کا مطالعہ کریں اور ان کے مطابق زندگی گزارنے کی کوشش کریں، اللہ رب کریم تو فیق عطا فرمائے۔ آمین

قرآن کریم کی ہدایات ﴿ 1 ﴾

الْحَمْدُ لِلَّهِ ، وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَنَشْهَدُ أَنْ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّ خَيْرَ الْحَدِيثِ كِتَابُ اللَّهِ وَخَيْرَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَشَرُّ الْأُمُورِ مُحَدَّثَاتُهَا وَكُلُّ مُحَدَّثَةٍ بِدْعَةٍ، وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَكُلُّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ. أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ. بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ. يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّى تَسْتَأْذِنُوا وَتُسَلِّمُوا عَلَى أَهْلِهَا ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ۝ فَإِنْ لَمْ تَجِدُوا فِيهَا أَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوهَا حَتَّى يُؤْذَنَ لَكُمْ ۚ وَإِنْ قِيلَ لَكُمْ ارْجِعُوا فَارْجِعُوا هُوَ أَزْكَى لَكُمْ ۖ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ۝ (النور: ۲۴، ۲۸)

”اے ایمان والو! اپنے گھر کے علاوہ دوسرے گھروں میں مت داخل ہو جب تک اجازت نہ لے لو اور گھر والوں کو سلام نہ کر لو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے تاکہ تم نصیحت پکڑو ۲۷ پھر جب تم اس گھر میں کسی کو موجود نہ پاؤ تب اس میں مت داخل ہو جب تک تم کو اجازت نہ ملے اور اگر تم کو جواب ملے کہ واپس چلے جاؤ تو واپس ہو جاؤ یہ تمہارے لیے بہت پاکیزہ بات ہے اور جو کام تم کرتے ہو اللہ سب کچھ جانتا ہے ۲۸“

پردہ کا پہلا حکم قرآن کریم میں

پردہ کے سلسلہ میں پہلا حکم قرآن کریم میں اس طرح دیا گیا ہے کہ ”اے ایمان والو! دوسروں کے گھروں میں بے اجازت مت داخل ہو“ تاکہ مرد و عورت کے باہمی اختلاط میں کمی آئے پھر اس پردے کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا اور ہر ایک کے لیے الگ الگ دستور العمل نوازش کیا سب سے پہلے گھر کے پردے کی تفصیل بیان کی اور اس بات کی وضاحت فرمادی کہ دوسروں کے گھروں میں ناگہانی طور پر جانے سے فسادات پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔ علیحدگی اور خلوت ہر شخص کا حق ہے دوسرا اس میں دخل دینے کا مجاز نہیں، پھر انسان ہر وقت ایک ہی حالت میں نہیں ہوتا بعض اوقات وہ یہ نہیں چاہتا کہ دوسرا آدمی اس کو دیکھے، گھر میں عورتیں ہوتی ہیں نہیں معلوم وہ اس وقت کس حالت میں ہوں، اس لیے شریعت

نے ان تمام حالات کو پیش نظر رکھ کر حسب ذیل احکام دیئے ہیں جن میں سے دو کا ذکر آیت ۲۷ میں بیان ہوا:

- 1۔ اپنے گھروں کے سوا جب دوسرے گھروں میں داخل ہو تو اجازت لے لیا کرو گویا بغیر اجازت دوسروں کے گھروں میں داخل مت ہو۔
- 2۔ اجازت ملنے کے بعد گھر والوں پر داخل ہو تب بھی داخل ہوتے وقت السلام علیکم ضرور کہا کرو۔

اس جگہ یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ قرآن کریم نے تمام مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ وتسلموا علی اہلہا یعنی گھر والوں پر سلام پیش کرو۔ معلوم ہوا کہ اجازت طلب کرنے والا مرد ہو یا عورت گھر والوں کو السلام علیکم کہے گویا یہ آداب اجازت میں لازم ہے۔ اس میں ابہام نہیں ہونا چاہیے کہ کوئی مرد اگر گھر میں عورتیں ہی ہوں تو ان کو سلام کیسے پیش کرے۔ سلام ہر مسلمان دوسرے مسلمان کو پیش کر سکتا ہے تو کیا عورتیں مسلمان نہیں؟ کسی بات کا رواج نہ ہونا یا کسی رواج کا ختم ہو جانا اس بات کی دلیل نہیں کہ یہ حکم عام نہیں۔ حکم عام ہے اور مرد و عورتوں کو اور عورت مردوں کو السلام علیکم کہہ سکتے ہیں بلکہ کہنا چاہیے کیونکہ سلام ہمیشہ زبان سے پیش کیا جاتا ہے گویا ایک زبان سے السلام علیکم کے الفاظ ادا کرتا ہے اور دوسرا اُس کے الفاظ کو سن کر اُس کا اپنی زبان میں جواب پیش کرتا ہے اور اس میں قطعاً کسی طرح کی کوئی ممانعت نہیں بلکہ السلام علیکم پیش کرنے کی اجازت عام ہے جیسا کہ روایات میں بھی اس کا اکثر ذکر آتا ہے جیسے روایت ہے کہ:

ابو حازم سہل سے روایت کرتے ہیں کہ ہم جمعہ کے دن بہت خوش ہوتے تھے۔ میں نے کہا کہ وہ کیوں؟ انہوں نے کہا کہ ہماری ایک بڑھیا تھیں جسے مدینہ کے نکلتان بضاع کی طرف بھیجا جاتا تھا وہاں سے چتدر کی جڑیں لیتی انہیں ہنڈیا میں ڈال دیتی اور ان پر جو کا آٹا ڈال دیتی جب ہم نماز جمعہ سے فارغ ہوتے تو اس کے پاس آ کر اُسے سلام کہتے اور وہ اس کھانے کو ہمارے سامنے پیش کرتی تو ہم اس وجہ سے بہت خوش ہوا کرتے اور جمعہ کے بعد ہی اُس کے ہاں جاتے اور دوپہر کا کھانا کھاتے اور وہاں قیلولہ کیا کرتے تھے۔ (بخاری ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۱، ۲۳۴۹، ۵۴۰۳، ۶۲۴۸، ۶۲۷۹)

واضح رہے کہ اوپر روایت کے ترجمہ میں جو تحریر ہے کہ ”ہماری ایک بڑھیا تھیں“ اصل

روایت کے الفاظ میں ہے کہ ”کانت فینا امرأۃ“ یہ بات اس لیے ضروری تھی ہے کہ کسی کو یہ اعتراض نہ ہو کہ بڑھیا کو تو سلام پیش کیا جاسکتا ہے لیکن جوان کو نہیں۔ ایسی بات نہیں بلکہ اصل بات یہ ہے کہ انسان مدنی زندگی گزارتا ہے جس کا مطلب ہی یہ ہے کہ تمام انسان ایک دوسرے سے جائز مراسم رکھ سکتے ہیں اور ایک دوسرے کے ہاں آجاسکتے ہیں خصوصاً جب ایک دوسرے سے شناسائی ہو جاتی ہے تو خواہش ہوتی ہے کہ فلاں سے ملاقات کی جائے اور وہاں رہ کر کچھ وقت گزارا جائے کیونکہ اس کے بہت فوائد ہیں اور خصوصاً ان روابط سے اسلام پھیلتا ہے اور مسلمانوں کی آپس کی محبت و پیار میں اضافہ ہوتا ہے۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد کہ ”عائشہ! یہ جبریل ہیں اور آپ کو سلام پیش کرتے ہیں“ خود نبی کریم ﷺ مدینہ کے قریب ایک خاتون ام حرام کے ہاں اکثر تشریف لے جاتے اور اس کو سلام پیش کرتے۔ روایات میں ام ہانی کا آپ کے ہاں آنا اور سلام پیش کرنا۔ آپ کا ام ہانی کے ہاں جانا، سلام پیش کرنا۔ اور اس طرح کے بے شمار واقعات موجود ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ آمد و رفت رکھنے اور اجازت لے کر کسی کے ہاں آنے جانے کی اجازت ہے اور اس طرح کے مراسم و روابط دوسروں سے قائم کرنے کا حکم عام ہے اور اس طرح انسانی طبائع دوسرے انسانوں کو اپنی طرف خود بخود مائل کر لیتے ہیں اور ایسے روابط قائم کرنا اسلام کا حکم عام ہے بلکہ آپ کا ارشاد یہ بھی ہے کہ ”سلام کو پھیلاؤ اور ایک دوسرے کو کھانا کھلاؤ، ان کو بھی جن کو تم پہنچانتے ہو اور ان کو بھی جن کو تم نہیں پہنچانتے“ ظاہر ہے کہ ایسا ہوگا تو جن کو نہیں پہنچانتے ان کو بھی پہنچان جائیں گے اور اس طرح یہ سلسلہ آگے بڑھتا رہے گا۔

آیت ۲۸ میں فرمایا گیا ہے کہ:

اجازت نہ ملنے کی دو صورتیں ممکن ہیں ایک یہ کہ اندر سے کوئی جواب ہی نہ آئے اور دوسری صورت یہ ہے کہ آواز آئے لیکن یہ کہ اس وقت ہم فارغ نہیں ہیں یا یہ کہ صاحب خانہ گھر پر نہیں ہے۔

3- حکم یہ دیا گیا ہے کہ تین بار دستک دو، گھنٹی پر ہاتھ رکھو اگر اندر سے آواز نہ آئے تو چلے جاؤ پھر سہی، سمجھ لو کہ اندر جواب دینے والا کوئی آدمی نہیں ہے چاہے اندر لوگ موجود ہوں لیکن تم واپس چلے آؤ۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد بھی ہے کہ تین بار اجازت طلب کرنے کے بعد اگر اندر سے

کوئی جواب نہ آئے تو وہاں سے واپس آ جانا چاہیے۔ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں بہت سے دوسرے صحابہ کرام کے ہمراہ ایک مجلس میں بیٹھا ہوا تھا اور یہ مجلس انصار کے ہاں قائم تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی وہاں موجود تھے باہر سے ابوموسیٰ اشعریؓ کی آواز آئی کہ انہوں نے تین بار السلام علیکم کہا جب مجلس کی طرف سے ان کو جواب نہ ملا تو وہ واپس چلے گئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کسی کو بھیجا کہ باہر دیکھو کون ہے؟ انہوں نے بتایا کہ وہ ابوموسیٰ اشعریؓ تھے لیکن میرے دروازہ پر جانے سے پہلے وہ واپس چلے گئے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُن کو طلب کیا۔ وہ تشریف لائے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اجازت تم نے مانگی تھی اور پھر واپس کیوں چلے گئے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ ”میں نے تین بار سلام پیش کیا، جب اندر سے کوئی جواب نہ آیا تو میں چلا گیا، کیونکہ میں نے آپ سے سنا ہے کہ تین بار اجازت طلب کرو اگر جواب نہ آئے تو واپس لوٹ جاؤ اس لیے میں واپس چلا گیا تھا۔“ (بخاری ۶۲۶۲، ۶۲۴۵)

4- اگر اندر سے اطلاع آئے کہ اس وقت نہیں یا اس طرح کی کوئی دوسری بات تو بغیر غصہ کیے واپس چلے آؤ۔

روایات میں ہے کہ صحابہ کرام کسی کے ہاں جاتے اور اندر جانے کے لیے اجازت طلب کرتے اندر سے آواز نہ آتی تو واپس چلے آتے اور خوش ہوتے کہ ہم نے قرآن کریم کے اس حکم پر عمل کر لیا کہ ”فان لم تجدوا فیہا احدا فلا تدخلوها“ جب تم گھر میں کسی کو موجود نہ پاؤ تو اندر مت داخل ہو۔ مطلب یہ ہے کہ اندر سے جواب نہ آنے کے باعث یا یہ جواب آنے کے باعث کہ ”ہم اس وقت مصروف ہیں“ پھر کسی وقت، تو ایسا جواب سن کر یا جواب نہ پا کر دل تنگ نہیں ہونا چاہیے بلکہ خوش دلی کے ساتھ واپس چلے آنا چاہیے اور پھر دوبارہ حاضر ہونے سے معذرت نہیں کرنا چاہیے کیونکہ یہ باتیں معمولات زندگی کا حصہ ہیں۔ لیکن افسوس کہ آج ہم اس طرح کی خاموشی یا جواب کو سن کر اس طرح نفرت کرتے ہیں کہ دوبارہ اس گھر کی طرف منہ کرنے کے لیے کبھی تیار ہی نہیں ہوتے۔ جب کہ ایسا کرنا ہرگز درست عمل نہیں جواب میرا ہو یا کسی اور کا۔ اسلام نے عام مسلمان عورتوں پر کوئی ایسی پابندی عائد نہیں کی جس کا برداشت کرنا ان کے لیے مشکل ہو صرف یہ کہا ہے کہ کوئی عورت کسی ایک غیر محرم مرد کے ساتھ تخلیہ میں نہ جائے اور اسی طرح یہ بھی کہ کوئی ایک مرد کسی ایک

غیر محرم خاتون کے ساتھ علحدگی میں ملاقات نہ کرے ہاں! ضروریات زندگی کے کاموں کے لیے عند الضرورت ایک سے زیادہ عورتیں مل کر یا ایک سے زیادہ مرد مل کر کسی ضروری بات چیت کے لیے ملاقات کریں تو مضائقہ نہیں کیونکہ ان باتوں کا تعلق معاشرتی زندگی کے ساتھ ہے اور اس طرح کی میل ملاقات حدود کے اندر رہتے ہوئے کی جاسکتی ہے۔ مساجد کی آمد و رفت، درس و تدریس میں ایک دوسرے سے تعاون لینا دینا، علم والے مردوں سے عورتوں کا مسائل پوچھنا، علم والی عورتوں سے مردوں کا مسائل دریافت کرنا سب جائز کام ہیں اور ان میں اپنی اپنی شخصیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے بات پوچھی اور بتائی جاسکتی ہے اور اس طرح کی ملاقات پر ایک دوسرے کو سلام بھی پیش کیا جاسکتا ہے لیکن یہ تمام کام ایک دوسرے سے اجازت حاصل کرنے کے بعد قاعدہ اسلامی کے مطابق سر انجام دینا چاہیے۔ اسلام قاعدہ و قانون اور وقت کی پابندی کو بہت زیادہ اہمیت دیتا ہے اور بد نظمی و بے قاعدگی کا سخت مخالف ہے۔ اسلام مکمل ضابطہ حیات کا نام ہے۔ فی زمانہ مسلمانوں کے طور طریقوں کو دیکھ کر کسی چیز کا فیصلہ نہیں کرنا چاہیے کیونکہ اس وقت تقریباً مسلم امہ اسلامی طور طریقوں سے انحراف کرتی نظر آ رہی ہے یہی وجہ ہے کہ وہ اپنا اصل مقام اقوام عالم کے مقابلہ میں کھو چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ ہم سب مسلمانوں کو صحیح اور سچا مسلمان بننے کی توفیق عطا فرمائے تاکہ مسلم امہ اپنا اصل مقام حاصل کر سکے رب سیر ولا تعسر وتم بالخير۔

یہ باتیں تمہاری پاکیزگی کے لیے کی گئی ہیں اگر تم ان کے مطابق عمل کرو گے تو ان شاء اللہ تمہارے لیے بہت آسانی رہے گی اللہ تمہارے اعمال سے خواب واقف ہے۔

بلاشبہ سماعت بھی بصارت کی طرح سمجھی گئی ہے مطلب یہ ہے کہ نابینا آدمی کو بھی اجازت طلب کرنی چاہیے اور اجازت ملے تو اندر جانا چاہیے کیونکہ اگر نابینا آدمی اچانک اندر داخل ہو جائے تو گھر والوں کی باتیں تو اُس کے کان میں پڑیں گی اور یہ چیز بھی نظر کی طرح تحلیلہ کے حق میں بے جا مداخلت ہے۔

قرآن کریم کی آیات ﴿2﴾

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ؕ ذٰلِكَ اَزْكٰى

لَهُمْ طَهَّرَ اللّٰهُ خَبِيْرًاۙ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ؕ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلَا يَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى اُجُوْبِهِنَّ ؕ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَائِهِنَّ اَوْ اَبْنَائِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ نِسَائِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوْ التَّابِعِيْنَ غَيْرِ اُولٰٓئِیْ اِلَّا زِيْنَتُهُنَّ اَوْ الْوَلَدُ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰی عَوْرَتِ النِّسَاءِ ؕ وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ ؕ وَتَوْبُوْا اِلَى اللّٰهِ جَمِیْعًا اِنَّهُ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلَحُوْنَ ؕ (النور: ۳۱، ۳۰)

” (اے پیغمبر اسلام!) آپ ایمان والوں سے فرمادیں کہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنے ستروں کی حفاظت کریں یہ بات ان کے لیے بڑی پاکیزہ ہے بلاشبہ اللہ کو ان کے کاموں کی خبر ہے ﴿۳۰﴾ اور (اے پیغمبر اسلام ﷺ) آپ ایمان والیوں سے فرمادیجئے کہ اپنی نظریں نیچی رکھا کریں اور اپنے ستروں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں سوائے اس کے جو اس میں کھلائی رہتا ہے اور اپنی اوڑھنیاں اپنے سینہ پر ڈالے رہا کریں اور اپنی زیبائش کسی پر ظاہر نہ کریں سوائے اپنے خاوندوں کے یا اپنے باپوں کے یا اپنے خاوندوں کے باپوں کے یا اپنے بیٹوں کے یا اپنے خاوندوں کے بیٹوں کے یا اپنے بھائیوں کے یا اپنے بھائیوں کے بیٹوں کے سامنے یا اپنی بہنوں کے بیٹوں کے یا اپنی (عام) عورتوں کے (جو مسلمان ہیں) یا اپنی باندیوں اور غلاموں کے یا اپنے ان ملازمین کے جو عورتوں کی زیب و زینت سے غرض نہیں رکھتے یا لڑکوں کے جو عورتوں کے اسرار سے ابھی بے خبر ہیں اور یہ بھی کہ اپنے پاؤں کو زمین پر نہ مارو کہ جس زینت کو چھپا رہی ہو وہ آشکارا ہو جائے اور اے ایمان والو! (سب مل کر) اللہ کے حضور توبہ کر لو تاکہ تم فلاح پاؤ ﴿۳۱﴾“

پردہ کا دوسرا حکم قرآن کریم میں

پردہ کا دوسرا حکم بھی مردوں اور عورتوں کے لیے یکساں حیثیت رکھتا ہے اور وہ یہ ہے کہ دونوں فریق اپنی اپنی نظریں نیچی رکھیں اور ایک دوسرے کو ہیجان اور جنسی رغبت کی نظر سے نہ دیکھیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ فی نفسہ دیکھنے سے منع نہیں کیا گیا بلکہ ایسی نظر سے منع فرمایا گیا ہے جو بدکاری اور بدکرداری کی نظر ہے گویا جو نظر انسان کو حیوان سے ممتاز کرتی ہے جس کو محاورہ میں ”نظر لڑانے“ سے موسوم کیا جاتا ہے یعنی گھورا گھاری اور تاک جھانک سے

منع فرمایا گیا ہے۔

غض کا مادہ غ ض ض ہے جس کے معنی نگاہوں کو نیچا رکھنے کے ہیں اور اسلام کی اصطلاح میں ”آنکھ کا ان چیزوں کے دیکھنے سے روکنے کے ہیں جن کا دیکھنا اس کے لیے جائز نہیں“ اور ہاتھ ایسے اعضاء ہیں جو ”ستر“ میں داخل ہی نہیں ہیں جن کا دیکھنا ممنوع قرار دیا جائے۔

چونکہ آنکھیں ہر چہرہ کا حصہ ہیں لہذا چہرہ اور آنکھوں کو ”نظر بازی“ سے بچانے کے حکم دیا گیا اور یہ حکم مردوں اور عورتوں کے لیے یکساں ہے اس میں عورتوں کے لیے کوئی تخصیص نہیں اگر اس کے پیش نظر نقاب ڈالنا ہے تو پھر دونوں کے لیے ضروری ہونا چاہیے حالانکہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں خواہ وہ کون ہو، کہاں ہو اور کیسا ہو۔

اسلام ہم کو صرف اور صرف گناہوں ہی سے نہیں روکتا بلکہ وہ ان تمام وسائل اور ذرائع پر پابندی عائد کرتا ہے اور انہیں ممنوع قرار دیتا ہے جو انسانوں کو گناہوں کی طرف لے جاتے ہیں کیونکہ جب گناہوں کی طرف لے جانے والا راستہ ہی بند ہوگا تو گناہوں کا ارتکاب یقیناً نہیں ہوگا۔ طبیعت میں ہیجان پیدا کرنے والے اور جذبات میں شہوت کو مشتعل کرنے والے اسباب سے نہ رکنا اور ان کو کھلی چھٹی دے دینا اور پھر یہ توقع رکھنا کہ ہم اپنے قانون کی قوت سے لوگوں کو برائی سے بچالیں گے بہت بڑی نادانی کی بات ہے اگر کوئی نظام ان عوامل اور محرکات کا قلع قمع نہیں کرتا جو انسان کو بدکاری کی طرف دھکیل کر لے جاتے ہیں تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ اس برائی کو برائی ہی نہیں سمجھتا اور نہ اس سے لوگوں کو بچانے کی مخلصانہ کوشش کرتا ہے۔ اس کی زبان پر جو کچھ ہے وہ اس کے دل کی صدا نہیں بلکہ محض ریاکاری اور طمع کا کارہ ہے۔

در میان قعر دریا تحتہ بندم کردہ یی بازی گوی کہ دامن ترکن ہوشیار باش کسی کو چلتے دریا میں غوطہ زن کر دیا جائے اور پھر اُس کو یہ بھی کہا جائے کہ خبردار اپنے دامن کو پانی سے بچانا سر اسر زیادتی ہے۔

بدکاری کا خطرناک راستہ نظر لڑانا ہے

بدکاری کا سب سے خطرناک راستہ نظر لڑانا ہے اس لیے سب سے پہلے اس کو بند کیا جا رہا ہے۔ مردوں کو حکم دیا جا رہا ہے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھو اور دنیا کی جڑ کو سنبھال کر رکھو،

کیوں؟ اس لیے کہ جب نگاہیں دوچار نہیں ہوں گی تو دل میں کسی قسم کی کشش پیدا نہیں ہوگی اور پھر جب کشش ہی پیدا نہیں ہوگی تو کسی بد فعل کا ارتکاب ہی آخر کیوں کر ہوگا۔ زیر نظر آیت میں آنکھوں کو مطلقاً بند رکھنے کا حکم نہیں دیا جا رہا ہے بلکہ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اور نظر بھر کر دیکھنے سے منع کیا جا رہا ہے پھر یہ بھی کہ اتفاقی نظر کوئی جرم کی نظر نہیں ہاں! اتفاقی نظر بڑی اور اس سے دل میں ایک بار پھر دیکھنے کا داعیہ پیدا ہوا لیکن فوراً شریعت درمیان میں حائل ہوگئی اور اُس نے دوبارہ نظر اُپر نہ اٹھنے دی اور دل نے فوراً مہر ثبت کر دی کہ دوبارہ دیکھنا حرام ہے تو اس طرح سے رک جانا کمالاتِ انسانی میں سے ایک بہت بڑا کمال ہے۔ اللہ توفیق عطا فرمائے۔

دوسرا حکم عورتوں کے لیے بھی ویسا ہی ہے

عورتوں کے لیے اپنی نظریں نیچی رکھنے کا حکم اُسی طرح ہے جس طرح مردوں کے لیے ہے لیکن اس وقت عورتوں کے لیے اس طرح کے پردے کا رواج ہے جس میں وہ نظریں نیچی رکھنے کی بجائے ایک طرفہ اس سے آزاد ہو چکی ہیں کہ وہ جس کو چاہیں نظریں پھاڑ پھاڑ کر دیکھیں حالانکہ اس میں جو حکم مردوں کے لیے ہے وہی عورتوں کے لیے بھی ہے مزید وضاحت آگے آرہی ہے۔

نبی اعظم وآخروہ ﷺ نے بڑی سختی سے نامحرم کی طرف بد نظری یعنی گھور کر دیکھنے سے منع فرمایا ہے چنانچہ حدیث میں ہے کہ:

عن ابی امامۃ یقول سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکفلوا لی بست اکفل لکم بالجنة اذا حدث احدکم فلا یکذب واذا اتتمن فلا یخن واذا وعد فلا یخلف وغضوا ابصارکم وکفوا ایدیکم واحفظوا فروجکم۔ ”ابوامامہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ آپ نے فرمایا کہ اگر تم میرے ساتھ چھ باتوں کا وعدہ کرو تو میں تمہارے لیے جنت کا ضامن ہوں: ۱۔ جب تم میں سے کوئی بات کرے تو جھوٹ نہ بولے۔ ۲۔ جب اُسے امین بنایا جائے تو خیانت نہ کرے۔ ۳۔ وعدہ کرے تو وعدہ خلافی نہ کرے۔ ۴۔ اپنی نگاہوں کو نیچا رکھے۔ ۵۔ اپنے ہاتھوں کو روکے رکھے اور ۶۔ اپنی دنیا کی جڑ کی حفاظت کرے۔“

بعض دفعہ دیکھنا آنکھوں کا زنا ہے یہ وہی دیکھنا ہے جس طرح کے دیکھنے سے روکا گیا

ہے اور یہ اختیاری چیز ہے اتفاقی نہیں، لگاؤ کی بات چیت زبان کا زنا ہے، آواز سے لذت لینا کانوں کا زنا ہے۔ بعض اوقات ہاتھ لگانا ہاتھ کا زنا ہوتا ہے اس طرح بعض اوقات چلنا پاؤں کا زنا ہے، اس طرح بدکاری و بے حیائی کی جب یہ ساری تہذیب پوری ہو چکتی ہیں تو پھر دنیا کی جزا بعض اوقات اس کی تصدیق و تکمیل کر دیتی ہے۔ (بخاری و مسلم) مختصر یہ کہ نظر بازی کی ممانعت میں نبی کریم ﷺ کے بہت سے ارشادات کتب احادیث میں محفوظ ہیں اور معاشرہ کی حالت اس وقت آپ کی نگاہوں میں ہے خود غور کر لیا جائے کہ آج ہمارا اس پر کتنا اور کیسا عمل ہے اور اس نظر کے زنا سے کون بچا ہے اور کون نہیں؟ ہر انسان کو اپنا فیصلہ خود کر لینا چاہیے۔

نظر کے معاملہ میں ایک تساہل جو عام ہے

نظر کے معاملہ میں ایک تساہل جو تقریباً ہر جگہ پایا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ مردوں کو مردوں کی طرف دیکھنے اور عورتوں کو عورتوں کی طرف دیکھنے میں کوئی شرم محسوس نہیں ہوتی اور اکثر اوقات نہانے، دھونے اور بول و براز کے موقع پر ستر کو دیکھنے کی کوئی پرہیز نہیں کی جاتی۔ نوجوان بچوں بلکہ سارے مردوں کا مل کر نہانے اور عورتوں کا آپس میں مل کر نہانے دھونے میں کوئی قباحت نہیں سمجھی جاتی حالانکہ یہ سراسر جہالت کی بات ہے اور احادیث میں اس کی ممانعت بھی موجود ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ لا ینظر الرجل الی عورة الرجل ولا تنظر المرأة الی عورة المرأة ”کوئی مرد کسی مرد کے پردے کی جگہ پر نظر نہ ڈالے اور کوئی عورت کسی عورت کے پردے کی جگہ کو نہ دیکھے“ (مسلم، احمد، ابوداؤد، ترمذی) حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے فرمایا کہ اے علی لا تنظر الی فخذحی ولا میت ”کسی مردہ یا زندہ انسان کی ران پر نگاہ مت ڈال“ پھر احادیث میں پردے کی جگہ کی وضاحت بھی موجود ہے کہ مرد کے پردے کے لیے آپ کا ارشاد ہے کہ عورة الرجل ما بین سرته الی ركبته ”مرد کے پردے کی جگہ ناف سے گھٹنے تک ہے“ (دارقطنی، بیہقی) اور ہی عورت کہ اُس کے پردے کی جگہ کہاں سے کہاں تک ہے اس میں کلام بہت لمبا ہے اور میرے نزدیک میرے لیے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد کفایت کرتا ہے کہ ان المرأة اذا بلغت المحيض لم یصلح لها ان یری منها الا هذا وهذا و اشار الی وجهه و کفیه (ابوداؤد) ”جب عورت بالغ ہو جائے تو جائز نہیں

کہ منہ اور ہاتھ کے سوا اس کے جسم کا کوئی حصہ نظر آئے“

علاوہ ازیں اپنی زینت کو وہ ظاہر کر سکتی ہیں تو صرف ان لوگوں پر جن کی نسبت طے ہے کہ ان کے جذبات شہوت برا سمجھتے نہ ہوں گے جیسے ایک عورت کا والد یا اُس مرد کا والد جس کی وہ بیوی ہے اور اپنے بیٹوں پر اسی طرح اپنے خاوندوں کے بیٹوں پر، اپنے بھائیوں پر اور بھائیوں کے بیٹوں پر اور اپنی بہنوں کے بیٹوں پر اور اس طرح دوسری میل جول رکھنے والی عورتوں پر بھی یہ ظاہری زینت کھلی رکھی جاسکتی ہے۔ نساء ہن کے لفظ کا تقاضا یہی ہے کہ اس سے ساری عورتیں یعنی عورتوں کی بعض مراد نہ لی جائیں جو عام طور پر میل جول رکھنے والی ہوں اور جانی پہچانی ہوں۔ موجودہ زمانہ میں اس امر کی سخت ضرورت ہے کہ بعض خبیث عورتوں سے بھی پردہ کیا جائے اور اُن پر ساری زیب و زینت ظاہر نہ ہونے دی جائے کہ اس میں احتیاط کی بہت ضرورت ہے اور اسی طرح مانگنے والی اور سوال کرنے والی عورتوں کو بھی گھروں کے اندر عورتوں کے کمروں تک نہ پہنچنے دیا جائے۔

آباء کی وسعت دوسری تمام وسعتوں کو واضح کرتی ہے

آباء کے لفظ میں وسعت ہے اور پھر جس طرح کی وسعت عورت کے آباء میں ہے بالکل اسی طرح کی وسعت اُس کے خاوند کے آباء کے اندر بھی موجود ہے اور یہی حال اپنے بیٹوں اور خاوندوں کے بیٹوں کا ہے کہ بیوی کے بیٹے بھی اس وسعت میں آ جاتے ہیں اسی طرح حرمت میں بھی وسعت مل جاتی ہے اور بالکل اجنبی اور گھر میں آنے جانے والوں میں جو اجازت طلب کر کے آتے رہتے ہیں فرق موجود رہتا ہے ان باتوں کو خود ہی سمجھ لینا چاہیے اسی طرح جو ضمنی محرمین کا حال ہے جیسے سالیوں، بہنوئیوں اور دپوروں کا معاملہ ہے یا ان کی اولاد کا کہ جب وہ دوسروں کی موجودگی میں اور خصوصاً عورت کے خاوند کی موجودگی میں آئیں جائیں تو شریعت بھی اجنبی لوگوں کی طرح سختی نہیں کرتی اور عورت و مرد دونوں کے انھیال و دودھیال کے بزرگوں کے سامنے پردہ کے ساتھ آیا جایا جاسکتا ہے اور ظاہری زینت کی ممانعت بھی نہیں کی جاسکتی اور ہم نے نل ازیں ایک ہی فقرہ میں اس کو عرض کر دیا ہے کہ ”ہمارے علمائے گرامی قدر کی بے جا سختیوں کے رد عمل کے طور پر عورت کو آ زادر ہنے بلکہ آزاد ہو جانے پر مجبور کیا ہے کہ اُس کو اس طرح پابند سلاسل کر دیا گیا کہ گویا وہ ایک انسان نہیں بلکہ کوئی چوری کا مال ہے۔“

گھر کے ملازمین، عورتیں اور بوڑھے مرد متشی ہیں

گھر کے ملازمین میں غیر مسلم عورتیں بھی شامل ہیں گذشتہ آیت میں نساء ہن کے لفظ میں مسلمان عورتوں کا ذکر تھا لیکن چونکہ ملازمین میں غیر مسلم عورتیں آنے کا بھی امکان تھا اس لیے ان کا ذکر الگ کر کے کر دیا گیا اور مملکت ایمانہ میں ملک یمین میں آنے والے مرد بھی شامل ہو گئے اگرچہ مفسرین نے ان سے مراد صرف لونڈیاں لی ہیں غلاموں کو اس کی اجازت نہیں دی اور یہ تقسیم بھی بڑی معنی خیز ہے کہ مردوں کی ملک یمین عورت ہو تو نکاح کی ضرورت ہی نہیں اور بغیر نکاح مالک اس سے ازدواجی زندگی کی حیوانی خواہشات کو پورا کر لینا جائز اور حلال قرار دیا گیا لیکن اس کے عکس کو یعنی آزاد عورت کو اگر ملک یمین کے طور پر کوئی مرد مل جائے تو وہ اس کے سامنے بھی نہیں آ سکتی بلکہ اس کو مکمل طور پر پردہ رکھنے کا حکم دیا گیا ہے لیکن قرآن کریم میں اس کا کوئی ثبوت نہیں وہ ملک یمین کو صرف گھر میں آنے جانے والے مردوں اور عورتوں میں شامل کرتا ہے لیکن کسی حال میں بھی ان کو محرمات میں شامل نہیں کرتا جس کا تعلق صرف معاشرتی زندگی کے قیام کی سہولت کے لیے ہے اور زیر نظر آیت میں ان مردوں کو بھی اس حکم سے مستثنیٰ کر دیا گیا ہے جو اتنے بوڑھے ہو چکے ہیں کہ اب ان کو عورتوں کی کوئی حاجت ہی نہیں رہی یعنی کسی عورت کو بھی دیکھ کر ان کی حیوانی خواہشات نہیں بھڑکتیں اور یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ یہ خواہشات یک طرفہ طور پر کامیابی سے ہمکنار نہیں ہو سکتیں یہی وجہ ہے کہ اسلام نے عینین، نامرد اور خسی شدہ لوگوں کو بھی اس زمرہ میں شامل کیا ہے۔

نابالغ بچوں کا معاملہ

فرمایا اس حکم سے وہ بچے بھی مستثنیٰ ہیں جو عورتوں کے خفیہ معاملات سے ابھی تک بے خبر ہوں اور گھروں میں آنے جانے کی ضرورت بھی ہو، تاکہ معاشرتی زندگی کی ضروریات کو پورا کیا جاسکے یہ بچے ملازمین میں بھی شامل ہو سکتے ہیں اور طالب علم بچوں میں بھی اور ایسے بھی جو ہمسایوں اور عزیزوں کے گھروں سے آنے جانے والے ہوں اور ان کے لیے جو لازمی شرط قرار دی گئی ہے وہ یہی ہے کہ ایسے بچے جو ابھی تک عورتوں کے خاص رازوں سے واقف نہ ہوں اگر وہ اس ضمن میں نہ آئیں تو نابالغ ہونے کے باوجود بھی ان سے ظاہری میل جول یا تجلیہ کی آمد و رفت درست نہیں اور یہی حال مردوں کے لیے بچیوں کا ہے کیونکہ

ایک طرف کو بیان کیا گیا ہو تو دوسری طرف کو خود بخود اس میں شامل سمجھنا چاہیے اور سارے احکام میں یہی بات اصل ہے کہ قرآن کریم نے جہاں مردوں کا ذکر کیا ہے یعنی مذکر کے صیغوں سے تو عورتیں وہاں شامل ہیں اور جہاں مونث کے صیغوں سے بات کی ہے تو مرد بھی اُس میں بلا ریب شامل ہیں لیکن ہمارے مفسرین اکثر اس بات کو بھول جاتے ہیں یا جان بوجھ کر نظر انداز کر دیتے ہیں اور پھر اس پر بڑی بڑی بحثیں شروع کر دیتے ہیں۔

عورتوں کے لیے دوسری ہدایت کہ وہ چھپی زینت عیاں نہ کریں

عورتوں کے زیورات میں سے ایسے زیور بھی ہوتے ہیں جن میں چھنکار کی آواز پیدا ہوتی ہے کبھی پاؤں میں ایسے زیور یعنی پازیب وغیرہ پہن کر نکلتی ہیں اور آج کل کپڑوں کے اوپر اس طرح کی چیزیں ٹانگی جاتی ہیں اور موتی اور ستارے کی کڑھائی اس طرح کی جاتی ہے کہ چلتے وقت اگر خاص احتیاط نہ کی جائے تو ایک آواز نکلتی ہے جو دوسرے انسان کو اپنی طرف متوجہ کر دیتی ہے اس لیے آیت کے ان الفاظ نے اس سے منع کیا ہے عورتیں ایسے زیور اور اس طرح کے کپڑے پہن کر اگر باہر نکلیں تو پاؤں کو زمین پر اس طرح زوردار طریقے سے نہ ماریں کہ ان کی جھنکار سن کر لوگ ان کی طرف متوجہ ہوں۔ ان تمام احکام کا مقصد تو یہ ہے کہ ایسے تمام اشتعال انگیز اطوار و عواہل پر قدغن لگا دی جائے جن کی وجہ سے اسلامی معاشرہ میں بدکاری اور بے حیائی کی راہیں کھل سکتی ہیں اور جن کی موجودگی میں وعظ و نصیحت بلکہ قانون کی شدت بھی گناہوں کا انسداد کرنے سے قاصر رہتی ہے اس آیت میں ایک خاص حرکت کا ذکر کر کے ہر ایسی چیز سے جو ان کو نامحرم مردوں کی توجہ کا مرکز بنا دے اس سے منع کیا گیا ہے خواہ بھڑکیلا لباس پہن کر یا تیز خوشبو لگا کر یا کسی دوسری چیز سے جس سے لوگوں کی توجہ ان کی طرف مبذول ہو منع کیا گیا ہے۔

جان بوجھ کر کی جانے والی باتیں پہلے ہی واضح ہیں

آج ان باتوں کی وضاحت کی اس لیے ضرورت نہیں کہ فی زمانہ جو کچھ کیا جا رہا ہے جان بوجھ کر اور سوچ سمجھ کر کیا جا رہا ہے نا سچی کی بنا پر نہیں اور یہ سب رواج کا دھارا ہے جس کے سامنے میں اور آپ سب پانی کی طرح بہتے چلے جا رہے ہیں اور اس بہاؤ کو روکنے کے لیے ہر کوشش ناکام ہو رہی ہے، کیوں؟ اس لیے کہ کوشش کرنے والا خود اس بیماری کا شکار ہے اور ہمارے گھروں کی صورت حال ناگفتہ بہ حد تک خراب ہو چکی ہے۔ دختران اسلام

کے لیے رسول اللہ ﷺ کا پیغام ہے کہ الرافلة فی الزينة فی غیر اهلها کمثل ظلمة يوم القيامة لا نور لها ”وہ عورت جو آراستہ و پیراستہ ہو کر نامحرموں میں اتر اتر کر چلتی ہے قیامت کے دن وہ مجسم تاریکی ہوگی جہاں نور کی کرن تک نہیں پڑے گی۔“ (ترمذی) لیکن اس وقت صورت حال یہ ہے کہ جب اُن کے سامنے اس طرح کی حدیث کا ذکر کیا جاتا ہے تو خواتین اُن کا مذاق اڑاتی ہیں کہ کوئی قیامت اور کیسا نور؟ حوروں کے تصور پر زندگی گزارنے والے اور خیالی نہروں میں غوطہ زن دقیانوسی لوگوں کی یہ اختراعی کہانیاں ہیں اس کے سوا کچھ بھی نہیں۔ ہم ان سے صرف یہی کہیں گے کہ اس ملک کی خاتون اول کا حال دیکھ لو اور عبرت حاصل کرو غور کرو کہ اللہ کی لاشی کتنی بے آواز ہے کہ کچھ رہا بھی نہیں اور کسی کو محسوس بھی نہیں ہوا کہ کیا ہوا ہے۔

ایمان والو! اللہ کے حضور توبہ کر لو تا کہ تم قلاح پاؤ

انسان اور خطاء لازم و ملزوم ہیں پھر خطاء کا ہو جانا اور خطا کرنا دونوں میں بلاشبہ بہت بڑا فرق ہے بعض انسان وہ ہیں کہ ان سے خطاء ہوتی ہے لیکن کتنے ہی انسان ہیں جو خطائیں کرتے ہیں۔ انسانوں میں سے معصوم صرف اور صرف انبیاء کرام ہی ہوتے تھے اور نسیان کی لغزش اُن سے بھی ہوتی رہی۔ انسانیت کا کمال یہ ہوتا ہے کہ اس سے نسیان کے طور پر کوئی خطا ہو جائے یا کوئی خطا وہ کہ بیٹھے یا بھول جائے تو فوراً تائب ہو جائے کیونکہ توبہ سے نہ صرف یہ کہ گناہ مٹ جاتے ہیں بلکہ وہ اجر و ثواب کا بھی مستحق ٹھہرتا ہے اس لیے آیت کے آخر میں ارشاد فرمایا جا رہا ہے کہ ”اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرو“ جو صورتحال بھی ہوئی ہے اور جس صورتحال سے بھی تم دوچار ہوئے ہو تمہارے پروردگار سے پوشیدہ نہیں یہ اُس کا کتنا بڑا فضل ہے کہ اُس نے تمہاری حالت کو پوشیدہ رکھا اور لوگوں پر ظاہر نہ ہونے دیا اب تم اُس کے سامنے جھک جاؤ، اپنی غلطیوں کا اعتراف کر کے اُس سے معافی طلب کر لو اور بلا چون و چرا احکامات الہی اور ارشادات نبویہ کی تعمیل کے لیے تیار ہو جاؤ اس میں تمہارے لیے دونوں جہانوں کی کامیابی ہے۔ آفتاب اسلام کے طلوع ہونے کے بعد اب اہل جاہلیت کے رسم و رواج کو اور اخلاق و عادات کو نہ چھوڑنا بہت بڑی ناانصافی ہے۔ خیال رہے کہ ایک بھولا ہوا انسان جب سچے دل سے توبہ کرتا ہے تو اُس کی مثال ایسی ہے جیسے اُس کے لیے اب ہی اسلام کا آفتاب طلوع ہوا ہے یا وہ آج ہی مسلمان ہوا ہے۔

اسلام کا پردہ بہت ہی آسان ہے مشکلات ہم نے خود پیدا کر لی ہیں

اسلام کا پردہ نہایت آسان، بے حد صاف و شفاف ہے جس میں عورت کو اپنی زیب و زینت چھپانے کے لیے صرف ایک بڑی چادر کی ضرورت ہے تاکہ وہ اس کو اپنے پورے جسم پر اوڑھ سکے نہ وہ کسی کوتاہی کے جھانکے اور نہ اُس کو کوئی تاڑنے کی کوشش کرے۔ کیا کوئی عقلمند آدمی یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ جو پردہ آج ہم میں رائج ہے یہ اسلام کا حکم ہے ہرگز ہرگز نہیں یہی وجہ ہے کہ اس بے جا تعقید اور پابندی کی وجہ سے وہ تمام خرابیاں اسلامی گھرانوں میں پیدا ہو رہی ہیں جو اس کے قدرتی نتائج ہیں اور علمائے اسلام صنف نازک کی تمام تر قیاس یک قلم روک دینا چاہتے ہیں ہم نے اوپر بار بار عرض کیا ہے کہ انہی پابندیوں کا رد عمل ہے کہ آج عورتیں بالکل بے لگام ہو کر رہ گئی ہیں اور وہ ان پابندیوں کو برداشت کرنے کے لیے کسی حال بھی تیار نہیں اگر آج بھی اُن کو صحیح اسلامی پردہ سے روشناس کرایا جائے اور شروع سے تربیت اُن کی اسلامی خطوط کے مطابق کی جائے، حکومت جو اپنے آپ کو اسلامی حکومت کے نام سے موسوم کرتی ہے اسلام کے قانون کے مطابق ان کی تعلیم کا صحیح بندوبست کرے تو کبھی اُس کے اس طرح کے نتائج سامنے نہ آئیں ایک فطری امر اور ایک اختراعی پابندی میں جو فرق ہے اُس سے کون واقف نہیں؟ شروع ہی سے ایک لڑکی کو جب وہ بلوغت کے قریب پہنچے تو اُس کو اُس کی ذمہ داریوں سے روشناس کرایا جائے اور مرد عورت کا کردار الگ الگ کر کے سمجھایا جائے اور اُس کو باور کرایا جائے کہ تم ایک لڑکی ہو اور بڑی ہو کر تم پر کون کون سی ذمہ داریاں عائد ہونی ہیں اور کن کن حالات سے دوچار ہونا ہے، مردوں اور عورتوں کی ذمہ داریوں میں قدرت نے کیا فرق رکھا ہے اور کیوں رکھا ہے؟ عورت اور مرد دونوں کے مل جانے سے انسانیت کی تکمیل ہوتی ہے، عورت مرد کے بغیر ایک کامل انسان نہیں اور بالکل اسی طرح مرد عورت کے بغیر ایک مکمل انسان نہیں ہے۔ جس طرح ایک نوزائیدہ بچہ وہ لڑکی ہو یا لڑکا جسم، شکل و صورت اور ظاہری ڈیل ڈول میں بدلتا رہتا ہے اور بلوغت تک پہنچ کر وہ بالکل اپنی نوزائیدگی سے ایک مختلف شے ہو جاتا ہے بالکل اسی طرح بلوغت کے بعد اس ایک جنس کی دونوں اصناف کے ملنے سے ایک کامل انسان بن جاتا ہے جس طرح ہر جسم کے مختلف اعضاء ہوتے ہیں اور سب کے سب اعضاء مل کر ایک جسم بنتا ہے اور سارے اعضاء اپنا اپنا کام کرتے ہیں کوئی ایک عضو دوسرے عضو کی کمی کو مکمل

طور پر پورا نہیں کر سکتا ہر حال میں اُس کی کمی محسوس ہوتی رہتی ہے بالکل اسی طرح اس ایک جنس کی دونوں اصناف کا حال ہے کہ دونوں اصناف ایک دوسرے کے سوا اپنے اندر کمی رکھتے ہیں اور دونوں کے مل جانے سے وہ کمی دور ہو جاتی ہے اور وہ دونوں مل کر ایک مکمل انسان بنتے ہیں۔ اس طرح بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ انسان کے لیے نکاح کیوں ضروری ہے؟ اچھی طرح یاد رکھنا چاہیے کہ اسلام کے نقطہ نظر میں نکاح فقط حیوانی خواہشات کے ازالہ کا باعث نہیں ہوتا بلکہ انسانیت کی تکمیل کے لیے ضروری ہے بلاشبہ وہ خود حیوان ہیں جن لوگوں نے نکاح کی غرض و غایت صرف یہی سمجھی ہے، انہوں نے عورت کو اُس کا صحیح مقام بالکل نہیں دیا اور نہ ہی دے سکتے ہیں۔ قرآن کریم نے محسن اور مسامح کے فرق کو واضح کر دیا ہے پھر احسان کا حکم دیا ہے اور سفاح سے منع فرمایا ہے غور کرو گے تو ان شاء اللہ سمجھ آئے گی اور قرآن کریم انہی لوگوں کی راہنمائی کرتا ہے جو غور و فکر سے کام لیتے ہیں۔

قرآن کریم کی آیات ﴿3﴾

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِيَسْتَأْذِنَكُمْ الْبَنِينَ وَالنِّسَاءُ لَمْ يُلَاقُوا الْحِلْمَ مِنْكُمْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ مِنْ قَبْلِ صَلَاةِ الْفَجْرِ وَحِينَ تَضَعُونَ ثِيَابَكُمْ مِنَ الظَّهِيرَةِ وَمِنْ بَعْدِ صَلَاةِ الْعِشَاءِ ثَلَاثُ عَوْرَاتٍ لَكُمْ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌ يُمْسَلْنَ طَطَوَافُونَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلَى بَعْضٍ ط كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ الْآيَاتِ ط وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝ وَإِذَا بَلَغَ الْأَطْفَالُ مِنْكُمْ الْحِلْمَ فَلْيَسْتَأْذِنُوا كَمَا اسْتَأْذَنَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ط كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ ط وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝ وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَاءِ الَّتِي لَا يَرْجُونَ نِكَاحًا فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ أَنْ يَضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجَاتٍ بِزِينَةٍ ط وَأَنْ يَسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَهُنَّ ط وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝ لَيْسَ عَلَى الْأَعْمَى حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْمَرِيضِ حَرَجٌ وَلَا عَلَى أَنْفُسِكُمْ أَنْ تَأْكُلُوا مِنْ بُيُوتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ آبَائِكُمْ أَوْ بُيُوتِ أُمَّهَاتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ إِخْوَانِكُمْ أَوْ بُيُوتِ أَخَوَاتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ أَعْمَامِكُمْ أَوْ بُيُوتِ عَمَّاتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ إِخْوَانِكُمْ أَوْ بُيُوتِ خَالَاتِكُمْ أَوْ مَا مَلَكَتُمْ أَيْمَانُهُ أَوْ صَدِيقِكُمْ ط لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَأْكُلُوا جَمِيعًا أَوْ أَشْتَاتًا ط فَإِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوتًا فَسَلِّمُوا عَلَى أَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِنْ عِنْدِ اللَّهِ مُبْرَكَةً ط كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ

لَكُمْ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۝ (النور ۲۳: ۵۸ تا ۶۱)

”اے ایمان والو! تمہارے باندی غلام اور وہ بچے جو سن بلوغ کو نہیں پہنچے انہیں تین وقتوں میں تم سے اجازت لینی چاہیے فجر کی نماز سے قبل اور دوپہر میں اور عشاء کی نماز کے بعد جب تم اپنے (بعض) کپڑے اتار دیا کرتے ہو یہ تین اوقات تمہارے پردے کے ہیں (اس لیے مذکورہ اوقات میں اجازت لیے بغیر جانا حرام ہے) ان اوقات کے علاوہ تم پر کوئی مضائقہ نہیں کہ وہ تمہارے پاس اور تم ایک دوسرے کے پاس آتے جاتے رہو اس طرح اللہ اپنے احکامات کھول کر بیان کرتا ہے اور اللہ سب کچھ جانتا اور بڑی حکمت والا ہے ۵۸ اور جب تمہارے بچے بلوغت کو پہنچ جائیں تو وہ بھی اس طرح اجازت لیں جس طرح ان سے قبل (دوسرے لوگ) اجازت لیتے ہیں، اس طرح اللہ اپنے احکام کو صاف اور واضح طور پر بیان کرتا ہے اور اللہ بڑا علم والا اور حکمت والا ہے ۵۹ اور بیٹھ رہنے والی عورتیں جنہیں نکاح کی توقع (ضرورت) نہیں، ان پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ اپنے (بعض) کپڑے اتار لیں (مخصوص طریقے سے اوڑھنیاں نہ اوڑھیں) بشرطیکہ اپنی زینت دکھانا مقصود نہ ہو اور اگر احتیاط برتیں تو ان کے لیے بہتر ہے اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے ۶۰ نہ اندھے کے لیے کوئی حرج ہے اور نہ لنگڑے کے لیے کوئی مضائقہ اور نہ بیمار کے لیے کوئی گناہ اور نہ خود تم پر کہ اپنے گھروں میں کھانا کھاؤ یا اپنے باپ دادوں کے گھروں سے یا اپنی ماؤں کے گھروں سے یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے یا اپنی بہنوں کے گھروں سے یا اپنے چچوں کے گھروں سے یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے یا اپنے ماموں کے گھروں سے یا اپنی خالائوں کے گھروں سے یا جن کی کنجیاں تمہارے اختیار میں ہوں یا اپنے دوستوں کے گھروں سے، تم پر کوئی گناہ نہیں اگر تم آپس میں مل بیٹھ کر کھانا کھاؤ یا الگ الگ، غرض جب تم اپنے گھروں میں بھی داخل ہوا کرو تو ایک دوسرے کو سلام کہہ لیا کرو یہ اللہ کی طرف سے مبارک اور پاکیزہ تحفہ ہے، اس طرح اللہ اپنی آیتیں صاف اور واضح طور پر تم سے بیان کرتا ہے تاکہ تم سمجھو ۶۱“

مسلمانوں کے پردہ کے گھریلو احکامات کا تذکرہ قرآن کریم میں

گھر کا نظام چلانے کے لیے بعض اوقات لونڈی غلام اور گھریلو کام کاج کرنے والے لوگوں کی آمد و رفت لازم و ضروری ہے اور نابالغ بچوں کا آنا جانا بھی ناگزیر ہے اس لیے اگر ان کو بھی ہر وقت گھر میں آنے جانے کی اجازت حاصل کرنی پڑے گی تو بہت مشکل

ہو جائے گی اس لیے گھر والوں اور ان سب لوگوں کے لیے جن کا گھر میں آنا جانا ضروری ہے ان کی سہولت کے پیش نظر تین اوقات مقرر کر دیئے گئے کہ ان اوقات میں اجازت حاصل کیے بغیر وہ اندر داخل نہ ہوں تاکہ میاں بیوی اپنے محبت آمیز تعلقات سے تسکین حاصل کر سکیں۔ جو تین اوقات مقرر کیے گئے ہیں یہ بالکل فطری ہیں پہلا وقت وہ جب عادت کے مطابق کھانے پینے سے فارغ ہو کر آدمی آرام کرنے اور سونے کے لیے تیار ہو جائے بلکہ سو جانے کی جگہ پہنچ جائے اور یہ وقت فجر کی نماز کا وقت آنے تک ہے اور اس طرح دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد بھی جب انسان قیلولہ کرتا ہے مختصر یہ کہ جو جو اوقات آرام کے لیے ایک گھر میں مقرر کیے گئے ہیں اور عرف عام میں سب گھر میں آنے جانے والوں کو معلوم ہوں ان مخصوص اوقات میں اگر کسی کو اندر داخل ہونے کی ضرورت پیش آئے تو اجازت حاصل کئے بغیر یہ لوگ بھی ایک دوسرے کے کمرے میں نہ آئیں جائیں اور ان مقررہ اوقات کے علاوہ لونڈی، غلاموں اور گھر میں کام کاج کرنے والے لوگوں اور نابالغ بچوں کو اجازت لینے کی ضرورت نہیں۔ اس طرح صاحب خانہ کو بھی محتاط رہنا ہوگا کہ گھر میں کام کاج کرنے والوں کو آنے جانے کی ضرورت ہوگی اس لیے آرام کے لیے مخصوص وقت کے علاوہ کوئی ایسی حرکت نہ کریں جو تجلیہ کی ہو۔ اسی طرح مسلمانوں کے لیے پیروی کے احکامات کی یہ پہلی اور ابتدائی صورت واضح کر دی تاکہ اس کی پابندی کی جائے اور پردہ کی باتیں بے پردہ نہ ہوں۔

مخصوص اوقات کے علاوہ گھر میں آنے جانے والوں کے لیے اجازت کی ضرورت نہیں

ان مخصوص اوقات کے علاوہ ان لوگوں کے لیے جو صاحب مکان کے لونڈی، غلام ہیں یا اس گھر میں کام کاج کرنے والے ہیں ان کے آنے جانے پر کوئی پابندی نہیں اور نہ ہی ان نابالغ بچوں پر کوئی پابندی ہے جو پردے کے معاملات سے پوری طرح واقف نہیں اور یہ بھی کہ ضرورت کے لیے ان کے آنے جانے پر کوئی پابندی نہیں لگائی جاسکتی وہ بچے اپنے قریبی رشتہ داروں کے ہوں یا دوسرے ہمسایہ وغیرہ کے یا جاننے بوجھنے والوں کے جن کا گھروں میں آنا جانا متعارف ہے اور ضرورت کے لیے سب لوگ ایک دوسرے کے ہاں اپنے بچوں کو بھیج دیا کرتے ہیں۔ فرمایا ہم نے تمہارے لیے یہ بات کھول کھول کر واضح کر دی ہے تاکہ اس کا کوئی پہلو مبہم نہ رہ جائے۔ خیال رہے کہ زیر نظر آیت میں ان لوگوں کا حکم

بیان کیا گیا ہے جن کا ایک گھر میں آنا جانا گزیر ہے عام لوگوں کے لیے ایک دوسرے کے گھر میں جانے کے آداب پہلے بتائے جا چکے ہیں۔

بچے جب بالغ ہو جائیں تو اب وہ بغیر اجازت اندر نہ آئیں

ایک دوسرے کے گھروں میں آنے جانے کے آداب پہلے ذکر کیے جا چکے ہیں اور اجازت لینے کی ضرورت اور اجازت حاصل کرنے کا طریقہ بتایا جا چکا ہے اس عام اجازت سے گھروں میں کام کاج کرنے والے خادم اور لونڈی غلام اور نابالغ بچے مستثنیٰ کیے گئے تھے پھر ان مستثنیٰ کیے جانے والوں کے لیے بھی تین مخصوص اوقات میں اجازت لینا ضروری قرار دیا گیا اب زیر نظر آیت نمبر ۵۹ میں بتایا گیا ہے کہ وہ بچے جو نابالغ ہونے کے باعث ایک دوسرے کے گھروں میں آتے جاتے رہے ہیں جب وہ قریب البلوغ ہوں یا بالغ ہو جائیں تو اب ان کے آنے جانے پر بھی وہی پابندی ہے جو عام لوگوں کو ایک دوسرے کے گھر جانے پر ہے۔ یعنی اب وہ بغیر اجازت حاصل کیے اندر نہ داخل ہوں گویا جو حکم دوسرے لوگوں کا ہے وہی ان کا بھی ہے اور تفصیل پیچھے گزر چکی ہے۔

عمر رسیدہ عورتوں کے لیے خاص رعایت کا ذکر

وہ بوڑھی عورتیں جنہیں اب اولاد کی امید باقی نہیں رہی اور وہ مخصوص اوقات میں الگ تھلگ بھی نہیں رہیں گی اور گھروں میں رہتے ہوئے گھر میں کام کاج کرنے والوں اور عام بچوں کے سامنے اگر سر سے دوپٹہ اتار بھی دیں گی یا ان کے سر سے دوپٹہ اتار بھی جائے گا تو ایسی صورت قابل برداشت ہے کیونکہ اب وہ نانی، دادی ہو چکی ہیں اور گھر میں ان کی ذمہ داری کی نوعیت بھی بدل چکی ہے اور ان کو خاص قسم کی زیب و زینت کی ضرورت بھی نہیں رہی کہ ہر بات کے لیے ایک وقت مقرر ہے اور قوی مضحل ہو جائیں تو خواہشات بھی سرد پڑ جاتی ہیں۔ ہاں! ان کے لیے بھی جہالت کے مظاہرہ کی اجازت نہیں تاہم وہ حتی الامکان ایسی صورت حال سے بچیں تو یہ ان کے لیے زیادہ اچھی بات ہے۔

رسم و رواج سے بچنا ان کے لیے بھی ضروری ہے

پیچھے گزر چکا ہے کہ عورتوں کے لیے عام حکم دیا گیا تھا ولیضربن بخمرهن علی جیوبھن وہ اپنی اوڑھنیوں کے آئچل سے اپنے گریبان ڈھانک لیا کریں اب ان بوڑھی عورتوں کو اس حکم سے مستثنیٰ کیا جا رہا ہے کیوں؟ اس لیے کہ اب ان کو نکاح کی ضرورت باقی

نہیں رہی اس لیے اگر انہوں نے اپنی اوڑھنیوں کو اس خاص طریقہ سے استعمال نہ کیا تو بھی ان پر کوئی گناہ نہیں ہوگا تاہم ان کو اس بات کی اجازت نہیں دی جاسکتی کہ وہ دورِ جہالت کے رسم و رواج کو دوبارہ اپنے گھروں میں رائج کر دیں اور ان کی دیکھا دیکھی پھر وہی جہالت کی باتیں شروع ہو جائیں اس لیے اتفاق اور بات ہے لیکن جان بوجھ کر اس میں سستی کے نتائج اچھے نہیں ہوں گے۔

بوڑھی عورتیں بھی احتیاط برتیں تو اس میں بھلائی ہے

اس آیت میں القواعد من النساء کے الفاظ خاص طور پر قابلِ غور ہیں کہ یہ اس قدر بوڑھی اور معمر ہو چکی ہیں کہ ان کو خود خواہشات نفسانی کی حاجت نہ رہی ہو اور ان کو دیکھ کر بھی کسی انسان کو اس طرح کا خیال نہ آئے۔ ایسی عمر رسیدہ عورتوں کو بھی دورِ جاہلیت کی عادات و خصائل کی اجازت نہیں دی گئی بلکہ اُن کی آسانی کے پیش نظر ان کو مستثنیٰ کیا گیا ہے، دوسرے لفظوں میں ان معذور عورتوں کے عذر کو منظور کر لیا گیا ہے اور پھر تاکید بھی کی گئی ہے کہ یاد رکھو اللہ تعالیٰ خوب سننے والا اور علم رکھنے والا ہے وہ دلوں کے رازوں سے بھی خوب واقف ہے، وہ جانتا ہے کہ کس نے دورِ جہالت کی یاد کو تازہ کرنے کی غرض سے ایسا کیا ہے اور کون فی الواقع معذور ہے۔ گھریلو زندگی کے ذکر کے باعث اب گھروں میں کھانا کھانے کے آداب و احکام کو بیان کیا جا رہا ہے۔

جان لینا چاہیے کہ پردہ کا مقصد معاشرتی روابط کا انتظام نہیں

دورِ جاہلیت میں یہ رواج تھا کہ لوگ اندھوں، لنگڑوں اور مریضوں کے ساتھ کھانا کھانے سے کراہت کرتے تھے اس لیے اُن سے مل کر کھانا نہیں کھاتے تھے حالانکہ کسی شخص کا اندھا، لنگڑا اور مریض ہو جانا اختیاری بات نہیں بلکہ ایسے کمزوروں کو اپنی کمزوری کا بہت خیال رہتا ہے اس لیے اُن کو اس بات کا احساس نہیں ہونے دینا چاہیے اور پھر یہ بھی کہ جب گھروں کے اندر جانے پر پابندیاں عائد کر دی گئیں جو گزشتہ آیات میں بیان ہوئی ہیں تو شاید کچھ لوگوں نے یہ محسوس کیا ہوگا کہ اسلام سوشل آزادیوں کو محدود کرنا چاہتا ہے کہ خاص اپنے عزیزوں، قریبیوں اور رشتہ داروں اور دوستوں کے گھروں میں کوئی شخص آزادی سے نہیں جاسکے گا اور اس طرح بہت سے وہ لوگ جو معذور و مجبور تھے اور خصوصاً اُس زمانہ میں جب چو طرفہ جنگ جاری تھی ایسے لوگوں کی کثرت ہو چلی تھی اور ایسے لوگ اپنی مجبوریوں

کے باعث یقیناً اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں ہی کے گھروں پر گزر بسر کر رہے تھے بلاشبہ انہوں نے محسوس کیا ہوگا کہ اب ان کی آزادی محدود ہوگئی اس طرح کے بہت سے عوامل پیدا ہو گئے ہوں گے اور لوگ ایک دوسرے سے تبصرے کرتے ہوں گے اور بلاشبہ ہر طرح کی آزادی کے بعد اس طرح کی پابندی بھی بعض طبائع پر شاق گزری ہوگی اس لیے رب ذوالجلال والا کرام نے ان سب کے شبہات کو دور کرنے کے لیے ایک ہی آیت میں اس سلسلہ کی بہت سی چیزوں کی وضاحت فرمادی کہ بعض احتیاطی پابندیاں عائد کرنے کا یہ مطلب نہیں جو لوگوں نے سمجھ لیا ہے اور اندھوں، لنگڑوں، اُپاہجوں اور مریضوں کو اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں سے محروم کرنا مقصود نہیں اور اجازت طلب کر کے اندر داخل ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ ایک دوسرے کے ہاں آنے جانے سے روک دیا گیا ہو بلکہ اجازت سے مقصود بعض غلط قسم کے میل جول سے ممانعت کی گئی ہے جس سے انسانی آزادی کو بحال کرنا مقصود ہے نہ کہ انسانی زندگی پر خواہ مخواہ قیود بڑھانا۔ خود ہی غور کر لو کہ ایک انسان کو اپنے گھر کے اندر بھی آزادی سے رہنا نصیب نہ ہو اور وہ اپنی نفسانی خواہشات کو بھی جانوروں کی طرح راستوں ہی میں پورا کرنا شروع کر دے تو اُس کی انسانی زندگی کی آزادی سلب ہوئی یا انسانی آزادی محدود ہو کر رہ گئی اس لیے ان کو بتایا گیا کہ اسلام نے اس بات پر قطعاً پابندی عائد نہیں کی کہ وہ اپنے عزیز و قریب کے لوگوں سے آمد و رفت ہی مطلقاً بند کر دیں۔

کھانے کے اوقات تقریباً ہر جگہ متعین ہوتے ہیں

کھانے کے اوقات ہر وقت نہیں ہوتے بلکہ ہر معاشرہ کے اندر کچھ کھانے کے اوقات مقرر کیے گئے ہیں اور جہاں جہاں جس کا کھانا چلتا ہے سب کو معلوم ہے وقت معین پر اجازت حاصل کر کے اندر جایا جاسکتا ہے اور کھانا کھانے میں کوئی پابندی اس طرح کی عائد نہیں کی گئی کہ معذور لوگ دوسرے لوگوں سے مل کر کھانا نہ کھائیں بلکہ اسلام نے پوری وسعت سے کام لیتے ہوئے آپس میں مل کر یا الگ الگ کھانے کی اجازت برقرار رکھی ہے بلکہ معذوروں کو ہر گھر سے کھانا کھالینے کی وضاحت کر دی ہے اور ساتھ ہی تندرست لوگوں کو ایک طرح سے سمجھا دیا ہے کہ معاشرہ کے معذور لوگوں کے کھانے کا بندوبست کرنا بھی تم پر لازم ہے اور رشتہ داروں اور عزیزوں کے ہاں کھانا کھانے اور اس طرح دوستوں، یاروں

کے ہاں بے جھجک کھالینے کی اجازت مرحمت فرمائی اور اس عادت کو بحال رکھا کہ یہ تمہاری مرضی کی بات ہے کہ تم مل کر کھانا کھاؤ یا الگ الگ اپنے اپنے برتن میں لے کر کھانا کھاؤ جس طرح سے تم کھانے کے عادی ہو اسلام نے اس سلسلہ میں تم پر کوئی پابندی نہیں عائد کی۔ پردہ کا اپنا مقام ہے اور ظاہر ہے کہ کھانا کھانے میں کن اعضاء کے کھولنے کی ضرورت ہے سب کو معلوم ہے کہ وہ منہ اور ہاتھ ہی تو ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ دونوں تو پہلے ہی پردہ سے مستثنیٰ رکھے گئے ہیں پھر اس معاملہ میں سب سے زیادہ احتیاط کی جو چیز ہے وہ آنکھ اور زبان ہے اور ان دونوں پر جو پابندی عائد کی گئی ہے وہ ہر حال میں موجود رہے گی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھنے اور خواہشات نفسانی سے پر لہجہ اختیار کرنے کی روک اپنی جگہ پر قائم ہے اور ان دونوں چیزوں کا کھانے سے کوئی تعلق نہیں اور پھر جن گھروں میں کھلم کھلا کھانے کی اجازت دی جاتی ہے ان گھروں میں رہنے والے تو سب لوگ محرم ہیں اور ایک دوسرے کے ساتھ ان کو روابط رکھنا پہلے ہی ممنوع نہیں ہے اور جو تین اوقات منع کیے گئے ہیں ان میں بھی اجازت لے کر جانے کی عام اجازت دی گئی ہے لہذا اس میں کسی قسم کی دشواری موجود نہیں بلکہ انسانی زندگی کی نہایت اہم بات اس جگہ بیان کر دی گئی ہے اور ایک دوسرے کے ہاں پورے اہتمام کے ساتھ آنے جانے کو کہا گیا ہے اور مہمان اور میزبان دونوں کے لیے بہترین ادب سکھانے کی کوشش کی ہے اور پھر یہ قانون وقتی قانون نہیں ہے بلکہ ہمیشہ کے لیے یہ قانون بنادیا گیا ہے جس میں آسانی اور سہولت کا لحاظ رکھا گیا ہے۔

جن گھروں میں کھانا کھانے کی اجازت عام دی گئی ہے ان پر مزید ایک نگاہ ڈال لیں

ان گھروں کی پوری فہرست پر ایک نظر ڈال لو ظاہر ہے کہ اپنے گھروں سے مراد وہی گھر ہیں جن گھروں کی ذمہ داری تمہارے اپنے کندھوں پر ہے اور اپنی اولاد کے گھر بھی ظاہر ہے کہ اس ضمن میں آتے ہیں باپ دادوں، ماؤں، بھائیوں اور بہنوں کے گھروں میں اپنے چچوں، پھوپھیوں، ماموں اور خالاؤں کے گھروں میں جا کر کھانا کھانے والوں کے ساتھ کھانا پکانے والیاں، کھانے کھلانے والیاں اور کھانے کھانے والوں میں کیسا کیسا رشتہ بنتا ہے اور کتنا قرب یہاں موجود ہے ایک ایک بات کو نگاہ میں رکھو اور یہ بھی کہ اگر تم وہاں سے کھارے ہو تو عین ممکن ہے کہ تمہاری اولاد بھی تمہارے ساتھ ہی ہو اور اس طرح ان لوگوں کی اولادوں کا وہاں موجود ہونا بھی تسلیم کیا جاسکتا ہے اور اس سلسلہ میں یہاں کسی قسم

کی مزید وضاحت بھی نہیں کی گئی تو ان سب کے ہاں ظاہری طور پر سب کی موجودگی میں میل جول کی کوئی ممانعت بھی نہیں کی گئی اس بات پر ان لوگوں کو غور کرنا چاہیے جو پردے کے سلسلہ میں عورت کو ایک انسان سمجھنے کے لیے تیار ہی نہیں بلکہ وہ عورت کو محض ایک شیطان تسلیم کرتے ہیں اور اس چیز نے بعض لوگوں کو اس قدر غصہ دلایا کہ وہ آج اسلام کے نام سے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں اور شاید ان کو بتانے والا ایک بھی نہیں جو ان کو بتائے کہ اسلام نے تو عورت کو بہت بلند مقام دیا ہے یہ محض چند سر پھروں کی طرف سے کہی گئی بات ہو سکتی ہے اسلام نے مردوں اور عورتوں کو ایک جنس کی دو قسمیں ضرور قرار دیا ہے اور حیوانوں کی طرح اس نے ایک دوسرے کو سونگھنے کی اجازت نہیں دی بلکہ انسانی زندگی کا پورا پورا احترام سکھایا ہے اور ان دونوں صنفوں کو الگ الگ ذمہ داریوں سے روشناس کر دیا ہے اور ان کی فطرت کو اُجاگر کر کے دونوں کو اپنے مقام میں وقار کے ساتھ رہنے کا طریقہ سکھایا ہے اور ان کو باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ بلاشبہ تم حیوان ہو لیکن حیوانیت سے آگے بڑھ کر تم انسان بھی ہو اس لیے انسانیت کی قدر کرو کہ حیوانیت سے انسانیت کا درجہ بہت بلند ہے اور اپنی بلندی کو نظر انداز کر کے صرف حیوانیت کی طرف مائل نہ ہو جاؤ، ایک گھوڑے اور ایک انسان کے فرق کو مد نظر رکھو۔

وہ جن کی تجلیاں تمہارے سپرد کی گئی ہیں؟

اس حکم کے مختلف پہلو بتائے گئے ہیں بعض نے غزوات میں جاتے وقت معذور لوگوں کو پیچھے اپنی جائیدادوں پر مقرر کیے جانے والے لوگ مراد لیے ہیں اور بعض نے اس سے مراد اپنے غلام اور لونڈیاں لی ہیں اور بعض نے جائیدادوں کے مستقل انتظام کرنے والے مراد لیے ہیں، بڑی بڑی جاگیروں اور بڑے بڑے کاروباروں پر متعین کردہ لوگوں سے لی ہے اور ان الفاظ کی وسعت ان سب پر حاوی ہے اس لیے ضرورت کے ساتھ ہر ایک اس سے مراد لیا جاسکتا ہے لیکن جن مفسرین نے اس سے مراد وہ یتیم بچے لیے ہیں جن کی نگہبانی کے لیے کسی کو ان کا فیصل بنایا گیا ہو اور ہمارے نزدیک یہ لوگ اس سے مراد نہیں لیے جاسکتے کیونکہ یتیم کے مال کو اس طرح کھانے کی اجازت کسی حال میں بھی نہیں ہے ہاں باقی لوگوں کو جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے صاحب مال کے مال سے بقدر کفایت کھانا کھالینے کا حق ہے اور یہ بات اُس حفاظت و نگہبانی کے ضمن میں آ سکتی ہے۔

دوستوں کے گھروں سے کھانا کھالینے کی بھی اجازت ہے

بلاشبہ دوستوں میں ایسے گھرے دوست بھی ہوتے ہیں جن کی موجودگی اور عدم موجودگی میں ان کے گھروں سے کھانا کھایا جاسکتا ہے کیونکہ بے تکلف اور جگر کی دوستوں کے ہاں سے کھالینے میں ان پر بھی شاق نہیں گزرتا بلکہ ایک دوسرے پر حق قائم ہو جاتا ہے بلاشبہ اس حق کو قرآن کریم نے بھی بحال رکھا ہے بلکہ زیر نظر آیت میں وضاحت سے اس کی اجازت دی ہے اور خصوصاً دوستوں کے ذکر کے بعد یہ ارشاد فرمایا کہ تم سب لوگ آپس میں مل کر کھانا کھاؤ یا الگ الگ ہر طرح کی اجازت ہے جو طریقہ بھی اختیار کر لیا گیا اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ اندازہ کیجئے کہ اس سے زیادہ وسعت اور کیا ہو سکتی ہے فریقین کا اطمینان ہو تو اسلام اس اطمینان کی صورت حال کو خوشی سے قبول کرتا ہے اور پھر جہاں اس قدر وسعت موجود ہو وہاں اس طرح کی پابندیاں جو نام کے مذہبی پیشواؤں نے ڈنڈے کے زور سے لگا رکھی ہیں کہیں ان کا کوئی وجود اسلام میں موجود ہے؟ دراصل ان مجسمہ گناہوں نے اپنے گناہوں کے باعث عورت کو اپنی ہوس کا ازالہ سمجھا ہے اور یہ کوشش کی ہے کہ عورت مرد کے لیے ایک کھلونا ہے کہ وہ اس سے کھیلے اور پھر بند کر کے رکھ دے اور خود جہاں چاہے گل چہرے اڑاتا پھرے۔ اس طرح انہوں نے اپنے گندے کردار کو ایک سترے کردار کی عورت کے پردہ میں چھپانے کی کوشش کی ہے بہر حال یہ اسلام مذہبی پیشواؤں کا خود تراشیدہ ہے اسلام نے من حیث العقل جنس انسان کی دونوں اصناف کو انسانیت سے روشناس کرایا ہے اور حیوانیت سے ان کو بلند مقام عطا کیا ہے اور دونوں کو تفہیم کرایا ہے اور کسی صنف پر غیر فطری پابندیاں عائد نہیں کیں بلکہ فطری پابندیوں سے روشناس کرایا ہے جو پابندیاں انسانیت کے لیے ہر صاحب عقل و فکر انسان تسلیم کرتا ہے جیسا کہ اس کی وضاحت گزر چکی ہے۔ مل کر کھانے والے اگر ایک گھر ہی کے افراد ہوں گے تو ایک میز، ایک دسترخوان اور ایک برتن تک مراد لیے جاسکتے ہیں جیسے کسی خاندان کی عادت ہوگی اور اگر ایک سے زیادہ خاندان ہوں گے جیسا کہ اوپر ذکر ہے تو مردوں کے ساتھ مرد اور عورتوں کے ساتھ عورتیں مل کر ایک دسترخوان، ایک میز یا ایک برتن میں کھانا کھا سکتے ہیں اور سب افراد کا ایک جگہ بیٹھ کر کھانا کھانا بھی مراد ہو سکتا ہے اور ایک جگہ تیار شدہ کھانا الگ الگ برتنوں اور الگ الگ گھروں یا جگہوں میں بھی حسب حال مراد لیا جاسکتا ہے۔ مختصر یہ کہ دائرہ

حیوانیت سے نکل کر دائرہ انسانیت میں داخل ہونے کے بعد دائرہ انسانیت میں رہتے ہوئے سوسائٹی کا نظام ہی اصل اسلام کا نظام ہے۔

گھروں میں داخل ہوتے وقت السلام علیکم سے اجازت لینا

گھروں میں داخل ہونے کے آداب پیچھے بیان ہو چکے ہیں وہاں سے تفصیل ملاحظہ کریں، زیر نظر آیت کے آخر میں بھی اُس بات کو ایک بار پھر دہرایا گیا ہے کہ گھروں میں داخل ہوتے وقت اجازت طلب کرنا اور پھر اجازت کا مل جانا بہت ضروری ہے اجازت کا طریقہ دروازہ کھٹکھٹانا، گھنٹی کا بٹن دباننا، فون پر اجازت طلب کرنا سب درست ہے تاہم اسلامی روایات کا پاس کرتے ہوئے داخل ہوتے وقت گھر والوں کو السلام علیکم پیش کرنا بھی ضروریات اسلام میں سے ہے اس لیے ان احکامات کے خاتمہ پر ایک بار پھر یہ بات دہرائی جا رہی ہے کہ اسلامی آداب کے مطابق گھر والوں پر سلام پیش کرو اس سے محبت اور خلوص ان شاء اللہ العزیز بڑھے گا اور میزبان بھی خوش ہوں گے اور اسلامی آداب کو بھی فروغ ہوگا پھر تاکید فرمادیا کہ یہ اسلامی آداب اللہ تعالیٰ نے تم کو سکھائے ہیں یہ وہ دُعا ہے جس میں بہت ہی برکتیں رکھی گئی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اپنی ہدایت کے نشانات کھول کھول کر تم پر واضح کر دیئے ہیں اور انہی میں تمہاری فلاح و کامیابی ہے جو صاحب عقل و فکر احباب کو معلوم ہے۔

بعض باتوں میں نبی کریم ﷺ اور آپ کے اہل و عیال خصوصاً آپ کی ازواج مطہرات عام لوگوں سے الگ اپنی ایک حیثیت رکھتے ہیں اس طرح پردہ کے احکام میں بھی اور ازدواجی زندگی کے دوسرے پہلوؤں میں بھی ان کی الگ حیثیت کا بیان بھی اس جگہ کر دینا ضروری ہے تاکہ آپ کی خصوصیات اس سلسلہ میں واضح ہو جائیں۔

قرآن کریم کی آیات ﴿4﴾

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَحْلَلْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ الَّتِي آتَيْتَ أُجُورَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ مِمَّا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَيْكَ وَبَنَاتِ عَمَّتِكَ وَبَنَاتِ خَالِكَ وَبَنَاتِ خَلَّتِكَ الَّتِي هَاجَرْنَ مَعَكَ وَامْرَأَةً مُؤْمِنَةً إِنْ وَهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ إِنْ أَرَادَ النَّبِيُّ أَنْ يَسْتَنْكِحَهَا خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ط قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا

عَلَيْهِمْ فِي أَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ لِكَيْلَا يَكُونَ عَلَيْكَ حَرَجٌ ۚ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ۝ تَرْجِي مَنْ تَشَاءُ مِنْهُنَّ وَتَتَوَى إِلَيْكَ مَنْ تَشَاءُ ۚ وَمَنْ ابْتِغَيْتَ مِنْهُنَّ غَزْلًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ ذَلِكَ أَدْنَىٰ أَنْ تَقْرَءَ عَنْهُنَّ وَلَا يَحْزَنَ ۚ وَيَرْضَيْنَ بِمَا آتَيْتَهُنَّ كُلَّهُنَّ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي قُلُوبِكُمْ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَلِيمًا ۝ لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ مِنْ بَعْدُ وَلَا أَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَ مِنْ أَزْوَاجٍ وَلَوْ أَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ إِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ رَقِيبًا ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ إِلَىٰ طَعَامٍ غَيْرِ نَظَرٍ ۚ إِنَّهُ لَا وَلَٰكِنْ إِذَا دُعِيتُمْ فَادْخُلُوا فَإِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوا وَلَا مُسْتَأْنَسِينَ لِخَدِيثٍ ۚ إِنَّ ذَلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيِي مِنْكُمْ ۚ وَاللَّهُ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ ۚ وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَسَأَلُوهُنَّ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ ۚ ذَلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ ۚ وَمَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُؤْذُوا رَسُولَ اللَّهِ وَلَا أَنْ تُنْكِحُوا أَزْوَاجَهُ مِنْ بَعْدِهِ أَبَدًا ۚ إِنَّ ذَلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللَّهِ عَظِيمًا ۝ إِنْ تَبَدَّلُوا شَيْئًا أَوْ تَخَفُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ۝ (الاحزاب ۳۳: ۵۴ تا ۵۳)

”(اے پیغمبر اسلام!) ہم نے آپ کے لیے آپ کی بیویاں جن کو آپ مہر دے چکے ہیں حلال کر دی ہیں اور وہ عورتیں بھی جو آپ کی ملک میں ہیں اور (آپ نکاح کر چکے ہیں) جو اللہ نے آپ کو (مال غنیمت) میں دلوائی ہیں اور آپ کے چچاؤں کی بیٹیاں اور آپ کی پھوپھیوں کی بیٹیاں اور آپ کے ماموں کی بیٹیاں اور آپ کی خالائوں کی بیٹیاں جنہوں نے آپ کے ساتھ (اسلام کی خاطر) ہجرت کی اور کوئی (دوسری) مومن عورت (جورشتہ دار نہ ہو) اگر وہ اپنے آپ کو نبی (ﷺ) کے لیے ہبہ کر چکی ہے اور نبی (ﷺ) بھی اس سے نکاح کیلئے راضی تھا اس لیے نکاح کر لیا ہے (اور یہ آخری رعایت) صرف نبی ہی کے لیے ہے دوسرے ایمان والوں کے لیے نہیں، بلاشبہ ہم کو معلوم ہے جو ہم نے ان پر (ایمان والوں پر) ان کی بیویوں اور ملک یمین کے متعلق مقرر کر دیا ہے تاکہ آپ پر کوئی تنگی نہ ہو اور اللہ بخشنے والا اور بہت ہی پیار کرنے والا ہے ۵۰ (اے پیغمبر اسلام!) ان (بیویوں) میں سے آپ جس کو چاہیں اپنے سے علیحدہ رکھیں اور جس کو چاہیں اپنے پاس رکھیں اور جس کو اپنے سے علیحدہ کر دیا تھا ان میں سے اگر کسی کو آپ طلب کر لیں تو آپ کے لیے کچھ مضائقہ نہیں (اس خصوصی اجازت سے) پوری توقع ہے کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں گی

اور عملگین نہ ہوں گی اور جو کچھ آپ انہیں دیں گے اس سے سب کی سب خوش رہیں گی اور جو کچھ تمہارے دل میں ہے اللہ اس سے بخوبی واقف ہے اور اللہ بڑا جاننے والا بہت ہی بردبار ہے ۵۱ ان کے علاوہ اور عورتیں آپ کے لیے جائز نہیں اور نہ ہی یہ کہ آپ ان کی جگہ دوسری بیویوں کو لیں (کہ ان میں سے کسی کو چھوڑ کر کسی اور سے نکاح کر لیں) خواہ ان کا حسن آپ کو اچھا لگے، ہاں! وہ جو آپ کی ملک یمین ہوں (ان سے نکاح کی اجازت ہے) اور اللہ ہر چیز پر نگہبان ہے ۵۲ اے ایمان والو! تم نبی (کریم ﷺ) کے گھروں میں (بغیر اجازت) داخل نہ ہوا کرو مگر جو اس کے تم کو کھانے کے لیے مدعو کیا جائے اور نہ ہی کھانا پکینے کے انتظار میں (وہاں) بیٹھ رہا کرو لیکن جب تم کو (کھانے کے لیے) بلایا جائے تو داخل ہو پھر جب تم کھانا کھا چکو تو اٹھ کر چلے جایا کرو اور باتوں میں دل لگائے نہ بیٹھ رہا کرو، بلاشبہ رسول اللہ (ﷺ) کو تکلیف پہنچتی ہے (اس کے باوجود) وہ تمہارا لحاظ کرتے ہیں اور اللہ کو صاف اور سیدھی بات کہنے میں کوئی حجاب نہیں اور جب تم ان سے (رسول ﷺ) کی اہل بیت سے) کوئی چیز مانگو تو ان سے پردہ میں رہ کر مانگو یہ تمہارے اور ان کے (دونوں کے) لیے زیادہ پاکیزہ طریقہ ہے اور (پھر سن لو) یہ تمہارے لیے زیبا نہیں کہ تم اللہ کے رسول (ﷺ) کو تکلیف دو اور نہ یہ کہ آپ کی یعنی (نبی کریم ﷺ) کی بیویوں سے کبھی آپ کی (کی وفات) کے بعد نکاح کرو بلاشبہ اللہ کے نزدیک یہ بہت بڑی (گناہ کی) بات ہے ۵۳ اگر تم کوئی بات ظاہر کرو یا اس کو چھپاؤ تو بلاشبہ اللہ ہر چیز کو اچھی طرح جانتا ہے (کوئی بات اس کے علم سے باہر نہیں) ۵۴

نبی کریم ﷺ اور آپ کے اہل خانہ کے مخصوص احکام

اب ہم پردہ کے ان احکامات کی طرف آتے ہیں جو سورہ الاحزاب میں بیان کیے گئے ہیں۔ بلاشبہ سورہ الاحزاب سورہ النور کے بعد نازل ہوئی اگرچہ اس بات کی تغلیط کی گئی ہے اور اکثر مفسرین نے اس کو سورہ النور سے پہلے نازل ہونے کو صحیح کہا ہے۔ تاہم اس جگہ ہمیں اس بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ ہاں سورہ الاحزاب میں اصل خطاب نبی کریم ﷺ کو مخصوص طور پر مخاطب کر کے آپ کی ازواج مطہرات یعنی امہات المومنین کے لیے پردہ کے احکامات بیان فرمائے ہیں جیسا کہ سورہ کا مضمون واضح طور پر بیان کر رہا ہے۔ جہاں کہیں عام ایمان والیوں کو ان احکامات میں شامل کیا گیا ہے وہاں ان کا ذکر بھی ضروری

سمجھتے ہوئے کیا گیا ہے۔ تاکہ ان مخصوص احکامات سے ان کو الگ سمجھا جاسکے جیسا کہ سورہ الاحزاب کی آیت ۵۹ میں موجود ہے اور یہ ذکر آپ کے اور آپ کی ازواج مطہرات کے مخصوص ذکر کے بعد بیان ہوا ہے جس میں تمام مومن عورتوں کو بشمول امہات المومنین شامل کیا گیا ہے۔

ان ہی آیات کریمات کے پیش نظر ”حجاب“ کا ذکر آیا ہے اور ہمارے مفسرین اور علمائے اسلام نے اکثر اس کو ”گھر کے باہر کے پردہ“ سے موسوم کیا ہے حالانکہ قرآن کریم کی عبارت اور اس کا واضح مفہوم ”حجاب“ کو گھر کے اندر کے پردہ سے موسوم کرتا ہے کیونکہ ”حجاب“ لٹکا جاتا ہے، پہنا نہیں جاتا اور پہننے اور لٹکانے کو ایک بھی نہیں کہا جاسکتا۔ اسی طرح ”حجاب“ کا حکم نبی کریم ﷺ کی بیویوں سے مخصوص ہے جو عام مسلمان عورتوں سے آپ کی ازواج مطہرات کو مخاطب کر کے احکامات بیان کیے گئے ہیں ان ہی احکامات میں اس کا بھی ذکر آیا ہے جیسا کہ قرآن کریم کی آیات سے روز روشن کی طرح واضح ہے جو اوپر ذکر کی گئی ہیں وہاں سے ایک بار پھر ملاحظہ کر لیں۔

آیت نمبر ۵۳ میں ایمان والوں کو مخاطب کر کے جو حکم دیا گیا ہے اُس کا تعلق حقیقی بھی نبی اعظم و آخر ﷺ ہی کے ساتھ خاص ہے اور آپ کی گھروالیوں کے ساتھ کیونکہ اس میں بھی ان مخصوص دعوتوں کا ذکر ہے جو نبی کریم ﷺ صحابہ کرام اور عام دوسرے لوگوں کی کیا کرتے تھے جن میں مسلمانوں کے ساتھ منافق بھی شامل ہو جایا کرتے تھے چاہے ضمناً اس حکم کو عام بھی سمجھ لیا جائے تاہم اس سے اس کی خصوصیت پر کچھ اثر نہیں پڑتا۔

چونکہ ”حجاب“ کو گھر کے باہر کے پردہ میں شامل کر لیا گیا اور اس طرح اُس کو اصل مقام سے الگ کر دیا گیا اور جب بھی کوئی چیز اصل مقام سے الگ کر دی جائے تو اس سے اپنی مرضی کا مفہوم اخذ کیا جاسکتا ہے صاحب علم حضرات سے یہ چیز پوشیدہ نہیں بلکہ ہمارے صاحب علم حضرات اس فن میں بہت ماہر ہیں کیونکہ انہوں نے کسی ایک مقام پر ہی ایسا نہیں کیا، اسلام کے تمام احکام میں یہ ہاتھ دکھایا ہے خصوصاً عبادات میں سے تو کوئی ایسی عبادت باقی نہیں رہی جو اس فن کا شکار نہ ہوئی ہو جس کے نتیجے میں تمام فرقہ بندیوں معرض وجود میں آئی ہیں اور ان میں روز بروز اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے اور حد یہ ہے کہ کوئی فرقہ بھی اپنے فرقہ کو فرقہ تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں بلکہ دوسرے فرقوں کو فرقے شمار کرتا ہے اور

دوسروں کو شمار کرنے والا جب اپنے آپ کو اس میں شامل نہ کرے تو بھی حساب صحیح اور درست نہیں ہوتا جب تک کوئی باہر سے آکر ان کی گنتی نہ کرے، خواہ ہاتھ سے کرے یا جوتے سے۔

نبی کریم ﷺ کو اور آپ کی ازواج مطہرات کو جو احکامات دیئے گئے ہیں ان کا بغور مطالعہ کرتے ہوئے خود فیصلہ کریں کہ ان احکامات میں دوسرے مومن مردوں اور عورتوں کو شامل کیا جاسکتا ہے؟ جب کہ قرآن کریم ایک حکم دینے کے بعد خود ہی اس کی وضاحت مزید بھی کر رہا ہے کہ خالصۃ لک من دون المومنین ”یعنی یہ حکم خاص آپ کے لیے ہے دوسرے مومن اس میں شامل نہیں۔“

نبی اعظم و آخر ﷺ کو جو حکم خاص دیا جا رہا ہے

”اے پیغمبر اسلام ہم نے آپ کے لیے آپ کی بیویاں جن کو آپ مہر دے چکے ہیں حلال کر دی ہیں“ سورہ النساء میں یہ وضاحت تو تفصیل سے گزر چکی ہے کہ اسلام نے عام آدمیوں کے لیے چار تک شادیاں بیک وقت کرنے کی اجازت دی ہے بشرطیکہ شرعی ضرورت پیش آئے اور ان کے حقوق میں برابری بھی وہ کر سکیں تاہم چار سے زیادہ نکاح بیک وقت نہیں کیے جاسکتے اور ایک شادی کو مستحسن سمجھا گیا ہے لیکن رسول اللہ ﷺ کی خصوصیات میں سے یہ ہے کہ آپ بیک وقت چار سے زیادہ شادیاں کر سکتے تھے بلکہ آپ نے کی ہیں۔ زیر نظر آیت نمبر ۵۰ میں دوسرا حکم اس طرح دیا گیا کہ ”اور وہ عورتیں بھی جو آپ کی ملک میں ہیں اور جو اللہ نے آپ کو مالی غنیمت میں دلوائی ہیں۔“ اس میں ان عورتوں کا ذکر کیا گیا جو مالی غنیمت میں آئیں اور آپ کو بطور حصہ دی گئی تھیں اور ان میں سے جن کو ازدواجی زندگی میں آپ نے چاہا لے آئے تاکہ اُس سے قومی، اسلامی اور سیاسی فوائد حاصل کیے جاسکیں اور بلاشبہ ان سے نکاح کر کے آپ نے وہ فوائد حاصل کیے۔ اس کی وضاحت بھی ہم پیچھے کر چکے ہیں کہ یہ نظریہ کہ ملک یمین سے بغیر نکاح کیے جماعت جائز و حلال ہے قطعاً درست نہیں نہ آپ کے لیے یہ بھی جائز ٹھہرایا گیا اور نہ ہی عام مسلمانوں کے لیے ہاں آزاد عورت کے مقابلہ میں لونڈی سے نکاح اس لیے آسان ہے کہ اُس کے لونڈی ہونے کے باعث آزاد عورت کے برابر حقوق نہیں ہیں اور یہ رعایت رکھ کر اُسے لونڈی ہی رکھ کر نکاح کرنے کی اجازت دی گئی ہے اگرچہ بہتر یہی سمجھا ہے اور اس کی تاکید

بھی فرمائی ہے کہ ان کو آزاد کر کے نکاح کرنا یا نکاح کر کے آزاد کر دینا زیادہ اچھا اور زیادہ بہتر ہے یہی حکم آپ کے لیے بھی تھا اور یہی دوسرے سارے مسلمانوں کے لیے بھی ہے پھر آپ نے اس طرح کی آئی ہوئی عورتوں سے جب بھی نکاح کیا تو ان کے آزاد کرنے کے بعد کیا ان کو حق مہر ادا کیا، ان کا ولیمہ بھی کیا۔ اس طرح وہ ملک یمن نہ رہیں۔

آپ کے لیے دوسرا حکم خاص جس میں پابندی کا ذکر ہے

”اور آپ کے چچاؤں کی بیٹیاں اور آپ کی پھوپھیوں کی بیٹیاں اور آپ کے ماموؤں کی بیٹیاں اور آپ کی خالاؤں کی بیٹیاں“ یہ جملہ معترضہ کے طور پر ہے یعنی اگر انہوں نے ہجرت نہ کی تو آپ کے لیے نکاح جائز اور درست نہیں، بلاشبہ یہ حکم نبی اعظم و آخر ﷺ کے ساتھ خاص ہے اور اس کا یہ مطلب لیا جاسکتا ہے کہ اتنے قریب کا رشتہ ہونے کے باوجود انہوں نے ہجرت نہیں کی تو آپ ان سے نکاح نہیں کر سکتے یہ پابندی آپ کے لیے خصوصاً لگائی گئی ہے۔ معلوم ہوا کہ جس طرح بعض چیزوں کی آپ کو اجازت ہے اسی طرح بعض درست چیزوں سے آپ کو منع بھی کیا گیا ہے اور بلاشبہ اس کے اندر کوئی نہ کوئی حکمت بھی ضرور ہوگی لیکن ہمیں تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔

تیسرا حکم جو صرف اور صرف آپ کے لیے مخصوص ہے

”اور اس طرح کوئی دوسری مومن عورت اگر وہ اپنے آپ کو نبی ﷺ کے لیے ہبہ کر چکی ہو اور نبی بھی اس سے نکاح کے لیے راضی ہو“ کسی عورت کا یہ ہبہ نفس کر دینا ایک خاص معاملہ ہے جو نبی کریم ﷺ کی خصوصیات سے تعلق رکھتا ہے جیسا کہ خود قرآن کریم نے اس کی وضاحت فرمادی کہ اگر کوئی مومن عورت اپنے آپ کو آپ کے لیے ہبہ کر دے اور آپ بھی نکاح کرنا چاہیں تو ایسا کر سکتے ہیں اور فرمایا کہ خلاصۃ لک من دون المومنین یہ نبی کریم ﷺ کے لیے خاص ہے اور دوسرے ایمان والوں کے لیے جائز نہیں ہے کہ کوئی عورت جس کو اس کا جی چاہے اپنے نفس کو ہبہ کر دے اور مرہوب لہ اس کو قبول کرے۔ تعجب ہے کہ کتب فقہ میں اس کو جائز اور صحیح بتایا گیا ہے۔

ہم جانتے ہیں کہ یہ حکم آپ کے لیے مخصوص کیوں ہے؟

”بلاشبہ ہم کو معلوم ہے جو ہم نے ان پر یعنی ایمان والوں پر ان کی بیویوں اور ملک یمن کے متعلق مقرر کر دیا ہے“ عام مومنوں کے لیے آزاد عورتوں اور ملک یمن کی جو حدود

مقرر کی گئی ہیں یہ کیوں ضروری نہیں، ہم اس بات کو اچھی طرح جانتے ہیں اور ان کے لیے یہ جائز کیوں نہیں رکھا گیا کہ اگر کوئی عورت کسی کو اپنا نفس ہبہ کر دے تو وہ مرہوب لہ کے لیے جائز ہو جائے یہ سہولت ہم نے عام مسلمانوں کو کیوں نہیں دی اس بات کو بھی ہم اچھی طرح سمجھتے ہیں اس لیے اس بحث کی اس جگہ ضرورت نہیں ہے ظاہر ہے کہ اگر دیانت و امانت کا فقدان ہو جائے جیسا کہ اس وقت ہو بھی چکا ہے تو اس سے زنا کا چور دروازہ کھل سکتا تھا اس لیے عالم الغیب والشہادۃ نے اس سلسلہ کو عام مسلمانوں سے روک دیا اور متعارف نکاح کے سوا کوئی دوسری صورت جائز نہ رکھی۔

”تا کہ اے پیغمبر اسلام! آپ پر کوئی تنگی نہ ہو اللہ بخشنے والا بہت ہی پیار کرنے والا ہے۔“ مطلب یہ ہے کہ کوئی اللہ کی بندی دین کی خدمت کے لیے اپنے آپ کو وقف کرنا چاہے اور آپ بھی سمجھتے ہوں کہ اس سے دین کا یہ کام بدرجہا احسن لیا جاسکتا ہے لیکن محض اس لیے اس سے باز رہیں کہ اس وقت آپ کے پاس حق مہر ادا کرنے کی بھی کوئی چیز نہیں ہے تو نکاح کیسے اور کیونکر ہو، ہم نے اس تنگی کو آپ سے اٹھالیا اور ایسی روک آپ کے لیے اٹھائی گئی اگر کوئی عورت اپنا آپ کو پیش کر دے اور آپ پر مالی ذمہ داری نہ ڈالے تو اس کو دینی خدمت کے لیے قبول کر لینا ہی بہتر ہے تا کہ نفس کی حفاظت بھی ہو اور لوگوں کے طعن و تشنیع سے بھی فریقین بچ جائیں اور اصل مدعا بھی پورا ہو جائے۔ رہے وہ لوگ جن کے ذہنوں میں اس دی گئی سہولت سے کسی طرح کی بات نے گزر کیا ہے تو انسانی نفس اس طرح کی باتیں سوچتا اور کرتا ہی رہتا ہے آپ اس کے درپے نہ ہوں بلکہ اُسے دُعا دیں کہ اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے اور اُس سے بخشش طلب کریں وہ یقیناً بخش دینے والا، پیار کرنے والا ہے۔

اس سلسلہ میں نبی اعظم و آخر ﷺ کے لیے مزید احکامات

آپ کی خصوصیات کا ذکر ابھی جاری ہے اور آپ سے ارشاد فرمایا جا رہا ہے کہ ”ان بیویوں میں سے آپ جس کو چاہیں اپنے سے علیحدہ رکھیں اور جس کو چاہیں اپنے پاس رکھیں اور جن کو آپ نے علیحدہ کیا تھا ان میں سے کسی کو اپنے پاس طلب کر لیں تو آپ کے لیے کچھ مضائقہ نہیں ہے“ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کی خصوصیات میں جب یہ امر رکھا کہ امت کے مردوں کے لیے جو قید لگائی گئی تھی کہ ان میں سے کوئی شخص بیک وقت چار سے زیادہ بیویاں نہیں رکھ سکتا تو آپ کو اس قید سے مستثنیٰ قرار دیا کہ آپ جن عورتوں سے دینی

خدمت لینا چاہیں یا جو عورتیں دین کی خدمت کے لیے تیار ہوں وہ شرعی طور پر آپ سے تعلیم سیکھنے کے لیے نکاح کر لیں اور نکاح کے بعد وہ پورے انشراح کے ساتھ تعلیم حاصل کر سکیں گی اور خصوصاً عورتوں کے مسائل آپ سے پوچھ کر ان کو بتا سکیں گی بلاشبہ عورتوں کے زیادہ مسائل ہی ایسے ہیں جو پوشیدہ رکھنے کے ہیں اور پوشیدگی ہی میں پوچھے جاسکتے ہیں اور پوشیدگی ہی میں بتائے جاسکتے ہیں یہاں تک کہ عورتیں عورتوں کے پاس بھی بعض مسائل کھل کر نہیں پوچھ سکتیں بلکہ عورتوں سے پوچھنے کے لیے بھی دوسری عورتوں سے مخفی رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ بھی کہ ایک عورت کسی مرد سے خواہ وہ کتنا ہی صالح انسان کیوں نہ ہو یہاں تک کہ وہ عورت کا حقیقی باپ ہی کیوں نہ ہو وہ اُس سے بات نہیں پوچھ سکتی لیکن خاوند سے کوئی بات پوشیدہ نہیں رہ سکتی لہذا جس طرح خاوند اپنی بیوی کو یا بیوی اپنے خاوند کو تعلیم دے سکتی ہے کسی دوسرے کے لیے ممکن ہی نہیں ہے پھر ایک بات آدمی جب سیکھ لے اور اس کی تعلیم حاصل کر لے تو دوسروں کو تعلیم دے سکتا ہے اور عورتیں ہی صحیح معنوں میں عورتوں کو تعلیم دے سکتی ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے جن عورتوں کو اُس وقت کے حالات کے مطابق اس کام کے لیے انتخاب کیا ظاہر ہے کہ ان سب میں یکساں صلاحیتیں ممکن نہ تھیں اور نہ ہی ہو سکتی تھیں پھر کسی بی بی کے پاس زیادہ مسائل پوچھنے کے لیے عورتیں آتی ہوں گی، کسی کے پاس کم اس لیے کسی کو مسائل پوچھنے کے لیے زیادہ وقت درکار ہوتا تھا اور کسی کو کم اور یہ بھی کہ ان باتوں کو آپ یا آپ کی وہ بیوی جس کو مسائل پوچھنے کی زیادہ ضرورت ہوتی تھی وہی سمجھ سکتی تھی کہ اس کو کتنا وقت درکار ہے ان بہت ساری باتوں کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس بات کی واضح طور پر اجازت دے دی کہ جس بی بی کو آپ ضرورت کے مطابق چاہیں زیادہ وقت دیں اور جس کو چاہیں کم وقت دیں اور جس کو چاہیں طلب کر لیں اور جس کو چاہیں طلب نہ کریں گویا آپ اپنی سہولت اور ضرورت کے پیش نظر جو صورت بھی اختیار کریں گے آپ پر کوئی پابندی نہیں ہوگی اور نہ ہی اس طرح کا طلب کرنا اور طلب نہ کرنا، وقت کم دینا یا زیادہ دینا عدل و انصاف کے خلاف سمجھا جائے گا کیونکہ یہ آپ کی دینی ضرورت تھی جس کے ساتھ نفس کا کوئی تعلق نہیں تھا۔

آپ کے عدل و انصاف کی مثال کسی دوسری جگہ ممکن ہی نہیں
نبی اعظم و آخر ﷺ کی طبع مبارک اتنی عادل تھی کہ اجازت الہی کے باوجود آپ نے

ہمیشہ برابری کا خیال رکھا ہاں! اس اجازت سے وہ خرخش ختم ہو گئی جو اتنے بڑے خاندان میں ممکن تھی کیونکہ بعض ازواج کے پاس اپنے پہلے خاوندوں کی اولاد بھی تھی جو انہوں نے اپنے پاس رکھی ہوئی تھی، بعض کے رشتہ دار زیادہ بعض کے کم، بعض کی مصروفیات کسی طرح کی اور بعض کی کسی طرح کی تھیں اور ان ساری باتوں کا خیال و لحاظ رکھا جانا بھی بہت ضروری تھا پھر اس کے ساتھ ہی وہ حالات بھی تھے جن حالات کے پیش نظر اس طرح کی شادیاں ضروری قرار پائیں ان مصالحوں کے پیش نظر بعض ازواج مطہرات کی طرف قدرتی طور پر زیادہ توجہ دینے کی ضرورت تھی اور یہ بھی کہ یہ سب کے سب نکاح ایک وقت میں نہیں ہوئے تھے کچھ بہت پہلے آئیں اور کچھ بہت بعد میں، کچھ کی تربیت ہو چکی تھی اور بعض کی ابھی ہونا تھی اس طرح کچھ شکوے اور شکایتیں پیدا ہونا ممکن تھا اللہ تعالیٰ نے ان ساری باتوں کا یکبارگی اعلان کر دیا تاکہ اس طرح کی کوئی بات پیدا ہی نہ ہو۔

آپ کی ازواج مطہرات کی دل جوئی کا ذکر

فرمایا ”اس خصوصی اجازت سے پوری توقع ہے کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی اور وہ غمگین نہ ہوں گی اور جو کچھ آپ ان کو دیں گے اس سے سب کی سب خوش رہیں گی۔“ برابری کے متعلق بہت سی باتیں جن کا خیال رکھا جانا ضروری ہے مثلاً ایک بی بی سے آپ نے نکاح کیا جس کے ساتھ تین چار بچے ہیں اور اس کے مقابلہ میں ایک بالکل تنہا ہے، بعض کے ہاں آمد و رفت بہت زیادہ ہے اور بعض کے ہاں بہت کم، کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ انصاف یہ ہے کہ ہر گھر میں ایک جتنی خوراک اور دوسری اشیائے خوردنی پہنچانا لازم ہے بلاشبہ نہ تو یہ عدل ہے اور نہ ہی یہ جائز اور درست ہے بلکہ ہر گھر میں گھر کی ضرورت کے مطابق اشیاء کا پہنچانا عدل ہے لیکن لوگوں کی اکثریت اس کو عدل کے خلاف سمجھتی ہے مثلاً ایک مرد کی تین بیویاں ہیں جس سے اُس نے پہلے شادی کی وہ بالکل تنہا ہے کہ کوئی اولاد اس کے ہاں موجود نہیں دوسری بیوی کے دو بچے ہیں اور سب سے بعد میں آنے والی کے ہاں چھ یا سات بچے ہو چکے ہیں اب گھریلو تقسیم کچھ اس طرح ہو چکی ہے کہ ایک گھر میں صرف ایک آدمی کھانے والا ہے، دوسرے گھر میں تین اور تیسرے میں سات یا آٹھ تو کیا ان سب گھروں میں اگر ایک جیسی خوراک، ایک جیسا کپڑا اور دوسری اشیاء برابر برابر تقسیم کر دیں تو نتیجہ کیا رہے گا؟ سب کو معلوم ہے اور اس تقسیم کو کبھی انصاف اور عدل کی

عدل وانصاف کی تقسیم کیا ہے ذہن میں رکھیں تاکہ ہدایت حاصل ہو

سارے معاملہ کو آپ پر چھوڑ دیا گیا اور آپ نے ہر لحاظ سے ہر طرح کے عدل و انصاف کو پیش نظر رکھا گویا اس آیت سے مقصود آپ کی خانگی زندگی کی الجھنوں کو ختم کرنا تھا تاکہ آپ پورے سکون کے ساتھ اپنا کام کر سکیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی خانگی زندگی کے سارے اختیارات آپ کو دے دیئے تو آپ نے ان اختیارات سے کبھی غلط فائدہ نہ اٹھانا چاہا اور نہ ہی اٹھایا۔ آپ اللہ کے رسول تھے اور آپ کو اسوہ حسنہ قائم کرنا تھا جو آپ نے نبی الواقعہ قائم کر دیا اور ازواجِ مطہرات کے درمیان پورا پورا عدل کیا اور کسی کو بھی کسی پر کبھی ترجیح نہ دی، بخاری اور دوسری کتب احادیث میں وضاحت موجود ہے کہ آپ اگر مدینہ طیبہ میں موجود ہوتے تو اکثر و بیشتر صلوٰۃ عصر کے بعد اپنی ازواجِ مطہرات کے ہاں جاتے اور ہر ایک گھر میں جا کر ضرورت کی اشیاء پہنچاتے اور سب گھروں سے چکر لگانے کے بعد رات وہاں گزارتے جہاں رہنے کی باری مقرر ہوتی۔ اس آیت کے پیش نظر بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اس کے بعد آپ نے باری کا خیال چھوڑ دیا تھا حالانکہ یہ بات بالکل صحیح نہیں ہے اور نہ ہی آیت کا یہ مطلب ہے اور پھر باری اور دوسری باتوں میں عدل و انصاف کی وضاحت بخاری، مسلم، نسائی، ابوداؤد وغیرہ میں تفصیل سے بیان ہوئی ہیں اور کہیں ایک بات بھی انصاف کے خلاف نہیں پائی گئی۔ جس نے لکھا اور جس نے کہا ایک فرضی بات تھی جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ زیر نظر آیت میں جو کچھ بیان ہوا محض عظیم مصالح کی خاطر ہوا چونکہ آپ کی بیویوں کی تعداد بیک وقت چار سے زائد تھی اور یہ آپ کی خصوصیت رکھی گئی تھی تو اس کے پیش نظر اس خصوصیت کا اعلان بھی ضروری تھا چنانچہ وہ کر دیا گیا بلاشبہ اس اعلانِ خداوندی نے آپ کی بہت سی الجھنیں ختم کر دی تھیں اور جس بی بی کا جو مقام تھا اُس کے مطابق اُس کے مقام کی حفاظت کی گئی اور ان میں سے جس کی جو ضرورت تھی اُس کو پورا کیا گیا اور بیویوں کی آنکھوں کی ٹھنڈک بھی اسی میں تھی کہ ان میں جو جس کام کو بخشن خوبی کر سکتی تھی اُس سے وہی کام لیا گیا اور آپ نے جو کچھ جس کو دیا وہ اس چیز کو لے کر راضی ہوئی اور آپ کی کسی بی بی کو کبھی کوئی اعتراض آپ پر نہ ہوا اور نہ ہی آپ نے کسی کو اس طرح کا کوئی موقع فراہم ہونے دیا۔

فرمایا ”جو کچھ تمہارے دل میں ہے اللہ اس سے بخوبی واقف ہے اور اللہ بڑا جاننے والا، بہت ہی بردبار ہے“ زیر نظر آیت کے اس نکلنے نے اُس وقت جن لوگوں کے دلوں میں جو جو کانٹے چبھ رہے تھے سب کا ازالہ کر دیا اور اس طرح قیامت تک کے لیے جن جن لوگوں کے دلوں میں کسی طرح کا روگ پیدا ہو سکتا تھا اُس کا علاج کر دیا گیا کہ کسی انسان کے دل میں کیا کیا بات اس حکم سے پیدا ہو سکتی ہے اللہ اس سے بخوبی واقف ہے اور اللہ تعالیٰ سے کوئی بات بھی پوشیدہ نہیں رکھی جاسکتی اور اللہ تعالیٰ نے جس کام کو کرنا ہوتا ہے وہ محض اس لیے کہ لوگ کیا نہیں گے چھوڑ نہیں دیتا بلکہ وہی ہو کر رہتا ہے جو امر الہی میں طے ہے۔ اس طرح زیر نظر حکم ایک طرح کی تنبیہ ہے کہ اللہ کا یہ حکم آ جانے کے بعد اگر وہ دل میں کبیدہ خاطر ہوں گی تو گرفتِ خداوندی سے نہ بچ سکیں گی اور دوسرے لوگوں کے لیے اس میں یہ تنبیہ ہے کہ آپ کی ازدواجی زندگی کے متعلق کسی طرح کی بدگمانی اگر انہوں نے اپنے دل میں رکھی تو اللہ تعالیٰ سے ان کی یہ چوری چھپی نہ رہے گی اللہ تعالیٰ تو وہ ذات ہے کہ انسان کے سارے حالات سے وہ ہر وقت آگاہ ہے اور وہ جانتا ہے کہ فلاں جو بات کہہ رہا ہے اُس کے دل کی گہرائیوں میں کیا کچھ چھپا ہے اور وہ بہت بردبار ہے کہ سب کچھ جاننے کے باوجود حلم سے کام لیتا ہے اور جب تک وہ کوئی عملی اقدام نہیں کرتا اُس کو عذاب دینے سے گریز ہی کرتا ہے۔

اس کے بعد آزاد عورتوں میں سے آپ کی کو اپنی زوجیت میں نہیں لے سکتے

زیر نظر آیت سورہ الاحزاب میں امہات المؤمنین کے ذکر کی مناسبت کی وجہ سے بیان کی گئی ہے حالانکہ اس کا نزول یقیناً فتح مکہ کے بعد کا ہے کیونکہ سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح آپ نے عمرہ ادا کرنے کے موقع پر کیا اور یہ نکاح گویا ذیقعدہ ۷ھ میں ہوا اور زیر نظر آیت یقیناً اس کے بعد نازل ہوئی جس میں آپ کو حکم دیا گیا کہ جن آزاد عورتوں سے آپ نے نکاح کر لیا بس کر لیا اب آپ کسی آزاد عورت سے نکاح نہیں کر سکتے اور نہ ہی ایسا ہو سکتا ہے کہ کسی بیوی کو طلاق دے کر اس کی جگہ کسی دوسری بیوی کو لا سکتے ہیں اور نہ ہی یہ کہ پہلی بیویوں میں سے کوئی اگر وفات پا جائے تو اس کی جگہ کسی اور سے نکاح کر سکتے ہیں گویا کسی طریقہ سے نہ تو نئی شادی آپ کر سکتے ہیں اور نہ ہی کسی ایک عورت کی جگہ کوئی نئی آزاد

عورت لاسکتے ہیں۔

مذکورہ پابندی سے ملک یمن کو مستثنیٰ رکھا گیا

رہی وہ عورتیں جو ملک یمن کی صورت میں آ جاتی ہیں تو اس سلسلہ میں اجازت کو بحال رکھا کہ ان میں سے کوئی صالح عورت موجود ہو جس کو آپ بھی زوجیت میں لینا چاہیں اور وہ بھی زوجیت میں آنا چاہے تو وہ قبول کی جاسکتی ہے کیونکہ حالات میں اس کی گنجائش رکھنا ضروری تھا لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ مملوکہ عورت سے نکاح کی ضرورت نہیں ہوتی جیسا کہ عام طور پر سمجھ لیا گیا ہے ہمیں افسوس ہے کہ مولانا مودودی جیسے زیرک لوگوں نے بھی اس معاملہ میں غور کرنے کی ضرورت نہ سمجھی اور آنکھیں بند کر کے تقلید کرنے پر مجبور ہو گئے چنانچہ اس جگہ وہ رقم طراز ہیں کہ ”یہ آیت اس بات کی صراحت کر رہی ہے کہ منکوحہ بیویوں کے علاوہ مملوکہ عورتوں سے بھی تمتع کی اجازت ہے“ حالانکہ اس جگہ اس طرح کی کوئی چیز بیان نہیں کی گئی بلکہ یہ آیت بھی وضاحت پیش کر رہی ہے کہ آپ اس کے بعد کسی آزاد عورت سے نکاح نہیں کر سکتے مگر ہاں! مملوکہ میسر آئے اور اس سے آپ نکاح کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں کیونکہ استثناء نکاح میں ہے اور اس کی تفصیل میں نے تفسیر عروۃ الوثقیٰ کی تیسری جلد سورہ النساء کی تیسری آیت میں کر دی ہے وہاں سے ملاحظہ فرمائیں۔

امہات المؤمنین میں سے 9 کا تعلق قریش کے خاندان سے ہے یعنی سیدہ خدیجہ الکبریٰؓ، سیدہ سوڈہؓ، سیدہ عائشہؓ، سیدہ حفصہؓ، سیدہ زینب بنت خزیمہؓ، سیدہ زینب بنت جحشؓ، سیدہ ام حبیبہؓ، سیدہ ام سلمہؓ، سیدہ میمونہؓ، اور چار کا تعلق خاندان قریش سے نہیں تھا یعنی سیدہ جویریہؓ، سیدہ صفیہؓ، سیدہ ماریہ قبطیہؓ، سیدہ ربیعہؓ، سیدہ ریحانہؓ، سیدہ زینب بنت جحشؓ، سیدہ ام حبیبہؓ، سیدہ ام سلمہؓ، سیدہ میمونہؓ، اور چار کا تعلق خاندان قریش سے نہیں تھا۔ امہات المؤمنین کی فضیلت قرآن کریم میں بیان کی گئی ہے اور اس سلسلہ میں احادیث بھی بہت بیان کی گئی ہیں لیکن قرآن کریم میں جن فضیلتوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ہم اس جگہ انہیں پر اکتفا کریں گے کیونکہ قرآن کریم ہی کا ذکر اس جگہ کیا جا رہا ہے۔ ۱۔ پہلی فضیلت قرآن کریم نے یہ بیان کی ہے کہ ان سب کو ازواج النبی کے خطاب عالی سے نوازا گیا ہے۔ جس سے ان کی اہمیت دوسری ایمان والیوں پر قائم ہو سکتی ہے۔ ۲۔ دوسری فضیلت یہ ہے کہ فرمایا یس کا حد من النساء (۳۳:۳۳) ”تم اور عورتوں جیسی نہیں ہو“ ۳۔ تیسری فضیلت یہ قرآن کریم نے بیان کی انا احللنا لک ازواجکم (۵۰:۳۳) ”ہم نے

تیری ازواج کو تیرے لیے حلال رکھا“ گویا مطلب یہ ہے کہ تیری زوجیت میں جو حلال ہو گئی ہیں وہ کسی اور کی زوجیت کے لیے حلال نہ رہیں۔ ۴۔ چوتھی فضیلت میں فرمایا کہ کوئی عورت اگر اپنا آپ ہبہ کر دے اور آپ چاہیں تو اس کے ہبہ کو قبول کرتے ہوئے اس سے نکاح کر لیں۔ ۵۔ پانچویں فضیلت یہ ہوئی آپ جس کو چاہیں وقت زیادہ دیں اور جسے چاہیں کم، گویا یہ بھی آپ پر منحصر ہے کہ حالات کی نزاکت کے مطابق جیسے آپ چاہیں۔ ۶۔ ازواج النبی ﷺ کے لیے ایک طرف دنیا اور زینت دنیا اور دوسری طرف اللہ، اس کا رسول اور آخرت پیش کی گئی تو انہوں نے دنیا اور اس کی زینت کے مقابلہ میں اللہ، اس کے رسول اور آخرت کو پسند کیا تو اعلان الہی ہوا کہ تم سب کے لیے دو گنا اجر عطا کیا جائے گا۔ (۳۱:۳۳) ۷۔ ساتویں فضیلت وا ذکرن ما بتلی فی بیوتکن من ایتہ اللہ والحقمہ (۳۳:۳۳) ”تمہارے گھروں میں اللہ تعالیٰ کی آیتوں اور حکمت الہیہ کی جو تلاوت کی جاتی ہے تو اس کا ذکر کرتی رہو۔“ ۸۔ آٹھویں فضیلت و بطہرکم تطہیرا (۳۳:۳۳) ”تم کو بالکل پاک بنادیا، پاک بنانا“ ۹۔ نویں فضیلت و ازواجہ امہاتہم (۶:۳۳) ”اور نبی کی ازواج مومنوں کی مائیں ہیں۔“ اور اس لقب سے ان کو امہات المؤمنین کہا جاتا ہے۔

امہات المؤمنین کے ساتھ آپ کا حسن سلوک ایک مثالی حسن سلوک تھا۔ آپ نے ارشاد فرمایا خیر کم خیر کم باہلہ وانا خیر کم باہلی سب انسانوں میں سے اچھا انسان وہ ہے جو اپنی بیوی کے ساتھ اچھا ہے اور میں تم سب سے بڑھ کر اپنی بیویوں کے ساتھ اچھا ہوں اور بیویوں کے ساتھ ہی اولاد بھی شامل ہے وہ اولاد چھوٹی ہو یا بڑی۔ آپ نے ہر ایک شوہر کے لیے ضروری قرار دیا ہے کہ وہ اپنی اہلیہ کے ساتھ خوش مزاج ہو آپ کا معمول یہ تھا کہ جب گھر میں داخل ہوتے تو السلام علیکم خود فرمایا کرتے اور رات کے وقت جاتے تو سلام ایسی آہستگی سے فرماتے کہ بیوی جاگتی ہو تو سن لے اور سو گئی ہو تو جاگ نہ جائے۔ کھانے پینے، مکان اور گزارہ اور ملاقات میں ہر ایک کے ساتھ برابری کرتے اور عصر کے بعد ایک بار اپنے سارے گھروں میں چکر لگاتے اور ان کی ضرورت معلوم کرتے اور رات صرف اسی جگہ گزارتے جہاں کی باری ہوتی۔ اگر کسی طرح کی کوئی مجبوری اس سلسلہ میں لاحق ہوتی تو سب پر واضح کرتے۔ ہر ایک گھر کی ضرورت کو پورا کرتے، دنیا کا

مال اکٹھا کرنے کا نہ آپ کو شوق تھا اور نہ ہی ازواج کو ایسا کرنے دیتے۔ ہر لحاظ سے بالکل سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ اللہم صل علی محمد وعلی ال محمد کما صلیت علی ابراہیم وعلی ال ابراہیم انک حمید مجید۔

نبی اعظم وآلہٖ وسلم کے گھروں میں بھی اجازت لے کر داخل ہونے کا حکم

عربوں میں رواج تھا کہ ایک دوسرے کے گھر جانے کی ضرورت پیش آتی تو بغیر اجازت اندر چلے جاتے کسی شخص کو کسی دوسرے سے ملنا ہوتا تو وہ بے دھڑک اُس کے گھر میں داخل ہو جاتا اور دروازہ پر کھڑے ہو کر پکارنے اور اجازت لینے دینے کی عادت نہ تھی اور بد قسمتی سے ہمارے دیہاتوں میں آج تک ایسا ہی ہوتا چلا آ رہا ہے۔ نبی اعظم وآلہٖ وسلم مہمان نواز بھی بہت تھے اور ہجرت سے پہلے بھی قریش مکہ کی اکثر دعوت کرتے رہتے اور ہجرت کے بعد بھی آپ نے یہ معمول جاری رکھا اور جب دعوت عام ہوتی تو اُس وقت مسلم وغیر مسلم کا فرق بھی نہ فرماتے سب کی دعوت کر دیتے۔ قومی رواج کے مطابق لوگ دعوت کھانے کے لیے جاتے تو کھانا تیار ہونے سے بہت پہلے چلے جاتے اور اگر کھانے کے وقت حاضر ہوتے تو کھانا کھا چکنے کے بعد ادھر ادھر کی باتوں میں مصروف ہو جاتے، یہ عادت بہت بری تھی لیکن نبی اعظم وآلہٖ وسلم اخلاقاً خاموش رہتے کہ گھر آنے والوں کو یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ جب تم نے کھانا کھالیا تو مہربانی فرما کر تشریف لے جائیں۔ جگہ کی بھی قلت تھی، آپ ہر طرح کی تکلیف برداشت کرتے لیکن زبان سے کچھ نہ کہتے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم دیا جا رہا ہے کہ ”اے مسلمانو! تم نبی کریم ﷺ کے گھروں میں بغیر اجازت داخل نہ ہوا کرو مگر ہاں! جب تم کو کھانے کے لیے دعوت دی جائے اور کھانا تیار نہ ہوا ہو تو بھی کھانا پکینے کے انتظار میں وہاں جا کر مت بیٹھا کرو اور اسی طرح یہ بھی کہ جب تم کھانا کھا چکو تو کھانا کھانے کے بعد وہاں مت بیٹھ رہا کرو اور ادھر ادھر کی باتوں میں دل لگائے نہ بیٹھے رہا کرو“ مطلب یہ ہے کہ اگر تمہاری دعوت کی گئی ہے تو بھی کھانا کھانے کے لیے اُس وقت تک اندر مت جاؤ جب تک تم کو اندر آنے کی دوبارہ دعوت نہ دی جائے اور اگر تم کو اندر بلا لیا گیا اور تم کھانا کھا چکے تو کھانا کھانے کے بعد بھی اس جگہ مت بیٹھ رہا کرو کہ وہاں چار یاری لگا کر ادھر ادھر کی باتیں شروع کر دو۔ یاد رکھو کہ تمہارے اس طرح کے عمل سے نبی کریم ﷺ اور آپ کے گھر والوں کو بہت دکھ پہنچتا ہے لیکن نبی کریم ﷺ تم سے شرم کے

مارے یہ نہیں کہتے کہ اب کھانا کھا چکے لہذا مہربانی فرما کر تشریف لے جائیں۔ اس لیے کہ یہ بات معاشرہ میں بعید از قیاس سمجھی جاتی ہے۔ نبی کریم ﷺ تو اخلاقاً خاموش ہیں اور اپنی تکلیف کا ذکر نہیں کرتے اللہ تم کو اس کا حکم دے رہا ہے کہ تم اس طرح نبی کریم ﷺ کی تکلیف کا باعث مت بنو اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی پابندی کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ حق بات کے کہنے سے ہرگز نہیں شرماتا اس لیے تم کو دو ٹوک کہا جا رہا ہے کہ تم لوگ ایسی حرکتوں سے باز آ جاؤ۔

دوسرا حکم جس کو حجاب کے نام سے موسوم کیا گیا ہے مسلمانوں کے نام

دوسرا حکم آیت ۵۳ میں یہ دیا جا رہا ہے کہ تم لوگوں کو اگر امہات المؤمنین سے کوئی بات پوچھنا ہو یا کوئی فائدہ کی چیز لینا ہو یا اس طرح کا کوئی دوسرا کام ہو تو بھی کھلے منہ بغیر اجازت طلب کیے اندر مت داخل ہو جایا کرو، کوئی سوال کرنا ہو تو پردہ میں رہ کر یا آڑ میں کھڑے ہو کر کرو اور انتظار کرو کہ اندر سے کیا جواب آتا ہے، ایسا کرنا ہی تمہارے دلوں اور ان امہات المؤمنین کے دلوں کی طہارت ہے اور پاکیزگی بھی اسی میں ہے کہ ردِ دروخواہ محوہ بحث و تہیص نہ شروع کر دی جائے بلکہ ضرورت کی بات پوچھی جائے اور امہات المؤمنین واضح اور بین جواب اُن کو سنا دیں بات کو خواہ مخواہ لبسانہ کیا جائے۔ تمہارے لیے یہ جائز نہیں کہ تم خواہ مخواہ رسول اللہ ﷺ کے لیے تکلیف کا باعث بنو اور یہ حکم جو دیا جا رہا ہے عام ہے آپ کی موجودگی میں بھی اور عدم موجودگی میں بھی۔

تیسرا حکم بھی حجاب سے متعلق ہے کہ مسلمانوں کو اب کیا کرنا ضروری ہے

تیسرا حکم مسلمانوں کو یہ دیا جا رہا ہے کہ تم لوگ امہات المؤمنین میں سے کسی کے ساتھ بھی نکاح نہ کرو یہ حکم گویا آپ کی وفات کے بعد تک جاری و ساری رہے گا اور کسی مردِ مومن کے لیے یہ جائز نہیں ہوگا کہ آپ کے حرم میں ناجائز دخل اندازی کرے۔ ازواجِ مطہرات مسلمانوں کی گویا مائیں ہیں اور ماں کے حقوق ان کو ادا کرنا ضروری ہیں۔ یہ گویا نبی اعظم و آلہٖ وسلم کی خصوصیت ہے کہ آپ کی بیویوں میں سے کسی ایک بیوی سے بھی کوئی شخص نکاح نہیں کر سکتا کہ اس طرح ماں کا احترام باقی نہیں رہتا۔ اس روحانی مقام کی حفاظت کے لیے ضروری ہے کہ تم میں سے کوئی شخص ان عورتوں میں سے جو نبی کریم ﷺ کے حوالہ عقد میں آ چکی ہیں نکاح نہیں کر سکتا اور یہ حکم امہات المؤمنین کی زندگیوں تک قائم رہے گا۔

غور کرو کہ جب کوئی مسلمان اس بات کا حق نہیں رکھتا کہ وہ امہات المؤمنین میں سے

کسی کے ساتھ نکاح کرے تو کوئی شخص یہ کیسے کہہ سکتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات میں سے کسی کو طلاق دے دے افسوس کہ اتنی تاکید کے بعد بھی بعض مسلمان کہلانے والے فرقے کس طرح کی بیوقوفی اور کم عقلی کی باتیں کر جاتے ہیں اور پھر ان کی باتیں ان کے فرقے کے لوگ آنکھیں بند کر کے ماننے لگتے ہیں۔ ستیاناس اس گروہ بندی کا کہ اس نے کس قدر لوگوں کو اندھا کر دیا ہے کہ ایک شیعہ ہو کر اس بات کا انکار کیوں کرے گا کہ حضرت علیؓ کو نبی کریم نے وصیت کی تھی کہ تم میری وفات کے بعد میری بیویوں میں سے جس کو چاہو طلاق دے دو تو آپ کی وفات کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو طلاق دے دی تھی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اس سبائی گروہ نے ہر وہ بات کہی جس کا کوئی سر پیر نہیں تھا اور اسلام کو اس طرح بدنام کیا کہ اسلام کو اسلام ہی نہ رہنے دیا بلکہ اس کو ایک فقہ کا مذہب بنا کر رکھ دیا۔ یہ بات ضمناً عرض کر دی گئی ہے اگرچہ اس کا تعلق مضمون سے نہ ہے۔

فرمایا تم لوگوں نے تو یہ بات معمولی سمجھ رکھی ہے کہ نبی کریم ﷺ کو روحانی دکھ پہنچا کر بھی تم مسلمان رہ سکتے ہو لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایسی بات کرنا ایک نہایت حد تک برا فعل اور بُری تفہیم ہے اگر ایمان کی حفاظت چاہتے ہو تو ان باتوں سے باز آ جاؤ ورنہ تمہارے ایمان کا جنازہ نکل جائے گا۔

تم ایک چیز کو چھپا دیا ظاہر کرو اللہ تعالیٰ تو ہر حال میں جاننے والا ہے روحانی بیماریاں جسمانی بیماریوں سے زیادہ مہلک اور خطرناک ہوتی ہیں لیکن جسمانی بیماریوں کا پتہ چل جاتا ہے اور روحانی بیماریوں کا پتہ ہی نہیں چلتا اور اسی طرح ان کا علاج بھی نہایت مشکل ہوتا ہے۔ جو لوگ دل کے اندر بات کو چھپائے رکھنے کے عادی ہوتے ہیں بلاشبہ وہ روحانی بیمار ہوتے ہیں، فرمایا: ایک چیز کو تم ظاہر کرو یا چھپا کر رکھو اللہ کے نزدیک تو دونوں صورتوں میں کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ وہ ہر ایک بات کو اور ہر ایک چیز کو یکساں جانتا اور ایک ہی طرح سے علم رکھتا ہے اگر تم نبی کریم ﷺ کے ساتھ یا آپ کی ازواج مطہرات کے ساتھ یا اہل بیت اور اہل کساء کے ساتھ کسی سے بھی کسی طرح کا بغض دل میں چھپاؤ گے تو اس طرح تم نبی کریم ﷺ، آپ کی ازواج مطہرات یا اہل بیت و اہل کساء کا کچھ نہیں بگاڑو گے بلکہ جو کچھ نقصان ہو گا وہ تمہارا اپنا ہی ہو گا۔

انسانی معاشرتی زندگی کا فیصلہ وہی بہتر ہے جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے قرآن کریم نے انسان کی معاشرتی زندگی کی جس طرح حفاظت کرنا چاہی ہے اس سے زیادہ بہتر زندگی کا متعلق سوچا ہی نہیں جاسکتا اس لیے کہ اللہ رب کریم نے انسان کو پیدا کیا ہے وہ زیادہ بہتر جانتا ہے کہ انسان کا فائدہ کس میں ہے اور کتنا ہے؟ ہم نے دیکھا لیا کہ ان اختراعی پابندیوں نے ہماری معاشرتی زندگی کو بہت نقصان پہنچایا اور آج ہم اس دنیا میں بھی بہت پیچھے رہ گئے اور آخرت بھی جو اسی زندگی کا پر تو ہے اور حدود سے تجاوز کا کبھی بھی صحیح نتیجہ نہیں نکل سکتا۔

پردہ کے معاملہ میں آپ کی اور آپ کے اہل خانہ کی خصوصیات کو آپ نے دیکھ لیا، سن لیا، پڑھ لیا اب ایک بار موضوع عام انسانوں کی طرف پھیرا جا رہا ہے تاکہ من حیث القوم نبی کریم ﷺ، آپ کے اہل خانہ یعنی اہل بیت اور دوسرے تمام مسلمان اپنے گھروں کی اصلاح کے لیے اپنی اپنی خواتین کو بات سمجھاسکیں اور تمام خواتین اسلام اپنی شخصیتوں کی خود بھی حفاظت کریں جہاں تک ممکن ہو سکے اور قوم یہ بھی سمجھ لے کہ نبی کریم ﷺ کی بیٹی ایک نہیں بلکہ ایک سے زیادہ یعنی چار تھیں اور اس پر بشمول شیعوں کے تمام مکاتب فکر کی تاریخی شہادتیں اور روایات بکثرت موجود ہیں۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ ۚ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَنْ يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ۚ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ٥

”آپ اپنی ازواج اور اپنی بیٹیوں (رضی اللہ عنہن) سے اور مسلمانوں کی (ساری) عورتوں سے فرما دیجئے کہ وہ اپنی چادروں کو اپنے اوپر اوڑھ لیا کریں اس سے وہ جلد پہچان لی جائیں گی (کہ یہ مسلمانوں کی عورتیں ہیں) پھر ان کو کوئی نہ ستائے گا اور اللہ بہت بخشنے والا اور بہت ہی پیار کرنے والا ہے“ (۵۹:۳۳)

مذکورہ آیت کا مضمون وہی ہے جو (۳۰:۲۳) کا ہے سورہ المؤمنون کی آیت ۳۱ میں جو الفاظ قرآن کریم نے ذکر فرمائے وہ ہیں ولبعضہن بخمرهن علی حیوبهن ولا یبدین ذینھن (مسلم خواتین) اپنی اوڑھنیاں اپنے سینہ پر ڈال رہا کریں اور اپنی زیبائش کو ظاہر نہ کریں (جب گھروں سے باہر جائیں) اور اس جگہ سورہ الاحزاب کی آیت ۵۹ میں فرمایا ہے ”يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ“ وہ

اپنی بڑی چادروں یعنی برقع نما چیزوں کو اپنے اور پرپہن لیا کریں۔ گویا وہاں ”بخمروہن“ کو اس جگہ ”جلا بیہن“ سے بدل دیا ہے جب کہ اہل زبان کے نزدیک جلباب اور خمار میں کوئی خاص فرق نہیں تھا اگر تھا تو صرف اتنا کہ جلباب خمار سے بھی محفوظ چیز کو کہا جاتا تھا اور خمار کو سر کی طرف سے لاکر سینہ پر ایک خاص طریقہ سے دوہرا کیا جاتا تھا تا کہ سینہ کا بھار مزید کم ہو جائے اور جو قمیص کو تقویت دے اور جلباب یعنی برقع اتنی بڑی چیز ہے کہ وہ پورے بدن کو ڈھانک کر سینہ کے ابھار کو بالکل معدوم کر دے اور شناخت ہو جائے کہ جو عورتیں اپنی زیب و زینت ظاہری اور باطنی کی اتنی حفاظت کر رہی ہیں یہ مسلم خواتین ہیں۔ جس کا مطلب یہ بھی لیا جاسکتا ہے کہ دوسری خواتین عام سے مسلم خواتین کی پہچان ضروری ہے اور وہ اپنی پہچان کو قائم رکھیں جب تک ضرورت محسوس کریں۔

یقیناً اس ضرورت کے تحت گذشتہ زمانہ میں کوئی ایسا وقت آیا ہوگا جس میں علمائے کرام نے مسلم خاتون کو اس طرح چادر میں ملبوس ہونے کا کہا ہوگا۔ تحریر کیا ہوگا، بتایا ہوگا کہ وہ اپنا تمام جسم بشمول چہرہ اور ہاتھوں کے اس طرح چھپائے کہ صرف ایک آنکھ رستہ دیکھنے کے لیے کھلی رکھے اور اس طرح کے فتوے صادر کیے ہوں گے کہ عورت نماز جیسی عبادت کی پابندی کے لیے بھی گھر سے نہ نکلے اور گھر کے اندر بھی کسی آخری کوٹھڑی میں نماز ادا کرے اور شادی تک باپ کے گھر کے اندر رہ کر پرورش پائے اور شادی کے بعد جس گھر میں اُس کا داخلہ ہوا ہے اُس گھر سے اس کے جنازہ کے سوا کبھی وہ باہر نہ آئے۔

ہم ہرگز ہرگز یہ بات نہیں کہتے کہ اس طرح کے فتوے نہیں دیئے گئے، یقیناً دیئے گئے لیکن اس طرح کے فتوے دینے والوں نے وقت کی نزاکت کے پیش نظر ایسا کیا کہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔ ہمارا موقف صرف یہ ہے کہ اس طرح کے فتویٰ دینے والے وقت کے علمائے کرام تھے لیکن اس طرح کی کوئی بات کتاب و سنت میں نہ تھی اگر کتاب و سنت میں اس طرح کی کوئی بات ہوتی تو ان کے فتوے صادر کرنے کی ضرورت کیا تھی؟ وہ سیدھے طریقہ سے کتاب و سنت کا کوئی حکم پیش کرتے استدلال کی ضرورت ہی اُس وقت پیش آتی ہے جب کوئی چیز اصل میں موجود نہ ہو اگر اصل میں کوئی وضاحت موجود ہو تو استدلال کی ضرورت پیش نہیں آتی اور نہ ہی کوئی اصل کی موجودگی میں استدلال پیش کرتا

اسی طرح ہم یہ بھی زور دے کر کہتے ہیں کہ جن کاموں کے کرنے کا نبی کریم ﷺ نے اپنے دور مقدس میں عورت کو حکم دیا ہے اس حکم کو کسی بھی بڑے سے بڑے عالم کا فتویٰ منسوخ نہیں کر سکتا اور نہ کسی کو اس بات کا حق ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے حکم کو حالاتِ زمانہ کی نزاکت کے پیش نظر بدل سکتا ہے خواہ وہ کون ہو، کہاں ہو اور کیسا ہو۔ عورتوں کے پانچوں وقت نمازوں میں شریک ہونے، وعظ و درس سننے اور سنانے، عید گاہ میں مسلمانوں کی دعاؤں میں شریک ہونے کا حکم عام موجود ہے۔ اور جن روایات میں یہ احکام دیئے گئے ہیں وہ روایات محدثین کے اصولوں کے مطابق صحیح تسلیم کی جاتی ہیں جو بخاری و مسلم میں آج بھی دیکھی جاسکتی ہیں اس لیے ہم بات پر زور دے رہے ہیں کہ:

”ایسے فتادی دینے والے انسان تھے انہوں نے اپنے وقت میں جب اس طرح کے فتوے صادر فرمائے اُن کو کیا معلوم تھا کہ ایسا وقت بھی آنے والا ہے کہ اس طرح کی تمام پابندیاں جو غیر فطری ہم لگا رہے ہیں ایک ایک کر کے خود بخود ڈھنسی چلی جائیں گی اور اس ساتویں کوٹھڑی میں جس میں ہم مسلم خاتون کو بند کر رہے ہیں اگر وہ چاہے گی تو سات سمندروں پار بھی وہ ان آنکھوں سے دیکھ کر پیغام پہنچا سکے گی اور پیغام سن سکے گی اور اپنے محرم رشتوں کے بالکل ساتھ بیٹھ کر جس سے چاہے گی بات کرے گی اور کوئی اس کو روک بھی نہیں سکے گا، کیوں؟ اس لیے کہ اس کے ساتھ رہنے والا اُس کا محرم یہ جان ہی نہیں سکے گا کہ یہ بات کس سے اور کہاں ہو رہی ہے۔“

کتاب و سنت میں جو کچھ کہا گیا اُس سے انسان کی اس طرح تربیت ہو سکتی ہے کہ اس کی شخصیت بھی بحال رہتی ہے اس پر کوئی ناجائز پابندی بھی نہیں لگانا پڑتی نیز اس کو گھر سے باہر جانے سے بھی قطعاً نہیں روکا جاسکتا بلکہ اس کو محض آداب سکھائے جاتے ہیں جو صالح دل اُس کو یقیناً قبول کرتے ہیں اور آج بھی اس کی مثالیں ہم اپنی زندگی میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ ہم دُعا ہی کر سکتے ہیں کہ اللہ رب کریم ہم سب کو وہ سمجھ عطا فرما دے جس میں افراط و تفریط اور کسی طرح کا غلو نہ ہو اور نہ حقیقت سے انحراف ہو، اللہ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔

عورتوں کی تعداد مردوں کے مقابلے میں

فی زمانہ اپنے ملک پاکستان یا دوسرے تمام اسلامی ممالک کا آبادی کے لحاظ سے تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ تمام اسلامی ممالک میں عورتوں کی تعداد مردوں کے مقابلہ میں بڑھ رہی ہے اور صورت حال یہی رہی تو مزید بڑھے گی۔ اس کی وجوہ کیا ہیں؟ اس وقت ہمارا یہ موضوع نہیں، اس لیے اس بحث کو ہم نہیں چھیڑنا چاہتے۔ اگر عورتوں کو مردوں کے برابر بھی تصور کر لیا جائے تو یہ بات واضح طور پر کہی جاسکتی ہے کہ عورتیں معاشرے کا آدھا حصہ ہیں لیکن عورتیں جس طرح شوہروں اور اپنی اپنی اولاد پر اثر انداز ہوتی ہیں اس حقیقت کو پیش نظر رکھا جائے تو عورتوں کا دائرہ کار مردوں کے مقابلہ میں بہر حال زیادہ ہے۔ پھر جس طرح ان کا دائرہ کار وسیع ہے ان کی تعلیم و تربیت کا بندوبست بھی وسیع ہونا چاہیے۔

عورتوں کی تعلیم و تربیت پر اضطراب

نہایت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ عورتوں کی تعلیم و تربیت کا نام آتے ہی بعض لوگوں کے تہور بدل جاتے ہیں اور عورتوں کی تعلیم و تربیت کا نام سنتے ہی ”عورتوں کی تعلیم بہت ضروری ہے“، کہنے والوں پر اپنا فتویٰ داغ دیتے ہیں کہ یہ ”روشن خیال“ ہیں اور روشن خیال ہونا گویا اس وقت کی تمام گالیوں میں بڑی گالی ہے اور تمام عیبوں میں بڑا عیب ہے۔

روشن خیالی کا الزام آخر کیوں؟

تعجب ہے کہ یہ ”روشن خیالی“ کا الزام تو چند سالوں سے معرض وجود میں آیا ہے اور یہ بات گذشتہ زمانہ سے مشہور و معروف چلی آ رہی ہے کہ ”وہ مرد جو غیر معمولی کارکردگی دکھا گئے ہیں ان کی اس کارکردگی کا اصل سہرا خواتین ہی کے سر بندھا نظر آتا ہے۔“ ایسا کہنے والوں نے برملا کہا ہے کہ ”ہر بڑے آدمی کی پشت پر ایک خاتون کا ہاتھ ہوتا ہے۔“

عورتوں کی تعلیم کا مسئلہ مدت سے اختلافی ہے

اگر یہ دونوں ہی باتیں گذشتہ زمانہ سے ہوتی چلی آ رہی ہیں تو پھر اس حقیقت کو بھی

تسلیم کر لینا چاہیے کہ عورتوں کی تعلیم و تربیت کا مسئلہ آج کل کی روشن خیالی کا مسئلہ نہیں بلکہ یہ دونوں نظریات گذشتہ زمانہ سے چلے آ رہے ہیں اور عورتوں کے متعلق ہر زمانہ میں لوگ دو فرقوں میں تقسیم ہوتے چلے آ رہے ہیں۔ ایک فریق عورت کا حمایتی اور اُس کے متعلق حسن ظن رکھنے والا ہے تو دوسرا فریق عورت کا دشمن اور اس کے خلاف بولتا چلا آ رہا ہے۔ ایک فریق عورت کو ماں سمجھنے کے ساتھ اُس کو ایک مدرسہ بھی تصور کرتا ہے کہ ماں ایک ایسا مدرسہ ہے جس کی جڑیں بہت گہری اور مضبوط ہوتی ہیں اور ان ہی مدرسوں سے ایک اچھا معاشرہ جنم لیتا ہے۔

قدیم شاعروں کی شاعری سے بھی دونوں قسم کے شعر ملتے ہیں وہ بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ:

ان النساء رباحین خلقن لنا وکلنا یشتهی شم الریاحین
”عورتیں ریحان کے پھول ہیں جو ہمارے لیے پیدا کی گئی ہیں اور ہم میں سے ہر ایک خواہ کون ہو ریحان کے پھولوں کو سونگھنا چاہتا ہے۔“

دوسری قسم ان شاعروں کی ہے جو عورت کے متعلق کہتے ہیں کہ:

ان النساء شیاطین خلقن لنا نعوذ باللہ من شر الشیاطین
”عورتیں شیاطین ہیں جو ہمارے لیے پیدا کی گئی ہیں، اللہ کی پناہ ان شیاطین کے شر سے۔“

یہ مرض آج کا نہیں پرانا ہے

جو بات تسلیم کرنے کے قابل ہو اس کو تسلیم کر لینا چاہیے اور وہ یہی ہے کہ بہت پرانے زمانہ سے دونوں طرح کے لوگ چلے آ رہے ہیں ایک فریق وہ ہے جو عورت کی تعریف میں رطب لسان ہے اور نہایت ہی اچھے طریقے سے عورت کا تذکرہ کرتا ہے۔ خاندان اور معاشرہ میں اس کے فضائل اور اس کی قابل فخر باتوں کا بیان کرتا نظر آتا ہے لیکن اس کے ساتھ ہی ایک دوسرا گردہ بھی چلا آ رہا ہے جو عورت کو نہایت تاریک نظر سے دیکھتا ہے اور کہتا ہے کہ روئے زمین پر فساد اور برائیوں کی جڑ عورت ہی ہے۔ یہ فریق برملا اعلان کرتا ہے کہ علم جو ذریعہ ہدایت ہے اور دنیا کی تمام کجیوں کو درست کرنے والا ہے عورت کو اس کے قریب بھی نہیں جانا چاہیے یہاں تک کہ انہوں نے جب عورت کو پڑھتے لکھتے دیکھا تو کہنے لگے ”گویا یہ اڑدھا ہے جو ہر پھینک رہا ہے۔“ ان باتوں کو سن کر ہم سوائے اس کے کہ ”استغفر اللہ“ کے الفاظ زبان پر لائیں کچھ نہیں کہہ سکتے۔

عورت کے متعلق بے حقیقت خیالات

ہمیں دیکھنا ہے کہ اس کا اصل باعث کیا ہے اور اس طرح کی باتیں کرنے والوں کے پاس کیا دلائل ہیں۔ خیال رہے کہ ایسی باتیں کہنے والوں کے پاس وحی الہی کی کوئی بات نہیں بلکہ محض ڈھکوسلے ہیں مثلاً وہ کہتے ہیں کہ:

عورت ہی نے آدم علیہ السلام کو ممنوعہ درخت کھانے اور اللہ کی طرف سے منع کردہ کام کی بے حرمتی کے متعلق ورغلا یا تھا جو آدم علیہ السلام اور اس کی اولاد کے لیے جنت سے نکلنے اور زمین پر آگرنے کا باعث ہوا حالانکہ یہ نظریہ قطعاً اسلام کا نہیں بلکہ سراسر یہود و نصاریٰ کی اختراع ہے۔ دنیا کا کوئی شخص اس کو وحی الہی کی بات ثابت نہیں کر سکتا، اور ظاہر ہے کہ لوگوں کی گھڑی ہوئی بات کو کون وحی الہی کہہ سکتا ہے؟ لیکن افسوس کہ جاہلوں کے اندر اس طرح کی گھڑی ہوئی باتیں ہیں جو مذہبی ٹھیکہ داروں نے ان کے ذہنوں میں بٹھادی ہیں ان کا تعلق یہود و نصاریٰ سے ہو یا اس وقت مسلمان کہلانے والے مذہبی راہنماؤں سے۔

دورِ جاہلیت کا فیصلہ قرآن کریم نے کر دیا

قرآن کریم میں یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ عورت مرد کی طرح مکلف ہے اور اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی کی مخاطب ہے۔ مرد کی طرح اچھے کام کا اچھا بدلہ یعنی انعام اور برے کام کا برا بدلہ یعنی سزا پائے گی چنانچہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلی شرعی ذمہ داری اُس پر اسی طرح ڈالی گئی ہے جیسے مرد پر ڈالی گئی ہے جیسا کہ ارشادِ الہی ہے کہ:

”تم دونوں جہاں سے چاہو بے روک ٹوک کھاؤ لیکن اس درخت کے پاس نہ جانا اگر تم اس کے پاس گئے تو ظالموں میں ہو جاؤ گے۔“ (۳۵:۲)

تورات کے تحریف شدہ بیان کے مطابق قرآن کریم میں ایسی کوئی بات موجود نہیں جو آدم کی غلطی کا ذمہ دار حوا کو ٹھہراتی ہو، بلکہ بنیادی ذمہ داری قرآن کریم نے آدم علیہ السلام پر ڈالی ہے عورت یعنی حوا علیہا السلام تو آپ کے حکم کے تابع تھی جیسا کہ ارشادِ الہی ہے کہ: ”اور ہم نے آدم علیہ السلام کو پہلے سے جتنا کر عہد لے لیا تھا، پھر وہ بھول گیا اور ہم نے قصداً اس میں نہیں پایا۔“

اس سورت میں آگے ارشاد فرمایا گیا کہ:

”آدم علیہ السلام اپنے رب کے حکم پر نہ چلا اور وہ بے راہ ہو گیا۔ پھر اُس کے رب

نے اس کو برگزیدہ کیا، اس پر لوٹ آیا اور اُس پر راہ کھول دی۔“ (۱۲۴:۲۰)

مرد اور عورت ایک دوسرے کے حریف نہیں

اسلام کی نظر میں عورت مرد کی حریف ہے نہ اُس کی مد مقابل بلکہ دونوں ایک دوسرے کی شخصیت کی تکمیل کرتے ہیں۔ عورت مرد کی جنس سے ہونے کے ناطے اس کا حصہ ہے اور اس طرح مرد و عورت کا حصہ ہے۔ قرآن کریم نے ”بعضکم من بعض“ (۱۹۵:۳) کہہ کر دونوں کو ایک دوسرے کی جنس قرار دیا ہے اور نبی اعظم و آخر ﷺ نے اپنے ارشاد میں فرمایا کہ ”انما النساء شقائق الرجال“ یعنی عورتیں مردوں کی نظیر ہیں، اس کی مزید وضاحت فرمادی ہے۔

مرد اور عورت ایک جنس کی دو اصناف ہیں

کتاب و سنت میں عورت کے حقوق میں کمی کا کہیں ذکر موجود نہیں بلکہ دونوں کو ایک جنس کی دو اصناف تسلیم کیا ہے اور یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ وہ دونوں جنس کے لحاظ سے ایک اور صنف کے لحاظ سے مختلف ہیں کیونکہ ان کا جسم خود اس بات کی شہادت دے رہا ہے اور دونوں ایک دوسرے کی کمزوریوں کا ازالہ کرتے ہیں جس سے انسان کی شخصیت مکمل ہو جاتی ہے۔

مجھے اعتراف ہے کہ نبی کریم ﷺ کی بعثت سے قبل گزشتہ معاشروں میں مرد اور عورت کا واضح فرق موجود تھا اور عورت کا وجود محض مرد کے بہلاوے کے لیے تسلیم کیا جاتا تھا۔ آپ نے بعثت کے بعد اس نظریہ کی اصلاح کی اور مرد اور عورت دونوں کو یکساں ایک جیسا مقام عطا کیا۔ ہاں! آج بھی بعض مسلمانوں کے دلوں میں گزشتہ معاشروں کی وہ باتیں جو لوگ قبل از بعثت نبوی تسلیم کرتے تھے وہ سرایت کر گئی ہیں اور وہ ان کا اظہار اپنی تحریروں اور تقریروں میں کرتے رہتے ہیں جس سے اسلام کو نقصان پہنچا ہے اور جب تک یہ لوگ اپنی روش نہیں بدلیں گے اسلام کو نقصان پہنچتا رہے گا۔ ظاہر ہے کہ جو چیز اسلام کی نہیں اس کو اگر کوئی اسلام کی چیز سمجھے گا اور دوسروں کو بھی باور کرائے گا اور اپنی شخصیت کے اثر سے اگر وہ دوسروں کو باور کرا دے گا تو وہ چیز تو اسلام کی نہیں ہو جائے گی۔

موجودہ مسلمانوں کا ایک گروہ اور عورت

لاریب جیسا کہ ابھی ہم نے اوپر بیان کیا ہے عورت کے متعلق مسلمانوں کا ایک گروہ

بھی ایسا موجود ہے جو مردوں کو برتر سمجھتا ہے اور عورت کو شیطان کا جال قرار دیتا ہے اور جو لوگ ان کے اس بیان کی مخالفت کرتے ہیں ان کو ”روشن خیال“ ہونے کا الزام دیتا ہے۔ افسوس کہ وہ یہ خیال کیوں نہیں کرتا کہ عورت اس کی ماں ہے، اس کی بیٹی ہے، اُس کی بیوی ہے جس کو ہر وقت ہر حال وہ دل سے چاہتا بھی ہے اور ماں کے قدموں کے نیچے جنت کو بھی تسلیم کرتا اور بہن اور بیٹی کی تعلیم و تربیت کر کے اُس کو کسی دوسرے کی کفالت میں دینے کو اللہ کا حکم بھی سمجھتا ہے اور ذریعہ نجات بھی تصور کرتا ہے اور پھر وہ کیوں غور و فکر نہیں کرتا کہ میں عورت کے متعلق ایسا گمان کر کے خود سیدھی راہ سے منحرف ہو رہا ہوں، آخر کیوں؟ اس پر جتنا افسوس کیا جائے کم ہے۔

مسلمانوں کی اکثریت قرآن کریم سے جا ملے ہے

حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کی اکثریت کتاب اللہ کو جس طرح پڑھتی ہے بس وہ صرف پڑھتی ہے کیونکہ اس پڑھنے میں ہر وقت ایک حرف کے بدلے دس نیکیاں لینے کے لیے پڑھتی ہے ہدایت حاصل کرنے کے لیے نہیں۔ کتاب اللہ کو اقوام عالم کی دوسری قوموں نے بھی پڑھا ہے لیکن ان کا پڑھنا راہنمائی حاصل کرنے کے لیے تھا اور ہے اس لیے وہ آج مسلمانوں پر بازی لے گئے ہیں پھر یہ صرف ایک عورت کے متعلق ہی نہیں بلکہ زندگی کے ہر معاملہ میں یہی صورت حال نظر آ رہی ہے۔

مکاتب فکر سے روگردانی گردن زدنی کے مرادف ہے

مجھے معلوم ہے کہ اس طرح کی بات کرنا بھی گردن زدنی سمجھا جاتا ہے لیکن کیا محض اس خوف سے کہ اس بات کے کرنے کو مسلمان گردن زدنی قرار دیتے ہیں بلکہ گردن مار بھی دیتے ہیں، کیا حق بات چھپا دینا چاہئے؟ اس گردن کی حفاظت آخر ہم کب تک کریں گے کیونکہ اس نے تو ہر حال ایک دن جدا ہونا ہے اس لیے گردن زدنی سے کیا ہوتا ہے؟ ظاہر ہے کہ موت، پھر موت سے کس کو مفر ہے؟ اور کون ہے جس کو موت نہیں آتی یا اب نہیں آئے گی؟ کاش کہ مسلمان قرآن کریم کو جس طرح پڑھنا چاہیے اُس کو پڑھیں تاکہ ان کے گلے سے یہ نیچے بھی اتر سکے اور وہ اس سے راہنمائی حاصل کر سکیں جو راہنمائی دینے کے لیے اُس کو نازل کرنے والے اللہ نے نازل کیا ہے اور آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ”بعض لوگ قرآن کریم پڑھتے ہیں لیکن وہ اُن کے گلے سے نہیں اُترتا“ وہ اس کا مصداق نہ بنے۔

قرآنی حدود سے تجاوز ہونے کا نتیجہ

عورت کو شیطان کا آلہ قرار دینا قرآن کریم کی حدود کو جو اس نے مقرر کی ہیں پھلانگنے کے مترادف ہے اور خواتین اسلام پر ایک ظلم ہے۔ اس پستی کے دور میں جس سے ہم گزر رہے ہیں پوری امت مسلمہ باستثناء چند افراد کے نبی کریم ﷺ کی لائی ہوئی ہدایت، اسلام کی معتدل مزاجی اور آسانی پیدا کرنے والی میانی روی، اعتدال اور سلف صالحین کے طریقہ سے بہت دور ہو گئی ہے۔ جب بھی آپ اپنے اس دور پر نظر عمیق ڈالیں گے تو اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ ہماری فکری زندگی پر ایک آفت اور مصیبت آ پڑی ہے جس کی شکایت دنیا کے تمام عقل مند لوگ کر رہے ہیں۔ وہ آفت کیا ہے؟ یہی کہ ہم اپنے تمام معاملات میں اعتدال اور میانہ روی کے راستہ سے دور ہو گئے ہیں جس کو قرآن کریم نے صراطِ مستقیم کہا ہے بلکہ ہم یہود و نصاریٰ کی طرح اکثر و بیشتر افراط و تفریط کا شکار ہو گئے ہیں حالانکہ ہم قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد اپنی آنکھوں سے دیکھتے اور زبانوں سے پڑھتے ہیں کہ وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ (۱۳۳:۲) ”اسی طرح ہم نے تمہیں نیک ترین امت ہونے کا درجہ عطا کر دیا تاکہ تم انسانوں کے لیے گواہی دینے والے ہو۔“ اس نیک ترین امت میں عورتیں بھی شامل ہیں یا نہیں؟ ہم دعویٰ سے کہہ سکتے ہیں کہ آج تک اہل اسلام میں ایک مفسر قرآن اور شیخ الحدیث ایسا نہیں ہوا جس نے عورتوں کو اس نیک ترین امت میں شمار نہ کیا ہو۔ ہاں! امت مسلمہ کی نشانیاں اور علامات کتاب و سنت میں موجود ہیں اگر ”امت مسلمہ“ کلہم یا اکثریت امت مسلمہ ہی نہ رہے تو یہ دوسری بات ہے جیسا کہ آج کل ہماری حالت ہو رہی ہے۔

موجودہ اسلامی معاشرہ اور اسلام

اس وقت ہم جس کو اسلامی معاشرہ سے تعبیر کرتے ہیں سچی بات یہ ہے کہ اس میں نبی اعظم و آخِ خلیل ﷺ کے لائے ہوئے اسلامی معاشرہ کی کوئی بات بھی نظر نہیں آتی مثلاً زیر بحث موضوع ہی کو لے لیں تو ”عورت“ کے متعلق جو کچھ بیان کیا جاتا ہے اس کی وراثت کتاب و سنت کے مطابق کہاں تقسیم ہوتی ہے؟ صرف قانونی خانہ پوری کے لیے قانون کے اندر اس کو درج کر دیا گیا ہے۔ کہیں نرینہ اولاد موجود نہ ہو تو بادلِ نخواستہ اس کا استعمال کر لیا جاتا ہے۔ یہ ایک بات ہی اس کی دلیل کے لیے کافی ہے کہ ابھی تک ہمارے معاشرہ میں عورت کو وہ مقام نہیں دیا گیا جو کتاب و سنت میں اس کو دیا گیا ہے۔

عورت کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ یہ گھر میں بند رکھنے کی چیز ہے۔ وہ علم سیکھنے کے لیے نکل سکتی ہے نہ کام کاج کے لیے گویا معاشرہ کے لیے مفید کسی بھی قسم کی سرگرمی میں وہ حصہ نہیں لے سکتی یہاں تک کہ نیک سیرۃ خاتون اُس کو کہا جاتا ہے کہ وہ گھر سے زندگی بھر دو ہی مرتبہ نکلے ایک مرتبہ باپ کے گھر سے شوہر کے گھر جانے کے لیے اور دوسری مرتبہ شوہر کے گھر سے قبر میں جانے کے لیے۔ حالانکہ یہ وہ سزا ہے جو کسی بدکار عورت کے لیے سب سے پہلے مقرر کی گئی تھی جس کا ذکر قرآن کریم میں اس طرح کیا گیا ہے کہ:

”اور تمہاری عورتوں میں سے جو عورتیں بد چلنی کی مرتکب ہوں تو چاہیے کہ اپنے لوگوں میں سے چار آدمیوں کی اس پر گواہی لیں، اگر وہ چاروں گواہی دے دیں تو پھر ایسی عورتوں کو گھروں میں بند رکھیں یہاں تک کہ موت ان کی عمر پوری کر دے یا اللہ تعالیٰ اُن کے لیے کوئی دوسری راہ پیدا کر دے۔“ (۱۵:۴)

ہاتھی کے دانت کھانے کے اور، دکھانے کے اور

تعجب ہے کہ جن علمائے کرام کی اپنی بچپاں کالجوں میں تعلیم حاصل کر کے ایم اے اور پی ایچ ڈی تک تعلیم حاصل کر چکی ہیں یا کر رہی ہیں وہ بھی فتویٰ یہی دیتے ہیں کہ عورت گھر سے باہر نہ نکلے اگر کسی بہت ضرورت کے تحت گھر سے نکلتا ضروری ہو تو بہت بڑی چادر اوڑھ کر یا نقاب کر کے باہر نکلے اور اس کے جسم کا کوئی حصہ یعنی ہاتھ یا چہرہ نظر نہ آئے صرف ایک آنکھ کھلی رہے جس سے وہ کچھ راستہ دیکھ سکے۔

ایک آنکھ کھلی رکھنے کا اسلام

یہ ایک آنکھ کھلی رکھنے کا اسلام کہاں سے نازل ہوا اور کس پر نازل ہوا کچھ معلوم نہیں قرآن کریم میں تو مردوں اور عورتوں کو ایک جیسا حکم ارشاد فرمایا اور دونوں کو آنکھیں نیچی رکھنے کی ہدایت دی گویا آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھنے سے منع فرمایا اور اپنے منہ دھیان چلنے کی تعلیم دی اور انسانی پردے کے مقامات کو محفوظ رکھنے کا حکم فرمایا جیسا کہ فرمایا گیا ہے کہ:

”اے پیغمبر اسلام ﷺ آپ ایمان والوں سے فرما دیجئے کہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنے پردے کے مقامات کی حفاظت کریں یہ بات ان کے لیے بڑی پاکیزہ ہے بلاشبہ اللہ تعالیٰ کو ان کے کاموں کی خبر ہے۔

اور اے پیغمبر اسلام ﷺ آپ ایمان والیوں سے فرما دیجئے کہ اپنی نظریں نیچی

رکھیں اور اپنے پردہ کے مقامات کی حفاظت کریں اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں سوائے اس کے جو اس میں کھلائی رہتا ہے۔“ (۳۱:۳۰)

مردوں کے مقابلہ میں عورتوں کے لیے زائد حکم

بلا ریب عورتوں کے لیے مردوں سے زائد حکم بھی ہے یعنی یہ کہ وہ اپنی زینت کو چھپانے کے لیے اپنے کپڑوں کے اوپر چادریں اوڑھیں گی اور اپنی زینت کو نامحرم مردوں سے چھپائیں گی لیکن ہاتھ پاؤں اور چہرہ تو عام کھلا رکھنے سے انسان آسانی کے ساتھ باہر اندر آ جاسکتا ہے اور باہر کے کام کاج سرانجام دے سکتا ہے سواری پر چڑھ اتر سکتا ہے جب کہ عورتیں بھی آپ کے دور اقدس میں ایسا کرتی رہیں اُن سے روکنے کا جواز اس میں کہاں سے پیدا کر لیا گیا اور یہ تخیل کہاں سے پیدا کر لیا گیا کہ عورت مرغی یا چوڑا ہے اور جتنے مرد ہیں سب کے سب پلٹے اور پلٹے ہیں کہ جوں ہی عورت کو دیکھیں گے تو دوبوچ لیں گے اور اس کو کھاجائیں گے۔ استغفر اللہ، یہ تصور اسلام نے ہرگز نہیں دیا۔

عورت اپنی عزت و ناموس کو جانتی ہے

عورت ایک انسان ہے، ایک شخصیت ہے، اپنی عزت و ناموس کو وہ بھرا اللہ سمجھتی ہے اس میں عقل و فکر کی قوتیں مردوں سے بھی زیادہ اور قوی ہیں اس کی حیا کی صفت تسلیم شدہ صفت ہے جو ہر عورت کی فطرت میں پائی جاتی ہے۔ عورت کے متعلق اس طرح کا جو تصور ہمارے ہاں پایا جاتا ہے بلاشبہ یہ اسلام کا دیا ہوا تصور نہیں بلکہ دور جاہلیت کا تصور ہے جو محض بناوٹ کے طور پر اختیار کر لیا گیا ہے اور محض ایک دوسرے کی دیکھا دیکھی ایسا ہوا ہے۔ عورت مرد کی لونڈی اور خادمہ ہرگز نہیں اور اس کو محض مردوں کے لطف اندوزی کے لیے نہیں پیدا کیا گیا۔ عورت اپنی حیثیت کے لحاظ سے مرد کے برابر حیثیت رکھتی ہے بلکہ اس کی حیثیت اسلام کی نظر میں مرد سے بلند ہے کیونکہ ماں کا مقام اسلام نے باپ سے بلند رکھا ہے اولاد کے لیے ماں اور باپ دونوں کی فرمانبرداری کا حکم دیا گیا ہے دونوں کی نافرمانی کو قابل گرفت قرار دیا گیا ہے۔ انسانی زندگی کے قیام میں عورت کا حصہ مرد کی نسبت زیادہ تسلیم کیا گیا ہے۔ رحم و ایثار میں عورت مرد کے مقابلہ میں بہت آگے ہے۔

علم و عمل میں تضاد

تعجب پر تعجب ہے کہ ان غلط تصورات کو قائم رکھنے کے باوجود یہ بات تسلیم کی جاتی

ہے کہ علم سیکھنا ہر مسلمان مرد و عورت پر یکساں ایک جیسا فرض ہے اور اس فرض کی ادائیگی کے لیے باپ یا شوہر کا نام لیا جاتا ہے حالانکہ اس سلسلہ میں ان کا نام لینا سراسر زیادتی ہے کیونکہ ہر باپ کے لیے پڑھا لکھا ہونا ضروری نہیں اور نہ یہ ضروری ہے کہ جتنا علم باپ نے حاصل کیا بیٹی اس سے زیادہ علم حاصل نہیں کر سکتی۔ علم حاصل کرنے کے لیے جس طرح لڑکوں کو داغے لینا پڑتے ہیں اور سفر کی صعوبتیں برداشت کرنا پڑتی ہیں بالکل اسی طرح لڑکیوں کو بھی ان مسائل سے گزرنا پڑتا ہے۔ ان سب کاموں کے لیے دونوں اصناف کی الگ الگ ذمہ داریاں ہیں اور ہر صنف کو اپنی ذمہ داریاں پوری کرنا پڑتی ہیں اور جو لوگ ان مراحل سے گزرتے ہیں سب کو اس کا علم ہے کہ حقائق کیا ہیں وہ ان حقائق کو چھپاتے ہیں حالانکہ حقیقت کو چھپانا اور تصنع و بناوٹ سے کام لینا اسلام کی نظر میں گناہ متصور ہوتا ہے۔

کیا عورت کی تعلیم خاندان کی ذمہ داری ہے

عورت کی تعلیم میں خاندان کا نام لینا کہ یہ خاندان کی ذمہ داری ہے کہ اپنی بیوی کو تعلیم دے اتنی ہی غلط بات ہے جتنی گدھے کے سر پر سینگ جو کام تعلیم و تربیت مکمل ہونے کے بعد کیا جانے والا ہے اُس کو اس قدر موخر کیسے کیا جاسکتا ہے؟ ایسی بات کرنے والے نہ معلوم کس احمقوں کی جنت کے باسی ہیں اور کس طرح انہوں نے عورت کی تعلیم و تربیت کا ذمہ دار خاندان کو بنادیا ہے کہ وہ خود اس کو تعلیم دے پھر اگر وہ خود ہی تعلیم یافتہ نہ ہو تو عورت کو کیسے تعلیم دے سکے گا کیا جو لوگ تعلیم یافتہ نہیں ہوتے ان کی شادیاں نہیں ہوتیں؟ ایسے جاہل بلکہ اجہل لوگوں کو علماء کا نام کس نے دے دیا جنہوں نے اس طرح کی باتیں تحریر کر دی ہیں۔ اس پر اللہ وانا الیہ راجعون ہی پڑھا جاسکتا ہے۔

عورتوں کا مسجدوں میں نہ جانے کا فتویٰ کہاں سے آیا

اس وقت ہمارے ہاں یہ فتویٰ عام ہے کہ عورتیں مسجدوں میں نہیں جاسکتیں نماز جمعہ کے خطبہ اور وعظ کی دوسری مجلسوں میں شریک نہیں ہو سکتیں حالانکہ ان کو اچھی طرح یہ بات معلوم ہے کہ نبی کریم ﷺ کے دور مقدس میں عورتیں مسجدوں میں جا کر نماز ادا کرتی رہیں عید گاہ میں حاضر ہوتی رہیں بلکہ آپ نے زور دے کر فرمایا کہ مردوں کی طرح سب عورتیں عید گاہ کو آئیں یہاں تک کہ ان میں جو ایسی ہوں کہ ان کے لیے نماز ادا کرنا جائز نہ ہو وہ بھی

حاضر ہوں اور مسلمانوں کی دعا میں شریک ہوں۔

پانچوں وقت کی نمازوں میں عورتیں مردوں کی طرح اپنی الگ صفوں میں حاضر ہوتی تھیں یہاں تک کہ صبح کی نماز جو اکثر روشنی اور تاریکی کی ملی جلی صورت میں ادا کی جاتی ہے اور عشاء کی نماز جو خوب اندھیرے میں پڑھی جاتی ہے اُس میں بھی عورتوں کو شامل ہونے کا حکم دیا جاتا۔ خصوصاً مردوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ ”اللہ کے بندو! عورتوں کو نماز میں شریک ہونے سے مت روکو۔“

نہایت دکھ اور افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ جن باتوں کا نبی اعظم و آخر ﷺ نے واضح الفاظ میں حکم دیا ہو ان باتوں سے فقہاء کا نام لے کر قوم کو باور کرانا کہ فقہاء کرام نے اس سے منع کیا ہے اس لیے کہ فقہاء کے دور میں وہ حالات نہیں رہے تھے جو آپ کے دور میں تھے اور یہ حالات کی بات بھی سو فی صد غلط ہو اور خصوصاً یہ کہ نبی کریم ﷺ کی باتوں کا مقابلہ دوسرے لوگوں کی باتوں سے کرنا کہاں کی دیانتداری ہے جب کہ آپ کے حکم پر کسی دوسرے کا حکم دینا منافقت کی علامت بتایا گیا ہو۔

تعلیمات اسلامی کا منہ، آخر کیوں؟

حقیقت یہ ہے کہ اس وقت اسلامی تعلیمات کو اس طرح مسخ کر دیا گیا ہے جس بات کو اچھی طرح غور و فکر کے ساتھ دیکھا جائے تو اُس کے متعلق کتاب و سنت میں جو حکم دیا گیا ہے اُس کے مخالف پائیں گے لیکن اُس پر نام کتاب و سنت ہی کا استعمال کیا جائے گا۔ پیدائش سے لے کر مرنے تک ایک ایک بات پر آپ غور کرتے جائیں تو بات کو اس طرح دیکھیں گے جیسا کہ میں نے عرض کیا ہے ہر جگہ اور ہر ایک مکتبہ فکر میں یہی صورت حال ہے کہ ہر مکتبہ فکر نے علاقائی رسم و رواج مقرر کر لیے ہیں اور ان کا نام اسلام رکھ دیا ہے۔ ان باتوں پر ایڑی چوٹی کا زور صرف ہو رہا ہے جن کی کوئی اصل نہیں اور جن کی اصل کتاب و سنت میں روز روشن کی طرح واضح ہے ان کی تاویل میں پیش کی جاتی ہیں۔

غیر مسلم اور اسلامی تعلیمات

غیر مسلم جن کے ہاں ان باتوں کا کوئی ثبوت موجود نہیں اور نہ ان کے مذہبی لٹریچر میں کوئی ایسی بات دیکھی جاسکتی ہے انہوں نے اکثر باتیں اسلام سے لے کر ان کے مطابق عمل شروع کر دیا صرف بات اتنی ہے کہ انہوں نے اسلام کا نام استعمال نہیں کیا بلکہ بالکل

خاموشی سے اس پر عمل شروع کر دیا وہ ترقی کر کے کہیں کے کہیں پہنچ گئے ہیں۔ آپ اس بات کو پیش نظر رکھیں جس پر اس جگہ گفتگو کی جا رہی ہے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ آج یہودی عورتیں اپنی عبادت گاہوں میں جاتی ہیں عیسائی عورتیں اپنے کنیسہ اور چرچ کی طرف رواں دواں ہیں ہندو مذہب کی پیروکار عورتیں اپنے مندروں میں حاضری دیتی ہیں اور صرف مسلمان عورتیں ہیں جن کو نہایت سختی کے ساتھ مسجد جانے سے روکا جاتا ہے اور پھر اس کو اسلام کا حکم بتایا جاتا ہے اور ایسا کرتے ہوئے اور کہتے ہوئے مسلمانوں کو ذرا برابر شرم نہیں آتی کہ ہم اپنے رسول محمد رسول اللہ ﷺ اور کتاب اللہ کی تعلیمات کے خلاف حکم صادر کر کے کہ ”مسلمان عورتیں مساجد میں نماز کے لیے حاضر نہیں ہو سکتیں، جنازوں میں شرکت نہیں کر سکتیں اور عید کی نماز کے لیے عید گاہ نہیں جاسکتیں“ اسلام کی تعلیم دے رہے ہیں بلکہ یہاں تک کہا جاتا ہے کہ عورت کا گھر کے صحن میں نماز ادا کرنے سے بہتر ہے کہ وہ کمرہ کے اندر نماز ادا کرے اور کمرہ کا دروازہ کھلا رکھنے سے بہتر ہے کمرے کا دروازہ بند ہو اور ایسا کہنے والوں اور کرنے والوں کے دل میں ذرا برابر اس بات کا خیال بھی نہ آئے کہ ایسے حکم کو ہم اسلام کا حکم کس طرح قرار دے رہے ہیں؟ جس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ آج مسلمان عورتیں دنیا جہان کے سب کام کر رہی ہیں لیکن اسلام کے احکام کی ان کے ہاں کوئی حیثیت نہیں اور خصوصاً پنجگانہ نماز کے وہ قریب بھی نہیں جاتیں مگر سینکڑوں میں کوئی ایک۔

دیہاتی عورتوں کی مجبوری

شہروں اور دیہاتوں کی زندگی کسی سے پوشیدہ نہیں دیہات میں عورتیں محرم مردوں کے ساتھ بھی اور بعض اوقات اکیلی بھی اپنے معیشت کے کاموں میں حصہ لیتی ہیں اور ان کا حصہ لینا دیہاتی لوگوں کے لیے ان کی ضرورت ہے اور شرعاً بھی اس کی کوئی ممانعت موجود نہیں بلکہ آپ کے دور اقدس میں صحابہ کرام کی بیویاں اور جوان بیٹیاں ان کے کام کاج میں مصروف ہوتی رہی ہیں اور مدینہ منورہ میں اپنی زمینوں پر جو مدینہ سے دور تک پھیلی ہوئی تھیں ان میں جا کر کام کرتی رہی ہیں۔ مثلاً سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا جو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیٹی تھیں اور زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں اپنے خاوند کے ساتھ شریک ہوتی تھیں اور اپنی زمینوں میں بعض اوقات اکیلی بھی آتی جاتی تھیں جس کا ذکر صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی روایات میں موجود ہے۔

قرآن کریم میں شعیب علیہ السلام کی دو بیٹیوں کا واقعہ

قرآن کریم میں حضرت شعیب علیہ السلام کی دو بیٹیوں کا ذکر واضح الفاظ میں موجود ہے جو اپنی بکریاں چرانے کے لیے جاتی تھیں اور ظاہر ہے کہ بکریاں شہر سے دور جنگلوں ہی میں چرائی جاتی ہیں اور معاشرہ کی حالت بھی اُس وقت بہت دگرگوں تھی اور باپ بوڑھے تھے دریں وجہ وہ دونوں مل کر اپنے ریوڑ کی حفاظت کرتی تھیں۔ وہ اپنی بکریوں کو پانی پلانے کے لیے رہٹ پر لیے کھڑی تھیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے جب دیکھا کہ وہ بکریوں کو دور لے کر کھڑی ہیں اور نامحرم اور ناواقف ہونے کے باوجود ان سے پوچھ لیا کہ وہ بکریوں کو روک کر کیوں کھڑی ہیں تو انہوں نے عرض کی کہ ہم راہٹ نہیں چلا سکتیں یا ڈول سے پانی نہیں نکال سکتیں جب یہ گڈرے اپنے اپنے ریوڑ کو پانی پلا چکیں گے تو ان کے بعد ہم بھی اپنے ریوڑ کو بچا ہوا پانی پلائیں گی یہ بات سن کر موسیٰ علیہ السلام خود آگے بڑھے پانی نکالا اور ان کو اشارہ کیا کہ وہ اپنے ریوڑ کو لائیں اور پانی پلائیں چنانچہ انہوں نے بھی بلا جھجک اپنے ریوڑ کو عام حالات کے خلاف پانی پلایا اور ریوڑ کو جلد ہانک کر گھر چلی گئیں اور جا کر اپنے والد بزرگوار کو جلد ریوڑ لانے کا قصہ سنایا بلکہ والد کے سامنے اس انجان مسافر کو اپنے پاس رکھ لینے کی التجا بھی کی جیسا کہ قرآن کریم میں ہے کہ:

قَالَتْ احْلِهْمَا يَابْتَ اسْتَا جَرَهْ اِنْ مِنْ اسْتَا جَرَتْ الْقَوَى الْاَمِينِ. (۲۶:۲۸)

”ان دونوں میں سے ایک نے کہا اے باپ! اس کو ملازم رکھ لیجئے بلاشبہ وہ ایک اچھا نوکر ثابت ہوگا جو بہت طاقتور بھی ہے اور امانت دار بھی۔“

ظاہر ہے کہ اس پانی پلانے کے دوران موسیٰ علیہ السلام اور ان دونوں لڑکیوں کی ایسی گفتگو ہوئی ہے جس سے ان کو معلوم ہوا ہے کہ وہ مسافر ہے اور اُس کو بھی کسی کے ہاں ملازم رہنے کی حاجت ہے اور انہوں نے اس مسافر کو اس جگہ رکھنے کا اشارہ بھی دیا ہے اور ان کے اشارہ پر رک کر موسیٰ علیہ السلام بھی اپنے رب سے ملتی ہوئے ہیں کہ اے میرے مالک میرے اس سفر میں میری مدد فرما کہ میں پریشان حال ہوں اُدھر ان لڑکیوں نے بھی والد سے ان کی اس ضرورت کا ذکر کیا اور والد نے اپنی ضرورت کے باعث اس وقت اپنی ایک لڑکی کو حکم دیا کہ اس کو فوراً بلا کر میرے پاس لے آئے چنانچہ وہ گئی اور موسیٰ علیہ السلام کو اپنے ساتھ اپنے باپ کے ہاں لے آئی۔

شعیب نبی اور ان کی بیٹیوں کا پیشہ

غور کیجئے کہ شعیب علیہ السلام اپنے وقت کے نبی ہیں انہوں نے ضرورت کے تحت جب ریوڑ چرانے کے لیے بھیجا جو ایک دن کا واقعہ نہیں بلکہ ان کا یہ دور سالوں پر محیط ہے تو مسلسل دونوں لڑکیوں کو بھیجا ایک کو نہیں لیکن جب اس مسافر ناواقف کو بلانے کے لیے بھیجا تو اپنی ایک لڑکی کو بھیج دیا کہ یہ چند وقفوں کی بات ہے اس میں ہماری زندگی کے لیے بے شمار اسباق ہیں لیکن ہمارے علمائے گرامی قدر نے ان اسباق کی طرف دھیان نہیں دیا اور عورت کی ایک آنکھ ہی کا ذکر کرتے رہے کہ عورت صرف ایک آنکھ کھلی رکھ سکتی ہے دونوں آنکھوں سے راستہ کو بھی نہیں دیکھ سکتی اور اس کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ ہر وقت پردہ میں اپنے محرم باپ یا بھائی ہی کے ساتھ بندھی رہے۔

قرآنی تعلیمات سے انحراف

قرآن کریم کے ان واقعات اور صحیح روایات کے بیانات کو نہ معلوم کیوں ہمارے علمائے گرامی قدر نے پس پشت ڈال دیا اور ان کی جگہ اپنے بے جا موقف کے لیے ایسی روایات گھڑیں جن کا کوئی سرپیر موجود نہیں لیکن آج ہر مکتبہ فکر کے سٹیج کی وہ زینت ہیں مثلاً ذکر کیا جاتا ہے کہ ”نبی کریم ﷺ نے اپنی بیٹی فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کہ عورت کے لیے بہتر کیا ہے؟ تو وہ کہنے لگیں کہ وہ کسی مرد کو نہ دیکھے اور کوئی مرد اس کو نہ دیکھے تو آپ نے اپنی بیٹی کا بوسہ لیا اور فرمایا کہ ذریعہ بعضہا من بعض ”مرد و عورت ایک دوسرے ہی سے ہے“ اس کی کوئی صحیح اصل نہیں اور اس جملہ کا مفہوم بھی علاوہ ازیں ہو سکتا ہے۔

منافقت سکھانے کا ایک عملی نمونہ

اسی طرح ایک روایت عام دیندار گھروں میں گشت کرتی نظر آتی ہے کہ: ”خواتین سے مشورہ کرو اور وہ جو مشورہ دیں اس کے مخالف عمل کرو۔“ اس کی بھی کوئی صحیح اصل موجود نہیں بلکہ یہ سراسر قرآن کریم کے خلاف ہے اور آپ ﷺ کے عمل کے بھی۔ اس لیے کہ آپ ﷺ نے کئی دفعہ اپنی ازواج مطہرات سے مشورہ کیا اور پھر ان کے مشورہ کے مطابق عمل بھی فرمایا جیسا کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر ام المومنین سیدہ ام سلمہؓ سے مشورہ کیا اور اس پر عمل بھی فرمایا۔

کیا عورت سراپا شر ہے؟

مختصر یہ کہ عورت کے متعلق کہا گیا کہ ”عورت سراپا شر ہے“ عورتوں کو ”بالا خانوں میں

سکونت دو اور نہ ان کو پڑھنا لکھنا سکھاؤ“ آپ کے نام سے یہ مشہور کرنا کہ ”بہترین داماد قبر ہے اور بچیوں کو دفنانا باعث عزت ہے۔“ اس طرح کے بے شمار اقوال ہیں جو بیان کیے جاتے ہیں لیکن ان کی کوئی اصل اسلام میں موجود نظر نہیں آتی۔

اسلام اور فرقہ بندی کی لعنت

فی زمانہ علمائے اسلام کہلانے والوں پر تعجب بھی ہوتا ہے اور ہنسی بھی آتی ہے کہ یہ کہتے کیا ہیں اور کرتے کیا ہیں؟ مسلمانوں کا مختلف گروہوں میں تقسیم ہونا قرآن کریم نے کھلا شرک قرار دیا ہے لیکن تمام مکاتبہائے فکر قرآن کریم کی ان آیات کو دن رات تلاوت کرتے ہیں اپنی نمازوں میں پڑھتے ہیں اور گروہ بندی سے باز بھی نہیں آتے اور مانتے بھی نہیں اور کوئی آدمی فقط ”مسلمان“ یا ”مسلم“ کہلانے پر اکتفا کرنے کے لیے تیار ہی نہیں بلکہ ہر کوئی ”دیوبندی، بریلوی، سنی، شیعہ اور اہل حدیث ہی سے کوئی ایک کہلانے کے بعد خوش ہوتا ہے۔ اور علمائے کرام بھی اسی کا درس دیتے ہیں۔

خیر الکلام سے سلوک

تمام مکاتبہائے فکر اپنے سوادسروں کو گروہ بندی کا شکار گردانتے ہیں اپنی فکر اور اپنے گروہ کو اس سے مستثناء سمجھتے ہیں۔ تمام مکاتبہائے فکر قرآن کریم کو اللہ تعالیٰ کا کلام سمجھتے ہوئے اس کو خیر الکلام کہتے ہیں لیکن اس کی صرف عربی عبارت کو طوطے کی طرح جہاں ضرورت پڑتی ہے رٹ دیتے ہیں اپنے مکاتبہائے فکر کی آبیاری کے لیے اپنے اپنے مکتبہ فکر کی کتابوں کو پڑھتے ہیں اور ان کے مطابق عمل کرنے کی طرف لوگوں کو راغب کرتے ہیں اور ”خیر الکلام“ کو صرف زبان تک محدود رکھتے ہیں۔ یہ کیسا ”خیر الکلام“ ہے جسے محض چومنے اور غلاف میں بند کر کے رکھنے کے لیے رکھا گیا ہے۔ جس کے سمجھنے اور اس کے مطابق عمل کرنے کو حرام سمجھا جاتا ہے؟

عورت کا مقام قرآن میں

اس جگہ بات عورت اور اس کے مقام کی چل رہی ہے چنانچہ قرآن کریم میں اس کی اتنی وضاحت کی گئی ہے کہ اس وضاحت کی موجودگی میں ہمیں ادھر ادھر دیکھنے کی ضرورت نہیں لیکن افسوس کہ اس کے متعلق بھی ہم نے قرآن کریم اور سنت رسول ﷺ کو پس پشت ڈال دیا اور لوگوں کے اقوال اور علاقائی رسم و رواج کو وہ اہمیت دی کہ کتاب و سنت کو اس

کے تابع کر دیا۔ عورت کے متعلق برصغیر کے ہندوؤں نے جو تصویر کشی کی تھی اس کا اثر مسلمانوں پر بھی چھا گیا اور مسلمانوں کی اکثریت نے بھی عورت کی زندگی کو ایک ایسی قید کی مانند تصور کیا جس میں روشنی کی کوئی کرن نہ جاسکتی ہو چنانچہ اس کا گھر سے نکلنا جائز ہوتا ہے نہ مسجد میں جانے کی گنجائش ہوتی ہے۔ مردوں کے ساتھ اس کی گفتگو چاہے کس ادب و احترام کے دائرہ کے اندر ہو جائز نہیں اس کا چہرہ اور ہتھیلیاں ستر ہیں، اس کی آواز اور اس کی بات چیت بھی ستر ہے یہاں تک کہ اس کا سفید لباس بھی قابل گرفت ہے حالانکہ سفید لباس حج و عمرہ میں خواتین پہنتی ہیں اور عورت کے سفید لباس پر تنقید اس لیے کی جاتی ہے کہ اس میں مردوں کے لباس سے مشابہت پیدا ہو جاتی ہے۔

عورتوں کے لباس پر تنقید

پھر اس مشابہت کو دور کرنے کے لیے عورتوں کا لباس عجیب رنگ اختیار کر گیا ہے اس وقت عورتیں جو لباس پہنتی ہیں اس میں گلہ بند ہونے کی بجائے اتنا زیادہ کھل گیا ہے کہ ہر عورت کا سینہ، سینہ کے ابھارتک تو بالکل واضح نظر آتا ہے پھر قمیص کی سلائی مردوں سے الگ رکھنے کے لیے ایسی کی جاتی ہے کہ پورے جسم کی ساخت اس طرح کھل کر سامنے آ جاتی ہے جیسے اسکے جسم کی بناوٹ ہوتی ہے گویا عورت کے جسم پر اور اس کی کھال پر ایک مزید شاندار کھال بنا کر چڑھا دی جاتی ہے لیکن اس کو کوئی بھی برا نہیں سمجھتا کیونکہ اس سے مردوں اور عورتوں کے لباس میں فرق نمایا ہو جاتا ہے۔ گویا پردہ، پردہ کی رٹ لگانے والوں نے عورت کو اس طرح بے پردہ کر دیا ہے کہ اس کی اصل کھال پر ایک مصنوعی اور خوبصورت کھال چڑھا دی ہے جس نے اصل پردہ کا ستیاناس کر کے رکھ دیا ہے۔ یہ ستم کچھ کم نہ تھا کہ مزید ستم یہ ڈھایا کہ اس دوسری اور مصنوعی کھال کے اوپر ایک تیسری کھال کو لازم بنادیا جس نے جسم کے ابھاروں اور جسم کی ساخت کو اپنی رنگت کے لحاظ سے مزید نمایاں کر دیا کہ جن کی رغبت اس طرف نہیں ہونا تھی ان کی بھی ہو جائے۔ ان حالات کو دیکھ کر خوف آتا ہے کہ ہم مسلمان مکمل طور پر دنیا کے حالات سے بے خبر ہو کر مصنوعی پابندیوں کو اصل اور حقیقی پابندیوں پر فوقیت دینے کو دین سمجھ بیٹھے ہیں جس کے نقصانات زیادہ اور فوائد نہ ہونے کے برابر ہیں اور ان مصنوعی پابندیوں کے باعث پوری قوم کو گھپ اندھیرے کی طرف لے جا رہے ہیں اور حالات کے تقاضا کو ہماری نظر کبھی دیکھنے کے لیے تیار نہیں۔ کیا اسلام ضد اور ہٹ دھرمی کا نام ہے؟

کہاوت ہے کہ ”لوہے کو لوہا کا ٹٹا ہے“ اور یہ سو فیصد سچ ہے آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ عورت کے لیے ایک آنکھ کھلی رکھنے کے مصنوعی پردہ پر زور صرف کرنے والوں کے اس مصنوعی پردہ کی پابندی کو انٹرنیٹ اور موبائل کی صنعت نے کس مقام پر لا کھڑا کر دیا ہے اور ان مصنوعی پردوں کو چاک ہونے کی داستانیں کس طرح اخبارات اور نشر و اشاعت کے دوسرے وسائل پر کھل کر سامنے آرہی ہیں۔

نظریں نیچی رکھنے کا اخلاقی درس

اگر یہ سارا راز و رمانت و دیانت کے ساتھ اس بات پر صرف ہوتا کہ مردوں اور عورتوں کو اخلاقی لحاظ سے اپنی اپنی نظریں نیچی رکھنے اور اپنے اپنے منہ دھیان چلنے کا حکم ہے اور تمام مسلمان مردوں اور عورتوں کو اس کی پابندی کرنا ضروری ہے ورنہ تم اسلام کے فرزند قرار نہیں پاؤ گے اور یہ پابندی تم کو باہر کے راستہ چلتے ہوئے بھی کرنی ہے اور گھر اور چار دیواری کے اندر رہ کر بھی اور اپنے دلوں کے ارادہ سے کرنی ہے مصنوعی پابندیوں سے نہیں کیونکہ تقویٰ کا مقام دل ہے اور دل پر کوئی مصنوعی پابندی اثر انداز نہیں ہو سکتی بلکہ دل پر وہی پابندی اثر انداز ہوتی ہے جو اللہ رب کریم نے ہر انسان کے دل میں ودیعت کر دی ہے۔

نبوی دور میں عورت کی آزادی

ہم دیکھتے ہیں کہ نبی اعظم وآ خصلت ﷺ حجۃ الوداع میں اپنی سواری پر سوار جا رہے ہیں اور آپ کا چچا زاد فضل بن عباس خوب زونو جوان آپ کا ردیف ہے۔ راستہ میں عرب کی ایک خوبصورت نوجوان عورت آپ کا راستہ روک کر آپ سے اپنی ضرورت کا ایک مسئلہ دریافت کرتی ہے آپ اُس کا جواب دیتے ہیں اور جب فضل کی طرف دھیان جاتا ہے تو آپ کو معلوم ہوتا ہے کہ فضل اس نوجوان عورت کی طرف رغبت سے دیکھ رہا ہے آپ اپنی بات جاری رکھتے ہیں اور اپنے ہاتھ کو پیچھے کر کے فضل کا منہ دوسری طرف پھیر دیتے ہیں اور دوران گفتگو آپ دو تین بار ایسا عمل کرتے ہیں اور پھر آگے بڑھ جاتے ہیں۔ آپ نے اُس عورت کو بھی کچھ نہیں کہا اور فضل کو بھی ڈانٹ ڈپٹ نہیں فرمائی، کیوں؟ اس لیے جو آپ نے عمل کیا اُس کو اس نوجوان عورت نے بھی دیکھا اور آپ کے ردیف فضل کو بھی تعلیم ہو گئی اور یہ عملی تعلیم ہی وہ تعلیم ہے جس کو صحیح معنوں میں انسان کا دل قبول کرتا ہے اور جس کا انسان کے دل پر اثر باقی رہتا ہے۔ یہ روایت بخاری میں نمبر (۱۵۱۳، ۱۸۵۴، ۱۸۵۵، ۴۳۹۹ اور ۶۳۲۸) پر درج ہے ملاحظہ کریں۔

مغرب میں ایسا کیوں ہو رہا ہے؟

ہمیں معلوم ہے کہ مغرب میں اس وقت کیا کچھ ہو رہا ہے اور عورت کی آزادی نے نہیں بلکہ بے راہ روی نے کیا صورت حال اختیار کر رکھی ہے اور اہل مغرب مرد و زن کے درمیان مکمل طور پر فرق مٹانے کے درپے ہے۔ ان کی نظر میں عورت انسان ہے جس طرح مرد انسان ہے اور دونوں ایک ہی جیسے عمل کے نتیجہ میں اس دنیا میں آئے ہیں پھر دونوں میں تفاوت کے کیا معنی؟ ان کا دار و مدار بھی صرف اور صرف اس ایک اختراع پر ہے۔

اہل مغرب کے ہاں دورِ جدید میں جو کچھ اس سلسلہ میں ہو رہا ہے اُس کی داستانیں ہمارے علمائے گرامی قدر نہایت خوشی کے ساتھ جسکے دارالفاظ میں لوگوں کو سناتے ہیں اور خود بھی محفوظ ہوتے ہیں اور سامعین کو بھی محفوظ کرتے ہیں اور اس طرح اس بے لطف گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ اہل مغرب کے ہاں جو کچھ ہوا اس کا پس منظر کیا ہے؟ اس معاملہ میں وہ حدود سے تجاوز کیوں کر گئے ہیں؟

مغربی اور مشرقی غلو کا نتیجہ

سچی بات یہ ہے کہ مغربی تہذیب کے دلدادہ اور غلو پسندوں کا اعتدال سے تجاوز کرنا مشرقی روایات کی غلو کی حد تک تقلید کرنے والوں کی بے اعتدالی کا رد عمل ہے اور بے اعتدالی کا نتیجہ بے اعتدالی ایک فطری عمل ہے۔ مغرب کے ہاں ایک مدت تک وہی کچھ رہا جو مشرق کے ہاں مغرب ہی سے در کر آیا ہے مطلب یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ وہی کچھ کرتے آ رہے تھے جو مشرق نے قبول کیا کیونکہ قرآن کریم اور اسلامی روایات میں ایسی کوئی چیز نہ تھی جب مشرق نے اُن کی روایات کو قبول کر لیا تو مغرب کو معلوم ہوا کہ اسلامی روایات اور قرآن کریم میں جو کچھ ہے وہ اصل ہے تو انہوں نے اپنی حالت کو بدلنا چاہا جس میں مشرق کی طرف سے مزاحمت ہوئی اور اس مزاحمت کے نتیجہ میں مغرب نے جو کچھ قرآن کریم اور اسلامی روایات سے روشنی حاصل کی تھی اُس سے بھی متجاوز کر گیا تاکہ مشرق کو یہ معلوم ہی نہ ہو سکے کہ مغرب نے جو کچھ لیا ہے وہ تو تعلیمات ہی ہماری ہیں۔ مسلمانوں نے جب اُن کی حالت کو دیکھا تو بجائے اس کے کہ وہ قرآن کریم اور اسلامی روایات کی طرف آتے وہ مغرب کی مخالفت میں جُت گئے اور انہوں نے اس بات کا خیال نہ کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کا مکلف نہیں بنایا اور نہ اس بات کا پابند کیا ہے کہ ہم مشرق کی پیروی کریں یا مغرب کی

وہ ان ہی پرانی روایات پر جن کا تعلق اسلام سے ہرگز نہ تھا ڈٹے رہے۔ اب جب اُن کے سامنے قرآن کریم کی ہدایات اور اسلامی روایات رکھی جاتی ہیں تو وہ اُن سے بھی یہ کہہ کر منہ پھیر جاتے ہیں کہ فلاں امام نے یہ لکھا ہے اور فلاں فلاں بزرگوں نے یہ تحریر کیا ہے، کیا وہ سب لوگ قرآن کریم اور ان اسلامی روایات کو نہیں سمجھتے تھے؟ اس طرح آج بد قسمتی سے مسلمان کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کا تقابل بزرگوں کے اقوال سے کر کے کتاب و سنت کی تعلیمات کو رد کر رہے ہیں اور یہ بات صرف ایک عورت کے پردہ کے بارے میں نہیں بلکہ دین کے ہر معاملہ میں یہی صورت حال اختیار کر گئی ہے۔ عوام خود اس قابل نہیں ہوتے کہ وہ براہِ راست ہر بات کو کتاب و سنت سے دیکھ سکیں اور روایات کو صحیح اور غلط کے لحاظ سے پرکھ سکیں اُن کا مکمل انحصار علمائے کرام پر بھی نہیں بلکہ اپنی مسجد کے ملاؤں پر ہوتا ہے اور جو وہ کہہ دیتے ہیں اُس کو حرفِ آخر سمجھتے ہیں اور مکتبہ فکر کے بڑے بڑے علماء جو اپنے فکر کے لحاظ سے نامور شخصیتیں ہیں اُن کا کام محض اپنے مکتبہ فکر کی رسہ گیری ہے اور وہ اپنا کام دل کھول کر سرانجام دے رہے ہیں۔

اقوال کو طلاق اور کتاب و سنت سے نباہ

مختصر یہ کہ ہم مجموعی طور پر جب تک ان اقوال کا پیچھا نہیں چھوڑیں گے اور خالصہ کتاب و سنت کی طرف نہیں آئیں گے ہماری زندگی کے مسائل کبھی حل نہیں ہوں گے اور جب تک مساجد کا انتظام حکومت اپنی تحویل میں لے کر یکساں ایک جیسا نہیں کرے گی بلکہ فکری اور گروہی لعنت کو ہوا دیتی رہے گی ہم زمانہ میں اسی طرح ذلیل و خوار رہیں گے اور ہماری یہ مذہبی لڑائیاں کبھی ختم نہیں ہوں گی جنہوں نے ہماری سیاست کو بھی اپنی زد میں لے لیا ہے اور دین اسلام کو بھی۔

دوسرے تمام اسلامی کاموں کی طرح مسلمان خاتون کی حیثیت بھی اُس وقت تک اُجاگر نہیں ہو سکتی جس وقت تک ہم اسلامی خاتون کو علماء کرام کے اقوال سے نکال کر صرف اور صرف کتاب و سنت کی طرف نہیں لائیں گے۔ قرآن کریم میں جن انبیاء کرام کا ذکر ہے ان کے تذکار بھی بدستور اسی طرح ہماری راہنمائی کرتے ہیں کیونکہ تمام انبیاء و رسل کی تعلیمات یکساں ایک جیسی تھیں اور حلت و حرمت کا معاملہ شروع سے لے کر آخر تک یعنی نبی اعظم و آخر ﷺ تک یکساں ایک جیسا چلا آ رہا ہے بلاشبہ انبیاء کرام اور رسل عظام اپنے

اپنے زمانہ میں بعض احکامات میں اپنی اپنی امتوں سے الگ تھے لیکن وہ بھی اپنے دائرہ میں سب یکساں ایک جیسے تھے لہذا ان مخصوص احکامات سے جو صرف اور صرف انبیاء کرام کے لیے تھے ہمیں بحث کرنا ہی فضول ہے کیونکہ نبوت کا سلسلہ اب ختم ہے اب کوئی نیا پیرانا رسول نہیں آئے گا اور جانے والوں کے دوبارہ آنے کی جتنی کہانیاں بیان کی جاتی ہیں ان کا تعلق حقائق سے ہرگز نہیں کیونکہ تمام جانے والے اب صرف اور صرف ایک ہی بار آئیں گے جس روز کو قیامت کا روز کہا جاتا ہے۔

ایک آنکھ کھلی رکھوانے والوں کا کارنامہ

قوم کو عورت کی ایک آنکھ کھلی رکھنے کا درس دینے والوں کی اپنی حالت کیا ہے؟ ان کی بیویاں، بہنیں اور بیٹیاں کالجوں اور یونیورسٹیوں میں مخلوط تعلیم حاصل کر کے تمام کاروباروں میں فعال ہیں کالجوں میں پڑھا رہی ہیں، ڈاکٹر ہیں، وکیل ہیں، جج ہیں۔ بڑے بڑے حکومتی عہدوں پر فائز ہیں، صوبائی اور قومی اسمبلیوں میں تشریف فرما ہیں۔ غرض کہ ہر جگہ اور ہر دفتر میں دیکھی جاتی ہیں لیکن کوئی نہیں پوچھتا کہ یہ تمام عہدے اور کاروبار ایک ہی آنکھ کھلی رکھ کر چلائے جا رہے ہیں؟ اس ملک عزیز کے رہنے والے سادہ لوح عوام یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں لیکن یہ سب دیکھا ان دیکھا کر کے صرف ان کے ارشادات پر کان دھرے بیٹھے ہیں اور ”سچ فرمایا آپ نے“ کی رٹ لگا رہے ہیں۔ آخر یہ کمال کس چیز کا ہے؟ آپ مائیں یا نہ مائیں یہ کمال صرف اور صرف فرقہ بندی اور گروہی تقسیم اور اندھی تقلید کا ہے جو روز بروز بڑھ رہی ہے۔

عوام جب تک کوشش کر کے ان فقہی اور گروہی تقسیم سے باہر نکل کر خود اپنے لیے اس اسلام کو اپنا راہنما نہیں بنائیں گے جو اسلام نبی اعظم ﷺ پر نازل ہوا جس کے تمام اصول صرف اور صرف قرآن کریم میں مفصل طور پر تحریر کیے گئے ہیں ان کی طرف نہیں آئیں گے اور صرف اور صرف ان ہی اصولوں کو اپنا راہنما نہیں بنائیں گے ان کی حالت ہرگز ہرگز نہیں بدلے گی۔

مقلد اور غیر مقلد کا فرق کیا؟

بات مبہم نہ رہے بلکہ واضح ہو جائے کہ اس وقت بہت لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم مقلد نہیں بلکہ تقلید کی مذمت کرتے نظر آتے ہیں بلاشبہ ایسے لوگوں کی فی زمانہ کمی نہیں لیکن

جو کچھ کہا جاتا ہے وہ حقیقت نہیں، کیوں؟ اس لیے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ تقلید صرف کسی ایک امام کی ہوتی ہے اور ہمارے ہاں چار امام اور چار فقہیں معروف ہیں اور جس کا اعلان ہو کہ وہ ان چاروں اماموں اور ان کی فقہوں میں سے کسی ایک فقہ کے مقلد نہیں وہ غیر مقلد ہیں، ایسا نہیں ہے بلکہ یہ محض ایک دھوکا ہے حقیقت یہ ہے کہ ان کا مکتبہ فکر الگ ہے جو گویا پانچواں مکتبہ فکر ہے وہ ایک شخص کی نہیں بلکہ ایک گروہ کی تقلید کرتے ہیں اور اپنی تقلید میں دوسرے چاروں مکتبہ فکر سے زیادہ سخت ہیں گویا وہ ایک شخصی ڈکٹیٹر کو نہیں بلکہ ایک فکر اور گروہی ڈکٹیٹر کو تسلیم کرتے ہیں اور اس پر طرہ یہ کہ وہ نام بھی ”حدیث اور اہلحدیث“ کا استعمال کرتے ہیں اور قرآن کریم سے دوسروں سے بھی زیادہ ”کد“ رکھتے ہیں اور احادیث کو ”مثیل قرآن“ قرار دیتے ہیں جب کہ قرآن کریم اپنا مثل ماننے سے مکمل طور پر انکاری ہے اور اپنا مثل قرار دینے والوں کو چیلنج کرتا نظر آتا ہے اور برملا کہتا ہے کہ:

فاتوا بسورة من مثله وادعوا شهداء کم من دون الله ان کنتم صدقین ○ (۲۳:۲) ”تم بھی اس کی سی ایک صورت بنا لاؤ اور اللہ کے سوا جن جن کو تم نے اپنا حمایتی سمجھ رکھا ہے ان سب کو اپنی مدد کے لیے بلا لو، اگر تم سچے ہو۔“
کاش کہ وہ اتنا سمجھ جائیں یا سمجھ چکے ہیں تو ہمیں سمجھا دیں کہ کیا رسول اللہ ﷺ من دون اللہ نہیں؟ کیا رسول کا کلام اور اللہ کا کلام ایک ہی کلام ہے، دوا لگ الگ کلام نہیں؟
ہاتو برہانکم ان کنتم صادقین۔

خیال رہے کہ عورت حقیر نہیں بلکہ مکرم ہے

انسان اول کی بحث نہ کریں کیونکہ وہ کسی کی اولاد نہیں بلکہ وہ محض اللہ رب کریم کی مخلوق ہے پھر یہ صرف ایک انسان کی بات نہیں بلکہ دنیا کی ہر ایک مخلوق کی بات ہے کہ ہر مخلوق اول کی ابتداء پر ولد یا ابن کا لفظ اطلاق نہیں کرتا۔ اس مخلوق اول کو چھوڑ کر جن جن مخلوقات پر ولد یا ابن کا لفظ اطلاق کرتا ہے وہ اپنی ماں رکھتا ہے اور ہر ماں اپنا زوج رکھتی ہے گویا جب بھی ولد، والدہ یا والد ہونے کا تذکرہ آئے گا ان تینوں میں سے ایک کا ذکر آئے گا تو باقی دو لازم ہوں گے گویا یہ تینوں ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں۔ دنیا میں مخلوق اول کے سوا کوئی انسان ایسا نہیں آیا جس کی ماں نہ ہو، وہ نبی و رسول ہو یا اللہ رب کریم کا کوئی اور برگزیدہ بندہ ہو اور ماں کا احترام ہر ایک شخص کے لیے ضروری ہے خواہ وہ

کون ہو کہاں ہو اور کیسا ہو؟ کیا بتائیں گے کہ ماں بھی عورت ہوتی ہے یا نہیں؟ اگر ہوتی ہے تو پھر اس کو حقیر کیوں سمجھتے ہو؟

محبت اور اظہار محبت، احترام اور اظہار احترام

جس طرح محبت کا لفظ ایک ہے لیکن عام انسان، ماں، بیٹی اور بیوی کی محبت کا طریقہ اظہار الگ الگ ہے بالکل اسی طرح عام انسان کا احترام، ماں کا احترام، بہن کا احترام، بیٹی کا احترام اور بیوی کا احترام ہر انسان کے لیے ضروری ہے چاہے اس احترام کا طریقہ الگ الگ ہو اور عورت سے یہ تمام رشتے اپنی اپنی جگہ یکساں ایک جیسے موجود ہیں پھر اس کو آخر قابل نفرت کیسے سمجھا جاسکتا ہے؟ اور اگر کوئی سمجھتا ہے تو عالم کیسے ہو سکتا ہے کیا جاہل کو عالم اور جہالت کو علمیت قرار دیا جاسکتا ہے؟

اگر غور و فکر کی عادت ہے تو اپنے ارد گرد دیکھو تم کو معلوم ہو جائے گا کہ تمام لوگوں کی نسبت خواتین، دین، اخلاق اور خیر کی باتیں سیکھنے کا زیادہ جذبہ رکھتی ہیں۔ بات سننے اور ماننے کی ان میں مکمل صلاحیت پائی جاتی ہے بشرطیکہ حق و انصاف کے ذریعہ ہدایت سمجھنے والے نیک صالح مسلمین و مسلمات کو توفیق ملے کہ وہ خواتین کو تعلیم دلانے کا اہتمام کریں اور خواتین کے لیے خود بھی نیک عملی کا نمونہ پیش کریں۔ وہ یقیناً خواتین ہی میں دین کی باتوں کا شوق و ذوق زیادہ پائیں گے اور عملی لحاظ سے ان کی فوقیت کو تسلیم کریں گے۔

ساٹھ سال کا ذاتی تجربہ جو ابھی تک جاری ہے

تقریباً عرصہ ساٹھ سال سے میرا تعلق تعلیم و تعلم سے ہے میں حلفاً یہ بات کہتا ہوں، میں نے دیکھا ہے کہ مجموعی طور پر خواتین مردوں کی نسبت زیادہ دینداری کا اہتمام کرتی ہیں اور یہ بات سورج کی طرح واضح نظر آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خصوصی طور پر صنف نازک کو شفقت، محبت، ہمدردی اور رحم دلی کے جن جذبات سے نوازا گیا ہے ان ہی لطیف احساسات و جذبات نے اس کو مرد کے مقابلہ میں دین کے زیادہ قریب کر دیا ہے۔ نبی اعظم وآخروہ ﷺ کے دور اقدس میں بھی ایسی بے شمار عورتوں کا ذکر ملتا ہے جنہوں نے دینی کاموں میں جو ان کے متعلق ہیں مردوں سے زیادہ قربانیاں پیش کی ہیں اور اپنے مخصوص کاموں کو سرانجام دینے کے ساتھ ساتھ مردوں کے ساتھ بھی ان کے مخصوص کاموں میں دل کھول کر ان کی خدمت کی ہے اور ان کے ساتھ تعاون کا ہاتھ بڑھایا ہے۔

کتب روایات بھی پکار پکار کر کہتی ہیں کہ:

کتب روایات کا گہرائی میں مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ایک مسلمہ عورت مردوں کو امر بالمعروف اور نہی المنکر کرتی نظر آتی ہے وہ مہمانوں کا استقبال کرتی ہے جن میں خود نبی اعظم وآخروہ ﷺ بھی شامل ہیں اور ان کے لیے کھانا تیار کرتی ہے۔ وہ اپنے گھر کے دروازے مہمانوں کے لیے کھولتی ہے جن میں مہاجرین اول شامل ہیں۔ وہ اپنی شادی کے ولیمہ میں مرد مہمانوں کے لیے کھانا خود تیار کرتی ہے اور اس کھانا میں آپ بھی شریک ہیں اس لیے آپ کو خصوصاً میٹھا اور عمدہ پانی پیش کرتی ہے۔ وہ نبی اعظم وآخروہ ﷺ کے ساتھ جنگوں میں شریک ہو کر پیاسوں کو پانی پلاتی اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی ہے۔ وہ آپ سے درخواست کرتی نظر آتی ہے کہ یا رسول اللہ! خواتین کے لیے مخصوص درس کا اہتمام کیا جائے کیونکہ مردوں کی کثرت کے باعث ہم ساری باتیں نہیں سن سکتیں۔ وہ مسجد نبوی میں آخری عشرہ میں اعتکاف کرتی ہے۔ وہ جمعہ کی نماز میں آپ کے ساتھ شریک ہوتی ہے اور آپ سے سن کر سورہ قیامہ یاد کرتی ہے۔ وہ آپ کے پیچھے مسجد نبوی میں عشاء اور فجر کی نماز ادا کرتی نظر آتی ہے۔ وہ چادر نہ ہونے کے باعث کسی دوسری بہن سے چادر مستعار لے کر عید کے روز، عید گاہ میں مسلمانوں کے ساتھ نماز ادا کرتی ہے اور دعا میں شریک ہوتی ہے۔ وہ بغیر خاوند، بھائی، بیٹے اور باپ سے پوچھے اپنا زور صدقہ و خیرات کرتی دیکھی جاتی ہے۔ وہ مخصوص دنوں کی اذیت میں مبتلا ہونے کے باوجود عید گاہ میں حاضر ہو کر مسلمانوں کے ساتھ نماز کو ترک کرتے ہوئے دعا میں شریک دکھائی دیتی ہے۔ وہ آپ سے درخواست کرتی نظر آتی ہے کہ میرے لیے دعا فرمائیں کہ میں بھی اس غزوہ میں شریک ہو سکوں جو غزوہ سمندری سفر طے کر کے کیا جانے والا ہے اور نبی اعظم وآخروہ ﷺ اُس کی درخواست سننے ہیں اور اس کے لیے غزوہ میں شریک ہونے کے لیے دعا فرماتے ہیں۔ اور آپ کی یہ دعا اپنا اثر دکھائی دیکھی جاتی ہے۔

قرآن کریم میں مردوں کو خطاب ہے تو عورتیں بھی اس میں موجود ہیں

قرآن کریم میں عام انسانوں کو مخاطب کر کے بات کی گئی ہے اور اسی طرح مسلمانوں کو مخاطب کر کے بھی احکام دیئے گئے ہیں اور ہر مقام پر چاہے صیغہ جمع مذکر کے استعمال ہوتے ہیں لیکن بالاتفاق یہ بات تسلیم ہے کہ ہر مقام پر مردوں کے ساتھ عورتیں بھی مخاطب

ہیں اس میں کوئی اس طرح کی بحث موجود نہیں کہ یہاں چونکہ مذکر کے صیغے استعمال ہوئے ہیں اس لیے عورتیں اس میں شامل نہیں، چنانچہ قرآن کریم میں ”انس“ کا لفظ ۲۴ بار ”للناس“ کا لفظ ۴۱ بار، ”الناس“ کا لفظ ۱۱۴ بار اور ”الانسان“ کا لفظ ۵۷ بار استعمال ہوا ہے اس میں ”یا ایھا الناس“ کا خطاب بھی شامل ہے اور ہر ایک جگہ مردوں کے ساتھ عورتیں بھی شامل ہیں کیونکہ اس مادہ کے الفاظ میں جہاں مرد آتے ہیں وہاں عورتیں بھی برابر کی شریک ہیں۔ اسی طرح ”یا ایھا الذین امنوا“ سے ۸۷ بار مخاطب کیا گیا ہے اور یہ تمام خطابات مدنی سورتوں میں ہیں کی نہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ مدنی زندگی میں بھی عورتیں مردوں کے ساتھ برابر کی شریک رہی ہیں اور کسی ایک جگہ بھی عورتوں کو مستثنیٰ نہیں کیا گیا۔ ان بیانات کا مطلب یہی ہے کہ مردوں کے ساتھ عورتیں بھی ان تمام احکام و نواہی میں برابر کی شریک ہیں یہ دوسری بات ہے کہ بعض جگہوں پر مسلمان مردوں کے ساتھ مسلمان عورتوں کو بھی مخاطب کر کے بات کی گئی ہے جو اوپر والی بات کو مزید تقویت دیتی ہے تاکہ یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ عورت مرد کے ضمن ہی میں مخاطب ہوتی ہے براہ راست نہیں، ہرگز نہیں بلکہ قرآن کریم میں جس طرح مردوں کو مخاطب کر کے بات کی ہے بعض مقامات پر عورتوں کو بھی خصوصاً مردوں کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے اور سورہ الاحزاب میں جہاں مسلمان مردوں کی دس صفات کو اجاگر کر کے بیان کیا گیا ہے وہاں عورتوں کا بھی ان تمام صفات میں مردوں سے الگ نام لیا گیا ہے جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے کہ ”ان المسلمین والمسلمات“ وغیرہ (۱۵:۳۳)

مردوزن کی اصل بھی ایک ہے اور خطاب بھی

غور کیجئے کہ کیا مرد اور عورت کی اصل ایک نہیں؟ بلاشبہ ایک ہے، کیسے؟ ایسے کہ اللہ تعالیٰ جو تمام مخلوق کا خالق و مالک ہے قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے کہ ”اے افرادِ نسل انسانی! اپنے پروردگار سے ڈرو وہ پروردگار جس نے تمہیں اکیلی جان سے پیدا کیا اور اس کی جنس سے اس کا جوڑا بھی پیدا کیا، پھر دونوں سے مردوں اور عورتوں کی بڑی تعداد دنیا میں پھیلا دی۔ پس دیکھو، اللہ تعالیٰ سے ڈرو جس کے نام پر باہم دگر سوال کرتے ہو، نیز قرابتداری کے معاملہ میں بے پروا نہ ہو جاؤ یقین رکھو کہ اللہ تم پر نگرانِ حال ہے۔“ (۱:۴)

نسل انسانی میں دونوں یعنی مرد و زن برابر ہیں، اللہ تعالیٰ کا ڈر اور خوف دل میں رکھنے کے حکم میں دونوں برابر ہیں، نسل انسانی کے اجراء میں دونوں برابر کے شریک و سہم

ہیں دونوں قرابتداری کے معاملہ میں یکساں ایک جیسے سوال کیے جانے والے ہیں یعنی اپنی اپنی قرابتداری کے حقوق و فرائض کی ادائیگی میں برابر ہیں اگر دونوں کی اپنی اپنی شخصیت اور اپنی اپنی اہمیت نہ ہوتی تو دونوں ان معاملات میں برابر کیونکر ہوتے؟

بحیثیت انسان دونوں کی ذمہ داریاں بھی ایک جیسی ہیں

قرآن کریم میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ: ”بلاشبہ آسمان و زمین کے پیدا کرنے میں اور رات دن ایک کے بعد ایک آتے رہنے میں اربابِ عقل و دانش کے لیے بڑی ہی نشانیاں ہیں۔ وہ لوگ ہیں جو کسی حال میں بھی اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل نہیں ہوتے، کھڑے ہوں، بیٹھے ہوں، لیٹے ہوں، جن کا شیوہ یہ ہوتا ہے کہ آسمان و زمین کی خلقت میں غور کرتے ہیں پھر پکار اٹھتے ہیں اے اللہ! یہ سب کچھ تو نے بلاشبہ بیکار و عبث نہیں پیدا کیا، یقیناً تیری ذات اس سے منزہ ہے کہ ایک بے کار کام اس سے صادر ہو، اے ہمارے رب! ہمیں عذابِ آتش سے بچالے۔ اے ہمارے رب! جو ایسا ہو کہ تو اُسے دوزخ میں ڈالے تو بلاشبہ تو نے اُسے رسوائی میں ڈالا اور ظلم کرنے والوں کے لیے کوئی مددگار نہیں۔“

اے ہمارے رب! ہم نے ایک منادی کرنے والے کی منادی سنی جو ایمان کی طرف بلا رہا تھا کہ لوگو! اپنے رب پر ایمان لاؤ، تو ہم ایمان لے آئے، پس اے ہمارے رب! ہمارے گناہ بخش دے، ہماری برائیاں مٹا دے اور ایسا کر کہ ہمارا انجام نیک کرداروں کے ساتھ ہو۔

اے ہمارے رب! ہمیں وہ سب کچھ عطا فرما جس کا تو نے اپنے رسولوں کی زبانی وعدہ فرمایا ہے، قیامت کے دن ہمیں ذلت نہ ہو، بلاشبہ تیرا وعدہ کبھی خلاف نہیں ہوتا۔ پس ایسی دعائیں کرنے والوں کی دعائیں اُن کے رب نے قبول کر لیں اور فرمایا کہ بلاشبہ میں کبھی کسی عمل کرنے والے کا عمل ضائع نہیں کرتا مرد ہو یا عورت تم سب ایک دوسرے کی جنس ہو لہذا امتناعِ عمل کا قانون بھی سب کے لیے ایک جیسا ہے، پس جن لوگوں نے راہِ حق میں ہجرت کی، اپنے گھروں سے نکالے گئے میری راہ میں ستائے گئے اور پھر راہِ حق میں قتل کیا اور قتل ہوئے تو یقیناً ایسا ہوگا کہ میں ان کی خطائیں محو کر دوں اور انہیں ابدی باغوں میں پہنچا دوں جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہوں، یہ اللہ کی طرف سے ان کے نیک اعمال کا ثواب ہوگا اور اللہ ہی ہے جس کے پاس بہتر ثواب ہے۔“ (۱۹۰:۳ تا ۱۹۵)

مذکورہ ذمہ داریوں کا تجزیہ

اوپر ذکر کی گئی ذمہ داریاں اللہ رب کریم کی طرف سے عائد کردہ ہیں اور ان میں واضح طور پر فرمایا گیا ہے کہ:

۱۔ ارباب عقل و دانش کے لیے نشانیاں ہیں اور ظاہر ہے کہ ان ارباب عقل و دانش میں جہاں مردوں کو خطاب ہے وہاں عورتوں کو بھی گویا عقل و دانش میں مردوں برابر کے شریک ہیں۔

۲۔ ”وہ لوگ اللہ رب کریم سے کسی حال میں بھی غافل نہیں ہوتے“ اس میں بھی دونوں فریق برابر کے حصہ دار ہیں اور اس غور و فکر کرنے میں بھی جس غور و فکر کا اس جگہ ذکر فرمایا گیا ہے۔

۳۔ عذاب و دوزخ سے پناہ طلب کرنے میں دونوں برابر ہیں۔ پکارنے والے کی پکار سننے میں بھی دونوں یکساں ایک جیسے شریک ہیں اور دونوں اس پکار کا جواب دینے میں بھی شامل ہیں پھر اس طرح کی دعائیں کرنے والوں کی جب دعائیں قبول و منظور کی جاتی ہیں تو واضح طور پر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ میں کبھی بھی کسی عمل کرنے والے کے عمل کو ضائع نہیں کرتا وہ مرد و خواہ عورت ہو اس لیے کہ تم دونوں یعنی مرد و عورت ایک ہی جنس کی دو اصناف ہو، اسی طرح ہجرت و جہاد میں دونوں شریک ہیں اور دونوں کی خطائیں معاف کرنے کا ذکر غیر مبہم الفاظ میں موجود ہے اور دونوں ثواب کی مستحق گردانے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں مرد و عورت کے بندہ ہونے میں کوئی فرق نہیں۔

وامرؤناہی میں یکسانیت

قرآن کریم ایسے بیانات سے بھرا پڑا ہے جن بیانات میں یہ باور کرایا گیا ہے کہ مرد و عورت دونوں امر و نواہی میں برابر برابر مخاطب ہیں اللہ تعالیٰ کی عبادت و قوی، فعلی اور مالی سب میں برابر کے شریک ہیں اللہ کی توحید نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کے احکامات دونوں اصناف پر لازم و ضروری ہیں۔ اخلاق و کردار کے لحاظ سے دونوں میں کسی طرح کا کوئی فرق نہیں ہر ذمہ داری دونوں فریق کے لیے برابر ہے۔

نیک و بد عمل میں مرد اور عورت کی برابری

”جو کوئی اچھے کام کرے گا خواہ مرد ہو یا عورت اور وہ ایمان بھی رکھتا ہو تو ایسے ہی

لوگ ہیں جو جنت میں داخل ہوں گے اور رائی برابر بھی ان کے ساتھ بے انصافی ہونے والی نہیں۔“ (۱۲۴:۴)

”جس کسی نے اچھا کام کیا خواہ مرد ہو خواہ عورت اور وہ ایمان بھی رکھتا ہے تو ہم ضرور اُسے دنیا میں اچھی زندگی دیں گے اور آخرت میں بھی ضرور اسے اجر دیں گے انہوں نے جیسے اچھے کام کیے ہیں اس کے مطابق ہمارا اجر بھی ہوگا۔“ (۹۷:۱۶)

”یاد رکھو جس نے برائی کی تو اُس کو اس برائی کے برابر بدلہ ملے گا اور جس نے نیک عمل کیا خواہ مرد ہو یا عورت اور وہ صاحب ایمان بھی ہو تو وہ سب کے سب جنت میں داخل ہوں گے اور وہاں ان کو بے حساب رزق ملے گا جس کا انہیں سان و گمان بھی نہیں ہوگا۔“ (۴۰:۴۰)

ازالہ وہم

مذکورہ آیات میں ”صاحب ایمان“ ہونا شرط ہے اس لیے سمجھ لینا چاہیے کہ ”صاحب ایمان“ کا مطلب یہ ہے کہ عمل اچھا ہو یا برا اُس کے ساتھ نیت و ارادہ کا ہونا بھی لازم ہے کیونکہ عمل کا تعلق نیت و ارادہ کے ساتھ ہے سہو و خطا کے ساتھ نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سہو و خطا کا ازالہ ہو سکتا ہے جیسے ممکن ہو لیکن جزاء و سزا نہیں۔ ایمان، یقین کا دوسرا نام ہے اور یقین بالارادہ ہوتا ہے، یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے۔

نبی اعظم و آخیتہ کے مخاطبین اول خاندان کے مرد اور عورتیں

نبی اعظم و آخیتہ جب مبعوث ہوئے تو سب سے پہلے آپ کو حکم دیا گیا کہ اپنے عزیز واقارب اور خاندان والوں کو مخاطب کرو اور اپنی حیثیت ان پر واضح کر دو اور اُن کو ایمان کی طرف دعوت دو۔ آپ کی اس دعوت کا ذکر بخاری میں اس طرح کیا گیا ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی ”وانذر عشیرتک الاقربین“ (۲۱۴:۲۶) ”اور اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرنا دو“ تو آپ اٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا ”اے قریش خاندان کے لوگو! اپنی جانوں کو خریدو یعنی عذاب الہی سے بچاؤ، میں تمہیں اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکتا۔ بنی عبد مناف! میں تمہیں اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکتا۔ عباس بن عبد المطلب! میں تمہیں اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکتا۔ صفیہ! رسول کی پھوپھی میں تمہیں اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکتا۔ فاطمہ بنت محمد! جو مال چاہو مانگو، میں تمہیں اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکتا۔“ (بخاری حدیث ۵۳۲۷، ۵۳۲۸، ۵۳۲۹)

معلوم ہوا کہ آپ کی دعوت بھی اللہ رب کریم کے حکم سے برابر خاندان کے مرد و زن سب کے لیے یکساں ایک جیسی تھی انداز تخطاب بھی سب کے لیے یکساں ایک جیسا تھا، جو بات عقل و فکر کا تقاضا ہو کہنے میں باک نہیں ہونا چاہیے۔ مذکورہ حدیث سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ آپ کی اس دعوت جو سورہ شعراء کے نزول کے بعد تصور کی جائے تو بھی اُس وقت فاطمہ الزہراءؑ بلوغت کو پہنچ چکی تھیں کیونکہ ان کو براہ راست مخاطب فرمایا گیا ہے اور یہ زمانہ چار یا پانچ نبوت کا ہو سکتا ہے جس کا مطلب صاف ہے کہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا دس بارہ سال قبل از نبوت پیدا ہوئیں اگر یہ بات قارئین کے حافظہ میں محفوظ رہی تو ان کو واقعات کے بیان کرنے میں بہت مدد دے سکتی ہے خصوصاً اُن لوگوں کو جو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی متغنی چھ سال کی عمر میں اور خضعتی ۸ یا ۹ سال کی عمر میں ہونے پر اپنا سارا علمی زور ختم کر دیتے ہیں اور بخاری شریف کی ان روایات کو جن میں سیدہ کی اس عمر کا ذکر سیدہ رضی اللہ عنہا کی اپنی زبان سے بیان کیا گیا ہے جب کہ حقائق روز روشن کی طرح واضح کرتے ہیں کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی متغنی ۱۶ سال کی عمر میں اور خضعتی ۱۹ سال کی عمر میں ہوئی ہے اور بخاری کی ان تمام روایات میں دہائی کا ہندسہ حذف کیا گیا ہے جس کا رواج اُس وقت بھی تھا اور آج بھی بدستور اسی طرح قائم چلا آ رہا ہے نیز یہ بھی کہ اس کی مثالیں بخاری شریف میں دوسری جگہوں پر بھی موجود ہیں۔

چلتے چلتے ایک مثال بھی سن لیں تاکہ بوقت ضرورت کام آئے

دنیاۓ اسلام کے تمام مسلمان خواہ کہاں کے رہنے والے ہوں یہ بات تسلیم کرتے ہیں کہ ”لیلۃ القدر“ جس رات کو کہا جاتا ہے وہ رمضان المبارک کے مہینہ میں ہوتی ہے اور رمضان المبارک کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں وہ شام کی جاتی ہے یعنی اکیسویں، تیسویں، پچیسویں، ستائیسویں راتوں میں اور زیادہ زور دو آخری تاریخوں پر دیا جاتا ہے اور روایات میں پچیسویں رات کو شامل کر کے آخری عشرہ کی آخری تین طاق راتوں کا ذکر اکثر پایا جاتا ہے۔ لیکن بخاری شریف کی روایات میں ان آخری طاق راتوں کا ذکر اس طریقہ سے آیا ہے اور ان روایات میں فی نفسہ عشرہ آخری کا ذکر بھی موجود نہیں بلکہ عشرہ آخری کا ذکر دوسری روایات میں ہے جو ان روایات کے علاوہ ہیں۔

التمسوها فی السبع والتسع والخمس (۴۹) فالتمسوها فی التاسعة

والسابعة والخامسة (۲۰۲۳) فالتمسوها فی التاسعة والسابعة والخامسة.
(۲۰۴۹)

علمائے کرام کی طرف مراجعت کرنے کی ہدایت

اپنی اپنی فکر کے علمائے کرام سے پوچھ لیں کہ اوپر درج شدہ الفاظ کا کیا مطلب ہے وہ ان تمام مقامات پر ”عشرین“ کا ہندسہ محذوف مانتے ہیں یا نہیں؟ اگر اس جگہ ”عشرین“ کا ہندسہ محذوف ہے تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کے سلسلہ میں بھی ”عشر“ کا ہندسہ محذوف تسلیم کر لیں جب کہ بہت سی دوسری روایات اس کی موید بھی ہیں اور زیادہ بحث نہ کریں کیونکہ مسئلہ اس قدر حساس ہے کہ اس کا بار بار اور مختلف دلائل سے تجزیہ کرنا مفید مطلب نہیں ہوگا اور مخالفین اسلام جو ان روایات کے سلسلہ میں اسلام کا منہ سیاہ کر کے دکھاتے نظر آتے ہیں وہ بھی دم بخود ہو کر رہ جائیں گے اور اس طرح ان شاء اللہ وہ ہرزہ سرائی سے باز آئیں گے جس کا ذمہ انہوں نے مدت سے اٹھایا ہے اور ان کے مقابلہ میں علمائے اسلام تاویلیں کر کے تھک گئے ہیں اور ان تاویلوں کے باعث انہوں نے اسلام کے روشن چہرہ کو مخالفین کے جوابات میں مزید داغدار کر دیا ہے۔ الامان والحفیظ

روایات بیان کرنے میں عورت کا کردار

بات عورت کے مقام کی ہو رہی ہے کہ اسلام کی ہدایات اس سلسلہ میں کیا ہیں؟ اور اسلام ایک کھلی کتاب ہے کتاب و سنت میں کوئی ایسی بات نہیں جو اسلام نے واضح نہ کی ہو مزید یہ کہ بعض باتیں اتفاقی بھی ہوتی ہیں اور یہ اتفاق بھی بلا وجہ نہیں ہوتے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ روایات جس طرح مردوں نے بیان کی ہیں عورتوں نے بھی کی ہیں بنیادی طور پر براہ راست آپ سے سن کر جس طرح صحابہ کرام نے بیان کیا ہے صحابیات نے بھی بیان کیا ہے۔ بعد میں ان روایان حدیث پر جب بحث کی گئی ہے اور بہت سے مردوں کی روایات کو ان کے حالات کے باعث ترک کیا گیا ہے اور ان کی کمزوریاں گنائی گئی ہیں کم از کم میں نے کسی بھی عورت پر اس طرح کی بحث نہیں دیکھی کہ کسی عورت نے احادیث کے متعلق کوئی جھوٹ بولا ہو اور نہ کسی عورت کی روایت اس لیے مسترد کی گئی ہے کہ اس کو بیان کرنے والی ایک عورت ہے بلکہ روایات کو دیکھنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ صحابیات نے بہت سے صحابہ کی باتوں کو سن کر ان کا علمی و عقلی طور پر رد کیا ہے اور کسی شارح نے اس پر نکیر بھی نہیں کی

یہ اتفاق محض اتفاق ہی ہے یا اس کا باعث کوئی اور چیز بھی ہے اس کی وضاحت علمائے کرام ہی کر سکتے ہیں اور خصوصاً وہ جو اس فن کے ماسٹر ہیں اس جگہ اس سلسلہ میں چند ایک مثالیں عرض کی جاتی ہیں جن کا بغائر مطالعہ کرنا قارئین کے لیے ضروری ہے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت عمرؓ اور ابن عمرؓ کی رائے کو رد کرتی ہیں

محمد المنتشر سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا اور ان کے سامنے ابن عمرؓ یعنی عبداللہ بن عمرؓ کا یہ قول بیان کیا کہ وہ کہتے ہیں ”میں پسند نہیں کرتا کہ اس حالت میں احرام کی نیت کروں جب مجھ سے خوشبو مہک رہی ہو (بخاری حدیث ۲۶۷) اور مسلم میں ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ ”میں اپنے اوپر تارکول مل لوں، یہ بہتر ہے اس سے کہ میں خوشبو لگاؤں“ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ ”میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوشبو لگائی پھر آپؐ ازواج مطہرات کے پاس سے ہو کر آئے اور احرام باندھ لیا (مسلم کتاب الحج باب الطیب المکرم عنہ الاحرام ج ۴ ص ۱۲)

اس روایت کو بیان کر کے فتح الباری میں جو اس پر بحث کی گئی ہے وہ بھی قابل دید ہے کیونکہ انہوں نے بحث کر کے یہ بات واضح کر دی ہے کہ مردوں میں سے خاص مرد یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے بیٹے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی رائے کو سالم بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اپنے باپ اور دادا کی رائے کو رد کرتے تھے اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی اوپر بیان کردہ روایت کے مطابق عمل کرنا پسند کرتے ہیں۔

سیدہ عائشہؓ اور سیدہ ام سلمہؓ ابو ہریرہؓ اور فضل بن عباسؓ کی رائے کو رد کرتی ہیں

ابوبکر بن عبدالرحمن بن الحارث سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ ”میں نے ابو ہریرہؓ کو کہتے ہوئے سنا وہ اپنی روایات کے ضمن میں بیان کر رہے تھے کہ جب کوئی شخص حالت جنابت میں ہو اور اس پر فجر کا وقت داخل ہو جائے تو وہ روزہ نہ رکھے تو میں نے اپنے والد کے سامنے اس روایت کا تذکرہ کیا۔ ان کو یہ بات نئی لگی تو وہ حضرت عائشہؓ اور حضرت سلمہؓ کے پاس تشریف لے گئے جب کہ میں بھی ان کے ساتھ گیا والد گرامی نے ان سے یہ مسئلہ دریافت کیا تو دونوں نے کہا آپ صبح کے وقت بعض اوقات حالت جنابت میں ہوتے اور جنابت بھی احتلام کے باعث نہ ہوتی پھر آپؐ روزہ رکھتے اور بعد میں غسل فرماتے۔ یہ بات دریافت کر کے ہم ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کے پاس آئے جب ان کو بتایا تو انہوں نے

کہا کیا ان دونوں نے یہ بات کہی ہے تو ہم نے کہا کہ جی ہاں! ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا وہ دونوں بہتر جانتی ہیں بعد ازیں ابو ہریرہ کہتے تھے کہ میں نے یہ بات فضل بن عباسؓ سے سنی تھی آپؓ سے براہ راست نہیں سنی تھی اس طرح گویا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اپنے پہلے بیان سے رجوع کر لیا (بخاری حدیث ۱۹۲۵، ۱۹۲۶، ۱۹۳۰، ۱۹۳۲)

سیدہ عائشہ صدیقہؓ نے عبداللہ بن عباسؓ کی رائے کو رد کر دیا

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ زیاد بن ابوسفیان نے ان کو لکھا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جو شخص ہدی یعنی حج کی قربانی کا جانور بھیجے تو اس جانور کے ذبح ہونے تک اس پر وہ چیزیں حرام ہو جاتی ہیں جو حاجی پر حرام ہوتی ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ایسا نہیں ہے کیونکہ میں نے اپنے ہاتھوں سے آپؓ کے قربانی کے جانوروں کے گلے میں لٹکائی جانے والی رسی بنائی اور آپؓ نے اپنے ہاتھوں سے اس رسی کو جانوروں کے گلے میں باندھا اور ان جانوروں کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھیج دیا تو ان جانوروں کی قربانی تک آپؓ پر کوئی ایسی چیز حرام نہ ہوئی یعنی آپؓ نے کوئی چیز ترک نہ کی جس کو اللہ نے حلال کیا ہے۔ (بخاری ۱۶۹۶، ۱۶۹۸، ۱۶۹۹)

روایات کو مشلہ معہ کہہ کر قرآن کریم کے ساتھ نہیں ملایا جاسکتا

مذکورہ روایات سے جہاں عورت کے مقام کی وضاحت ہوتی ہے وہاں یہ بات بھی معلوم ہو جاتی ہے کہ روایات کو ”مشلہ معہ“ سمجھنا یعنی قرآن کریم کی مثل قرار دینے کا نظریہ بھی صحیح نہیں کیونکہ روایات میں صحابہ کرامؓ کے اپنے اقوال و نظریات اور تفہیمات بھی پائی جاتی ہیں جب کہ قرآن کریم میں کسی انسان کے قول کی ہرگز ہرگز ذرا بھر بھی مداخلت نہیں یہاں تک نبی اعظمؐ و آخروہ صلوٰۃ کے اپنے فرمانات کی کتاب اللہ میں مداخلت نہ تھی آپؐ کا ذاتی کلام بہر حال مخلوق کا کلام ہے اور کتاب اللہ خالق کا کلام ہے اس میں جو کچھ مخلوق کی طرف سے آیا ہے وہ کتاب اللہ کی سند کے ساتھ اپنے لیے وہ سند رکھتا ہے جس میں شک و شبہ کا کوئی امکان نہیں کہ اس کو کوئی اپنے کلام سے رد کر سکے خواہ وہ کون ہو اور کہاں ہو۔ جس طرح آپؐ نے اوپر دیکھا ہے کہ ایک شخص دوسرے کے نظریہ کو رد کر رہا ہے حالانکہ ان سب کو روایات ہی میں شامل سمجھا جاتا ہے۔

تعلیم و تعلم میں عورتوں اور مردوں کی شراکت اور برابری

تعلیم و تعلم کے سلسلہ میں جو شخص بھی تعلیم دے سکتا ہے وہ مرد ہے یا عورت اُس کے لیے ضروری ہے کہ وہ سب کو تعلیم دے اور تعلیم کا لفظ ہر طرح کی تعلیم پر استعمال ہوتا ہے فقط کتاب و سنت کی تعلیم یعنی دین کی تعلیم کو ہی تعلیم نہیں کہا جاتا خود نبی کریم ﷺ جس طرح مردوں کی تعلیم فرماتے تھے اور عورتوں کی بھی اسی طرح تعلیم کرتے تھے وعظ و نصیحت بھی دونوں اصناف کو ایک جیسا ہوتا تھا صدقہ و خیرات کا ارشاد بھی سب کو یکساں فرمایا جاتا تھا۔ عورت پر یہ پابندی ہرگز نہ تھی کہ وہ اگر صدقہ و خیرات کرنا چاہے تو پہلے خاوند سے اجازت لے جس طرح مردوں کی ملکیت تھی بالکل اسی طرح عورتوں کی بھی ملکیت تھی جس طرح مرد اپنے مال میں اپنی مرضی سے تصرف کرتے ہیں عورتوں کو بھی حق ہے کہ وہ اپنے مال میں اپنی مرضی سے تصرف کریں جس طرح تمام کے تمام مردوں میں مال کمانے کی صلاحیت موجود ہے عورتوں میں بھی موجود ہے ان کو مال کمانے سے روکا نہیں جاسکتا جس طرح مرد اپنے والدین کی میراث پاتے ہیں اسی طرح بقدر حصہ عورتوں کا بھی اپنے ماں باپ کی وراثت میں حق موجود ہے۔ جس طرح مرد اپنی بیوی کے مال میں اُس کی وفات کے بعد حصہ دار ہے بالکل اسی طرح عورت بھی اپنے خاوند کے مال میں اپنا مقرر حصہ رکھتی ہے جب اُس کا خاوند وفات پا جائے۔

کفر کی سرزمین سے مردوں اور عورتوں کی ہجرت میں برابری

قرآن کریم میں جب ہجرت کا حکم نازل ہوا تو جہاں مردوں کے لیے ہجرت لازم تھی عورتوں کے لیے بھی تھی۔ یہ ضروری نہیں تھا کہ جن عورتوں کے محرم لوگ ہجرت کریں وہ اپنے محرم مردوں کے ساتھ ہجرت کر سکتی ہیں ہرگز نہیں قرآن کریم سب مردوں اور سب عورتوں کے لیے یکساں ایک جیسا حکم دیتا ہے اور انہوں نے اس حکم کے مطابق ہجرت کی۔ قرآن کریم میں ہجرت کے معاملہ میں مردوں اور عورتوں کے لیے الگ الگ احکام نہیں جیسا کہ ارشاد فرمایا گیا ہے کہ:

”جو لوگ اپنے ہاتھوں اپنا نقصان کر رہے ہیں ان کی روح قبض کرتے وقت فرشتے ان سے پوچھیں گے کہ تم کس حال میں تھے؟ وہ جواب دیں گے کہ ہم کیا کرتے؟ ہم ملک میں کمزور اور بے بس تھے، اس پر فرشتے کہیں گے کیا اللہ کی زمین وسیع نہ تھی کہ کسی دوسری

جگہ ہجرت کر کے چلے جاتے؟ غرض کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانا دوزخ ہوا، اور دوزخ کیا ہی بری جگہ ہے۔ مگر ہاں! جو مرد، عورتیں اور بچے ایسے مجبور اور بے بس ہوں کہ کوئی چارہ کار نہ رکھتے ہوں اور کوئی راہ نہ پاتے ہوں۔ تو امید ہے کہ اللہ اپنے علم کے باعث انہیں معاف فرمادے، اللہ معاف کر دینے والا اور بخش دینے والا ہے۔“ (۹۹:۴)

عورتیں مردوں کے بغیر بھی ہجرت کر کے آ سکتی ہوں تو آنے کا حکم موجود ہے

ہجرت نبوی کے بعد مدینہ منورہ دارالاسلام ہو گیا اور مکہ کو دارالکفر قرار دیا گیا کیونکہ اُس وقت مکہ جس کا پہلا نام ”بکہ“ تھا وہ کافروں کے پاس تھا اور حکم یہ ہوا کہ وہاں سے لوگ ہجرت کر کے مدینہ منورہ کی طرف آ جائیں جیسے آپ اور آپ کے ساتھ بہت سے لوگ بھی ہجرت کر کے آ چکے تھے یہ حکم جس طرح مسلمان مردوں کے لیے تھا بالکل اسی طرح مسلمان عورتوں کے لیے بھی تھا۔ قرآن کریم میں ارشاد فرمایا گیا کہ اگر عورتیں ہجرت کر کے آ جائیں تو ان کی آزمائش کر لو کہ وہ واقعہً مسلمان ہو کر آئی ہیں یا مسلمان ہونے کے لیے آئی ہیں تو ان کو کافروں کی طرف مت جانے دو چاہے وہ ان کی عزیز رشتہ دار ہوں اور ان کا کتنا ہی قریبی رشتہ ان کے ساتھ کیوں نہ ہو اس لیے کہ اسلام کا رشتہ تمام دوسرے رشتوں پر فوقیت رکھتا ہے چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کہ:

”اے ایمان والو! جب تمہارے پاس مسلمان عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو ان کو جانچ لیا کرو، اللہ ان کے ایمان کو خوب جانتا ہے پھر اگر تم کو ان کے ایمان کا یقین ہو جائے تو انہیں کفار کی طرف واپس نہ کرو کہ یہ عورتیں نہ ان کفار کے لیے حلال ہیں اور نہ وہ کافران عورتوں کے لیے حلال ہیں۔“ (۱۰:۶۰)

علمائے کرام غور کریں کہ اس سے استدلال ہو سکتا ہے یا نہیں؟

جب مسلمان عورتوں کا ایک گروہ تشکیل پا جائے جس سے دو سے زیادہ عورتیں جمع ہو جائیں تو وہ بغیر کسی محرم کے سفر کر سکتی ہیں یا نہیں؟ اور اسی طرح یہ بھی کہ اگر کسی ایک یا دو عورتوں کے محرم بھی ساتھ ہوں تو دوسری عورتیں ان محرم والی عورتوں کے ساتھ مل کر کہیں آ جا سکتی ہیں یا نہیں؟ اگر مجھ سے پوچھا جائے تو میں برملا کہوں گا کہ دونوں صورتوں میں عورتیں سفر پر آ جا سکتی ہیں اس لیے جو خطرات کسی اکیلی عورت کو ہوتے ہیں یہ عورتیں ان خطرات سے محفوظ ہو جاتی ہیں اور آپ کے زمانہ اقدس میں عورتیں اس طرح کا سفر خصوصاً ہجرت

کے سلسلہ میں جو اسلام کا کام ہے عورتیں ان دونوں طرح کے سفر میں شریک رہی ہیں۔ آپ پہلی ہجرت کے سفر پر بھی غور کریں اور دوسری ہجرت جو مدینہ کی طرف ہوئی اس پر بھی۔ شاہ حبشہ نے آپ کا نکاح کرنے کے بعد آپ کی زوجہ مطہرہ کو مدینہ بھیجنے کے سفر پر بھی غور کریں اور ہجرت مدینہ کے بعد مدینہ سے جن لوگوں کو خود آپ نے بنفس نفیس مکہ کو روانہ کیا اور آپ کے یار غار ابو بکر صدیق نے بھی جن آدمیوں کو مکہ روانہ کیا کہ ان کے اہل و عیال کو وہاں سے لایا جائے خصوصاً سیدہ زینب کے سفر پر غور کریں جو بدر کے بعد مکہ سے ہجرت کر کے آئیں باوجود اس کے کہ وہ کافروں سے زخم خوردہ بھی تھیں۔

رسول اللہ ﷺ سے بیعت کرنے میں عورتوں کی مردوں سے برابری

نبی اعظم وآخروہ ﷺ سے فرمایا گیا ہے کہ جب مومن عورتیں آپ کے پاس بیعت کے لیے آئیں تو ان سے بیعت لے لو اس لیے کہ بیعت محض وعدہ ہے اور ظاہر ہے کہ جس سے بھی کسی بات کا وعدہ کیا جائے اُس کا حق ہے کہ وہ وعدہ کرنے والے سے وعدہ میں کوتاہی ہونے میں اُس کو آگاہ کرتا رہے اور جس نے وعدہ کیا ہے وہ وعدہ ایفاء کرنے کی ہر ممکن کوشش کرے چنانچہ قرآن کریم میں عورتوں کی بیعت کا اس طرح ارشاد فرمایا گیا ہے کہ:

”اے نبی ﷺ! جب مسلمان عورتیں اس لیے آپ کے پاس آئیں کہ ان باتوں پر بیعت کریں کہ وہ کسی کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک نہ ٹھہرائیں گی اور نہ چوری کریں گی، نہ بدکاری کریں گی اور نہ اپنی اولادوں کو قتل کریں گی اور نہ اپنے ہاتھ پاؤں سے کسی پر کوئی بہتان باندھیں گی اور نہ ہی شریعت کے کاموں میں آپ کی نافرمانی کریں گی، تو آپ ان سے بیعت لے لیں اور ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کریں، بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا، بہت ہی پیار کرنے والا ہے۔“ (۱۲:۶۰)

دنیا کے مصائب میں ہمیشہ عورتیں مردوں کے ساتھ رہیں

یہ جملہ زبان زد خاص و عام ہے کہ دنیا دکھوں کا گھر ہے۔ جہاں دنیا کی خاطر لوگوں نے ایک دوسرے کو نیچا دکھانے اور تنگ کرنے کی کوئی کسر اٹھانہیں رکھی وہاں محض دین کی خاطر بھی مردوں اور عورتوں کو محض اُن کے دین کے باعث ان کو تنگ کیا گیا، یہاں تک کہ ان کو قتل کیا گیا اور زندہ آگ میں پھینک دیا گیا وہ آگ میں جل مرے لیکن دین اسلام سے انحراف نہیں کیا۔ خیال رہے کہ دین اسلام، انسانیت کے شروع سے اُس کے

ساتھ آ رہا ہے اور تمام اقوام عالم کے نیک سیرت اور نیک کردار لوگ مسلمان تھے، ہیں اور رہیں گے، ان شاء اللہ۔ اسلام اچھے کردار، اچھے اخلاق کا نام ہے، اچھی بات کہیں سے بھی ملے وہ اسلام کی ہے اور بری بات جہاں کہیں بھی ہو وہ کفر کی ہے۔ مسلمان کے لیے لازم ہے کہ وہ اچھے اخلاق اور اچھے کردار کا مظاہرہ کرے صرف قول و قرار سے نہیں بلکہ عمل سے بھی۔ بات مصائب و مشکلات کے برداشت کرنے کی تھی اور عرض کیا جا رہا تھا کہ دین کے معاملہ میں مصائب و مشکلات برداشت کرنے میں عورتوں نے بھی مردوں کے ساتھ برابر حصہ لیا جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ:

”خندقوں والے ہلاک ہو گئے یعنی آگ کی خندقیں جن میں ایندھن تھا جب کہ وہ ان کے کنارے بیٹھے ہوئے تھے اور جو سختیاں اہل ایمان کے ساتھ کر رہے تھے ان کو یہی بات مومنوں کی بری لگتی تھی کہ وہ اللہ پر ایمان لائے ہوئے تھے جو غالب و ستائش والا ہے وہی ہے جس کی آسمانوں اور زمین میں بادشاہت ہے اور اللہ ہر چیز سے واقف ہے۔ بلاشبہ جن لوگوں نے مومن مردوں اور مومن عورتوں کو اذیت پہنچائی پھر توبہ نہ نہ کہ اور اسی حالت میں مر گئے تو اُن کے لیے جہنم کا عذاب ہے اور اسی طرح جلنے کا عذاب بھی ہوگا۔“ (۸۵:۱۰ تا ۸۵:۱۰)

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں مردوں کی برابری

مومن و مسلم مردوں کا مومن و مسلم عورتوں کے پاس آنا جانا دین اسلام کی باتیں ایک دوسرے سے پوچھنا ایک دوسرے کے ہاں کھانا، پینا، بیٹھنا اٹھنا، اسلامی حدود کے اندر رہتے ہوئے سب جائز اور درست ہے خصوصاً دوست و احباب کے ہاں یہ تمام کام معمول کے مطابق سرانجام دینا سب جائز اور درست ہے اور اس طرح کی روایات بھی کثرت سے کتب روایات میں موجود ہیں اور قرآن کریم میں بھی جہاں عزیز و اقارب کے ہاں کھانے پینے کے احکامات بیان ہوئے ہیں وہاں دوست و احباب کے ہاں بھی بالکل اسی طرح کے احکامات موجود ہیں، معلوم نہیں کہ اتنی تنگ دلی کہاں سے آئی جس نے مسلمانوں کی زندگیوں کو اجیرن بنانے کے ساتھ ساتھ مخالفین اسلام کے لیے بھی بے شمار مواد فراہم کیا جس کی چو میں انہوں نے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے ساتھ ساتھ اپنا اخلاقی نقصان کرنے میں بھی کوئی کسر اٹھانہ رکھی اور اس طرح جو کچھ ہو محض ضد کے باعث ہوا۔ قرآن کریم میں اس سلسلہ میں واضح ارشاد ہے کہ:

”اور جو مرد اور عورتیں مومن ہیں تو وہ سب ایک دوسرے کے کارساز و رومیق ہیں نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، اللہ اور اُس کے رسول (ﷺ) کی اطاعت کرتے ہیں، سو یہی لوگ ہیں جن پر عنقریب اللہ رحمت فرمائے گا یقیناً اللہ سب پر غالب آنے والا حکمت والا ہے۔“ (۷۱:۹)

قرآن کریم نے خبیث مردوں اور خبیث عورتوں کا الگ ذکر کیا ہے

قرآن کریم میں جہاں مومن مردوں اور مومن عورتوں کا ذکر ہے وہاں خبیث مردوں اور خبیث عورتوں کا ذکر بھی پوری وضاحت سے فرمایا ہے پھر ان کے مقابلہ میں پاکیزہ خیالات مردوں اور پاکیزہ خیالات عورتوں کا ذکر فرما کر واضح فرما دیا ہے کہ فریقین میں ناپاک، ناپاک کے ساتھ اور پاکیزہ، پاکیزہ کے ساتھ ہوتے ہیں اور پاکیزہ اور ناپاکیزہ کا آپس میں کوئی جوڑ نہیں اور ظاہر ہے کہ یہ پاکیزہ اور ناپاکیزہ کا تعلق اخلاق و کردار ہی کے ساتھ ہے جن مردوں اور عورتوں کے اخلاق و کردار پاکیزہ ہیں ان کو ان مردوں اور عورتوں کے ساتھ نہیں ملایا جاسکتا جن کے اخلاق و کردار ناپاک اور گندے ہیں۔ اور اس جگہ ان الفاظ سے مراد باتیں لی جائیں جیسا کہ اکثر مترجمین نے لی ہے تو بھی بات بدستور اسی طرح رہتی ہے۔ پھر پاک اور ناپاک کو کیسے ملا دیا گیا اور ان سب کو یکساں ایک جیسا کیسے تصور کر لیا گیا؟ برے اخلاق و کردار کے لوگوں کو اچھے اخلاق و کردار کے لوگوں کے ساتھ کیسے ملا دیا گیا اور ہر عورت کو مرغی، چوڑا اور ہر مرد کو پلا یا بلا کیوں تصور کر لیا گیا؟ اس پر افسوس نہ کیا جائے تو اور کیا کیا جائے؟ چنانچہ قرآن کریم میں ہے کہ:

”ناپاک باتیں ناپاک لوگوں کا کام ہے اور ناپاک لوگ ہمیشہ ناپاک باتیں ہی کیا کرتے ہیں اور پاکیزہ باتیں پاکیزہ لوگ کرتے ہیں اور پاکیزہ لوگ ہمیشہ پاکیزہ باتیں ہی کیا کرتے ہیں۔ یہ سب لوگ یعنی مومن مرد ہوں یا عورتیں ایسی باتوں سے مبرا ہیں جو وہ لوگ کہتے ہیں، ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی بخشش اور عزت کی روزی ہے۔“ (۲۶:۲۴)

اتجاء بزرگوں کے سامنے جو پردہ کے متعلق تشدد سے کام لیتے ہیں

عورتوں کے ہاتھوں، پاؤں اور چہروں کو کھلا رکھنے سے روکنے والوں سے درخواست ہے کہ وہ ایسی باتیں کرتے وقت اس کا خیال بھی رکھیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے قریب کے رشتوں کے ساتھ مل جل کر کھانے پینے اور ایک دوسرے کے ہاں آنے جانے کے آداب کو

طوطی خاطر رکھتے ہوئے آنے جانے کی وجہ اجازت دی ہے وہ بھی قرآن کریم میں واضح ہے اور خبیث لوگوں اور طیب لوگوں میں بھی تمیز کریں سب کو ایک ہی لاٹھی سے نہ ہانکنے لگیں بلکہ اسلامی معاشرہ کی صحیح اور درست تصویر لوگوں کے سامنے لائیں تاکہ لوگوں کے درمیان الفت و محبت پیدا ہو اور ان کو دنیوی زندگی کی زیادہ سے زیادہ آسانیاں میسر آئیں ان کو تنگیوں اور تکلیفوں میں مبتلا کرنے کی سعی کو ترک کر دیں خود نیک و بد میں تمیز کریں اور لوگوں کو نیک و بد میں تمیز کرنا سکھائیں جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ:

رہنے سہنے کے لحاظ سے لوگوں کی آپس میں مختلف حیثیتیں قرآن کی نظر میں

”نہ اندھے کے لیے کوئی حرج ہے نہ لنگڑے کے لیے کوئی مضائقہ ہے اور نہ بیمار کے لیے کوئی گناہ اور نہ خود تم پر کہ اپنے گھروں سے کھانا کھاؤ یا اپنے باپ دادوں کے گھروں سے یا اپنی ماؤں کے گھروں سے یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے یا اپنی بہنوں کے گھروں سے یا اپنے چچاؤں کے گھروں سے یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے یا اپنے ماموں کے گھروں سے یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے یا جن کی کنجیاں تمہارے اختیار میں ہوں یا اپنے دوستوں کے گھروں سے، تم پر کوئی گناہ نہیں اگر تم آپس میں مل کر کھانا کھاؤ یا الگ الگ، غرض جب تم اپنے گھروں میں بھی داخل ہوا کرو تو ایک دوسرے کو سلام کہہ لیا کرو، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبارک اور پاکیزہ تحفہ ہے، اس طرح اللہ اپنی آیتیں صاف اور واضح طور پر تم سے بیان کرتا ہے تاکہ تم سمجھو۔“ (۶۱:۲۴)

قرآنی آیات کے ساتھ ہمارے بزرگوں نے کیا کیا؟

قرآن کریم کی کوئی آیت ہو پہلے تو ہمارے مفسرین بزرگ یہ تحقیق کرنا شروع کر دیتے ہیں کہ اس آیت کا شان نزول کیا ہے اور یہ بحث اتنی بڑھتی ہے کہ ایک ایک آیت کے بیسیوں شان نزول تک تحریر کر دیتے ہیں پھر ایک کو دوسرے پر ترجیح کا لامتناہی سلسلہ شروع ہو جاتا ہے اور اس کو پڑھتے پڑھتے اصل موضوع سے دور نکل جاتے ہیں پھر ان آیات سے مسائل نکالنا شروع کر دیتے ہیں اور جب ان مسائل میں الجھتے ہیں تو آیت کے واضح مفہوم کے بالکل خلاف تک پہنچ جاتے ہیں اور یہی کچھ اس آیت کے ساتھ بھی ہوا ہے۔ اس آیت کے مختلف حصوں میں تقسیم کرنے سے بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے دیکھنا مطلوب ہو تو کسی تفسیر کو اٹھا کر دیکھیں۔

معذوروں کے ساتھ حسن سلوک کہ وہ اس کے مستحق ہیں

1- ”اندھے سے مریض“ تک آیت کے حصہ میں یہ بات باور کرائی گئی ہے کہ یہ معذور لوگ ہیں جو کھانے کمانے کے قابل نہیں ہیں لیکن حوائج و ضروریات ان کے ساتھ بھی ہیں ان سے نفرت نہ کرو بلکہ تمہارا سب مسلمانوں کا حق ہے کہ وہ ان کو پیار و محبت کے ساتھ ان کو کھانے میں شریک کریں اور شرکت کے مطلب سے یہ لازم نہیں کہ ضرور ساتھ بٹھا کر کھائیں بلکہ ان کے کھانے پینے کا انتظام کریں اور اس میں مذہب و ملت کا لحاظ بھی ضروری نہیں کیونکہ کھانے پینے کی حاجت سب کے لیے یکساں ہے۔

کھانے پینے میں اپنے گھروں تک محدود رہنا

2- ”اپنے گھروں سے کھانا کھانے“ کا مطلب بھی بالکل واضح ہے کہ اگر کوئی صرف اور صرف اپنے گھر تک محدود رہ کر کھانا پسند کرتا ہے اور اُس کو ایسے حالات بھی میسر ہیں کہ کسی دوسرے کے ہاں کھانے کی اس کو عام طور پر ضرورت نہیں تو وہ اس میں آزاد ہے گویا وہ دوسروں کو کھلا کر خوش ہے اور دوسروں کے ہاں کھانے کی اُس کو ضرورت نہیں تو اُس کو مجبور بھی نہیں کیا جاسکتا خصوصاً جب کہ اس میں نخوت و تکبر کی کوئی بات نہ ہو۔

قرآن کریم میں بیان کردہ عزیز و اقارب سے قرب کی علامت

3- ”اپنے باپوں کے گھروں سے لے کر اپنی خالاؤں کے گھروں تک“ کا مطلب یہ ہے کہ اس کے درمیان جتنے عزیز رشتہ داروں کا ذکر آیا ہے ان سب کے ہاں ان کی اجازت سے آنے جانے اور کھانے پینے کی بھی کوئی ممانعت نہیں کیونکہ یہ تمام رشتہ دار ایسے ہیں جیسے یہ سب گھر تمہارے اپنے گھر ہیں اور تم سب ایک ہی گھر کے افراد ہو جس طرح وہ آپ کے رشتہ دار ہیں اسی طرح تم بھی ان کے رشتہ دار ہو پھر اتنے قریب کے رشتہ داروں کے گھروں میں آنے جانے اور ان کے ہاں کھانے پینے کی نفرت چہ معنی دار؟ تم ایک دوسرے کو اہتمام کے ساتھ بلاؤ تو بڑی خوشی سے اور اتفاقاً آنا جانا ہو گیا ہے اور دلوں میں وسعت کے باعث تم سب ایک ہی جگہ بیٹھ کر کھانے میں سہولت سمجھتے ہو تو ایک جگہ بیٹھ کر کھاؤ، اگر الگ الگ مرد اور عورتیں سہولت سمجھتے ہو تو الگ الگ جیسے تم خوش ہو تمہارا اللہ راضی ہے۔ یہ قدرت کا نظام ہے جب تم ایک جگہ ایک دسترخوان پر کھاتے رہے ہو اب اگر تمہارے گھر الگ الگ ہو گئے ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ تم اب وہ نہیں رہے بالکل نہیں تم وہی ہو جس

طرح تم پہلے لمبی خوشی ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھ کر کھاتے پیتے رہے ہو اب بھی بالکل اسی طرح بلکہ اپنی اپنی اولادوں کو ساتھ بٹھا کر کھاؤ بیٹھا کر کھاتے پیتے رہے ہو اب بھی بالکل اسی طرح ہو جائے اور تم سب اتنے قریب کے رشتہ دار ہونے کے باوجود آپس میں نفرت نہ کرنے لگ جاؤ۔ عین ممکن ہے کہ تم سب کی مالی اور جسمانی حالت یکساں ایک جیسی نہ رہے اگر حالات نے اس طرح کا کچھ فرق کر دیا ہے تو جہاں تک ممکن ہو اس فرق کو مٹانے کی کوشش میں مصروف ہو اور یاد رکھو کہ عزیز داری کے مقابلہ میں مال و دولت کی کوئی حیثیت نہیں۔

اعتماد کرنے والوں سے تعلقات آمد و رفت و خورد و نوش

4- ”جن کی کنجیاں تمہارے اختیار میں ہیں“ اس کی کئی ایک صورتیں ہو سکتی ہیں مثلاً اپنے عزیزوں، ہمسائیوں اور دلی تعلق رکھنے والوں کے درمیان ایسا ہوتا ہے کہ ایک گھر کے رہنے والے کہیں گئے اور جاتی دفعہ اپنے گھر کی چابیاں ان ہی سے کسی کو دے کر چلے گئے تاکہ کوئی ضرورت کی چیز لینے دینے کی ضرورت پڑے تو وہ لے لیں۔ یا مثلاً گھر سے عورت چلی گئی ہے اور مرد اپنے کام کاج میں مصروف گھر سے دور چلا گیا ہے تو جب واپس گھر میں آئے تو اپنے مکان کی چابی لے لے تم کو معلوم ہو جائے گا تو اس کے کھانے پینے کا سامان آپ اس کے ہاں پہنچا دیں گے جس سے فریقین کو آسانی ہوگی۔ اس کی ہدایت کے مطابق آپ اُس کے گھر سے کھانے پینے کا سامان نکال کر اُس کے لیے کھانا تیار کر دیں گے وغیرہ وغیرہ گویا ایک دوسرے پر اس قدر انحصار رکھنا اور ایک دوسرے پر اعتماد کرنا یہ تمام باتیں وہ ہیں جن کی اسلام میں بہت اہمیت ہے کیونکہ انسان ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں شریک ہو سکتا ہے اور ایک دوسرے کی ضروریات میں ایک دوسرے کو مدد دے سکتا ہے اس طرح خاندانی اجنبیت ہونے کے باوجود اجنبیت ختم ہو جاتی ہے اپنائیت فروغ پاتی ہے۔

دوست و احباب کے ساتھ تعلقات خورد و نوش

5- ”اپنے دوستوں اور یاروں کے گھروں سے بھی“ دوستی وہ چیز ہے کہ اگر یہ حقیقی ہو تو عزیز و اقارب کو بھی بہت پیچھے چھوڑ دیتی ہے اسلام نے جن لوگوں کے درمیان بھائی چارہ اور مساوات قائم کیا تھا وہ اس بھائی چارہ کے باعث اتنے قریب ہو گئے اس قرب کے مقابلہ میں دنیا کی کوئی چیز بھی ان کو الگ نہ کر سکی اور اس دوستی نے اونچ نیچ کی ساری باتیں ختم کر کے رکھ دیں۔ وہ ایک دوست کی عدم موجودگی میں بھی اُس کے گھر میں اُس کی بیوی

کی اجازت سے داخل ہو جاتے اور اُس کی بیوی بھی اجازت دینے میں کچھ عار نہ سمجھتی روایات میں کتنے واقعات اس طرح کے آتے ہیں کہ لوگ اپنے دوستوں اور یاروں کو اتنی اہمیت دیتے تھے کہ کوئی ان کی دوستی کو دیکھ کر یہ مان ہی نہیں سکتا تھا کہ یہ دونوں ایک دوسرے کے لیے اجنبی یا غیر ہیں سب یہی سمجھتے تھے کہ یہ بھائی بھائی ہیں یا باپ بیٹا ہیں۔

اگرچہ روایت صحیح نہیں تاہم اس کا مفہوم جو سمجھ میں آتا ہے

افسوس کہ ہمارے ان مصنوعی پردہ کے داعیوں نے ایک دوسرے کے حقیقی بھائیوں کو بھی محض شادی ہونے کے باعث ایک دوسرے سے اجنبی کر دیا اور اس اجنبیت کو دین اسلام کا کام سمجھا افسوس کہ ان عقل و فکر کے اندھوں نے جہالت کا نام علم اور علم کا نام جہالت رکھ دیا لیکن اپنی ضد سے باز نہ آئے اور ”دیور کو موت“ کہنے والوں نے اپنی بے عقلی اور بے وقوفی کے باعث لوگوں کی زندگی کو اتنا اجیرن بنا دیا کہ اس کو دیکھ کر انسان کی زبان پر اللہ وانا الیہ راجعون کے سوا کچھ نہیں آتا۔

”الحمو موت“ والی روایت اگرچہ پختہ نہیں تاہم اس کا مفہوم اپنی جگہ بالکل واضح ہے کہ جس طرح موت ہر انسان کے ساتھ ہے بالکل اسی طرح بھائیوں کا تعلق بھی ہے کیا کسی کو موت سے مفر ہے گویا موت ہر جاندار کے ساتھ ہے اور اسی طرح انسان کی رشتہ داریاں بھی انسان کے ساتھ ہیں ایک نیا رشتہ قائم ہونے سے جس کی نوعیت اپنی ہے اصلی اور حقیقی رشتہ کو تو انسان سے الگ نہیں کیا جاسکتا کیا ایک بھائی کی شادی ہونے کے باعث دوسرے بھائی کو گھر سے نکال دیا جائے گا؟ ہرگز نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس نئے رشتہ کی نوعیت بالکل ایسی ہے جیسے بھائی اور بہن کی ہوتی ہے۔ عورت خواہ کہاں سے آئی ہے جب ایک بھائی کی بیوی ہے تو دوسرے کے لیے وہ بہن یا ماں کے درجہ پر ہے وہ اجنبیت جو تھی وہ بھائی کی وجہ سے ختم ہو گئی اور بھائی کی بیوی ہونے کی وجہ سے وہ دوسرے بھائی کے لیے حرام بھی ٹھہری جیسے کوئی بھی شادی شدہ عورت کسی بھی دوسرے مرد کے لیے جو حرم نہیں وہ حرام ہو گئی ہے کیونکہ ایک کے ساتھ شادی ہونے کے باعث اب اُس سے کوئی دوسرا مرد شادی نہیں کر سکتا بھائی کے لیے بھادج ایک مقدس رشتہ ہے کوئی دیوث ہی ایسا ہوگا جو اس تقدس کو پامال کرنے کی سعی و کوشش کرے گا۔ بھائی کو دوسرے بھائی سے ہر وقت مشکوک کر دینے والا معاملہ کرنا شرعاً جائز ہے نہ عقلاً اور اعتماداً۔ علمائے کرام کہلانے والوں نے اس طرح کی بحثیں

کر کے اپنے ناپاک خیالات کو ترویج دی ہے اسلام کا کوئی مسئلہ بیان نہیں کیا۔ قرآن کریم کی اوپر درج کردہ آیت پر ایک بار مزید غور کریں۔ کیا ایک بھائی دوسرے بھائی کے ہاں جائے گا تو اپنی بیوی بچوں کو ساتھ لے کر نہیں جائے گا؟ اور اگر لے جائے گا تو کیا ان کو کسی الگ جگہ بند کر دے گا جہاں اُس کا دوسرا بھائی آجانہ سکے جب قرآن کریم سب کے مل جل کر کھانے، ایک جگہ کھانے اور بیٹھنے کی ترغیب دے رہا ہے بلکہ حقیقی رشتہ داروں کے ساتھ دوست و احباب کے مل بیٹھنے اور کھانے پینے کو اسلامی معاشرت کا حصہ قرار دے رہا ہے۔

کیا نبی اعظم وآخروہ ﷺ کا اسوہ حسنہ ہمارے لیے کافی نہیں؟

کوئی بھی مسلمان یہ نہیں کہہ سکتا کہ آپ کا اسوہ حسنہ ہمارے لیے کفایت نہیں کرتا؟ اور آپ کا اسوہ حسنہ یہ ہے کہ ابوطالب آپ کا حقیقی چچا ہے اور اس کی بیٹی ام ہانی آپ کی چچا زاد ہے اور روایات سے یہ بات ثابت ہے کہ آپ اپنی اس بہن کو دل سے چاہتے تھے اور ام ہانی بھی آپ سے محبت کرتی تھیں۔ روایات بتاتی ہیں کہ اپنی مجرد زندگی میں بھی ان کی یہ محبت موجود تھی کیونکہ چچا زاد تھے اور ایک جگہ پرورش پائی تھی۔ خاندان کے چاہنے کے باوجود آپ کی شادی ام ہانی سے نہ ہو سکی بلکہ ان کی شادی دوسری جگہ ہو گئی۔ شادی ہونے کے بعد محمد اللہ وہ مسلمان ہو گئیں اور آپ کا ام ہانی کے ہاں آنا جانا، اس کے ہاں سونا جاگنا، اُس کے گھر میں غسل کرنا اور ام ہانی کے ساتھ دین اسلام کے متعلق محبت بھری باتیں کرنا سب کچھ موجود ہے اور آپ کا یہ اسوہ حسنہ ہمارے لیے کافی ہے ہمیں ان بناوٹی مولویوں کی اس سلسلہ میں راہنمائی کی اتنی ضرورت نہیں کہ ہم آپ کے کردار و اخلاق کو چھوڑ کر کسی بناوٹی کردار و اخلاق کے اپنانے کی کوشش کریں۔

سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا کے تعلق کی مثال آپ کے اسوہ حسنہ سے

سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بڑی بیٹی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی بہن اور آپ کی سالی تھیں۔ مدینہ میں ان کی شادی زیر رضی اللہ عنہ سے تھی وہ اپنے خاوند کا ہاتھ بٹانے کے لیے ان کی زمینوں میں آتی جاتی تھیں ان کے جانوروں کو چارہ ڈالتی تھیں اس لیے کہ یہ زمین خاوند کی ہونے کے باعث ان ہی کی تھی اور اسی طرح یہ جانور بھی۔ وہ اپنی اس زمین سے واپس آ رہی تھیں اور کھجوروں یا کھجوروں کی گٹھلیوں کی ایک گٹھڑی اُن کے سر پر تھی آپ بھی اس راستہ سے آرہے تھے تو آپ نے اپنا اونٹ بٹھا دیا

اور اسماء کو اپنے پیچھے بطور ردیف سوار ہونے کا ارشاد فرمایا روایات کے مطابق اگرچہ وہ نہ بیٹھیں تاہم آپ کا یہ فعل ہم سے کیا تقاضا کرتا ہے اور ہم لوگوں کو ان کی سالیوں کے متعلق کیا مسائل بتائے جاتے ہیں اور کیا کیا کہاوتیں ہم نے گھڑ رکھی ہیں۔ مذکورہ دونوں روایات صحیح بخاری میں ایک ایک سے زیادہ بار نقل کی گئی ہیں اور ان کے مقابلہ میں جن روایات کا کوئی سرچر نہیں ان کو ہم کیا اہمیت دیتے ہیں؟ یہ عورتوں کے پردہ پر لکھی گئی کسی بھی کتاب کو اٹھا کر دیکھ سکتے ہیں۔

معذروں کے معاملہ میں حسب و نسب کا لحاظ ضروری نہیں

قرآن کریم نے جن رشتہ داریوں کا ذکر کیا ہے اور جس انداز سے کیا ہے وہ آپ کے سامنے ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ معذروں کا سب سے پہلے ذکر کیا ہے، کیوں؟ اس لیے کہ معذور کوئی بھی ہو وہ ایسی دل چسپی کا باعث نہیں بن سکتا جو دلچسپی کسی بے راہ روی کی طرف لے جاتی ہے اس لیے وہ کوئی ہو، کون ہو اس کو زندگی بحال رکھنے کے لیے کھانے پینے کی ضرورت تو بہر حال ہے اس کی اس ضرورت کو پورا کرنا معاشرہ کے تمام افراد پر یکساں ایک جیسا فرض ہے وہ حسب و نسب یا ملت و مذہب کے لحاظ سے تعلق رکھتا ہو یا نہ رکھتا ہو اس کے انسانی تعلق کو پورا کرنے کے لیے حسب و نسب یا ملت و مذہب کا خیال رکھنا ضروری نہیں سمجھا گیا بلکہ اس کا تعلق خصوصاً حقوق العباد سے ہے اور حقوق العباد کو پورا کرنا اہمیت کے لحاظ سے اولیت کا حق رکھتا ہے اس لیے ان کا ذکر پہلے کیا گیا۔

جب کوئی شخص اپنے ان گھروں میں جائے گا تو بیوی بچوں کو ساتھ نہیں لے جائے گا؟

بعد ازیں ایسے مخصوص گھروں کا ذکر فرمایا اور ان گھروں کو بھی گویا اپنے ہی گھر قرار دیا جو نہایت قریبی ہوتے ہیں جیسے باپ اور ماں کا گھر اور بھائیوں کے گھر، گویا قرآن کریم نے اس جگہ بھائیوں کے گھروں کو بھی اپنے گھر قرار دیا ہے پھر ان گھروں میں جب کوئی جائے گا تو ظاہر ہے کہ یہاں اپنے گھروں کے سے آداب کو ملحوظ خاطر تو رکھے گا جو انسانی فطرت کے تقاضے کے مطابق ہوتے ہیں۔ کیا اس سے ہم یہ مراد لے سکتے ہیں کہ جب ان اپنے گھروں میں جائیں گے تو اپنی بیوی اور بچوں کو ساتھ نہیں لے جائیں گے یا جانے والے کی بیوی اور بچوں کا وہ گھر نہیں ہوگا؟

ایک بھائی جب دوسرے بھائی کے گھر جائے گا بشرطیکہ ان کے رہنے سہنے کے گھر

علحدہ ہیں تو ہر ایک بھائی کی بیوی دوسرے بھائی کی بھانج ہوگی اور وہ خود اس کی بیوی کا دیور یا جیٹھ ہوگا جس کو آپ ”حمو“ قرار دے کر اس کو موت سے تعبیر کرتے ہوئے ملاقات سے روک رہے ہیں، اس لیے میں نے کہا کہ اگر ایسی بات ہے تو پھر کیا موت سے کسی کو مفر ہے کہ وہ موت سے ملاقات نہ ہونے دے؟

انسانیت کے فطری رشتوں کے تقدس کو پامال نہ کریں

علمائے گرامی قدر! یہ انسانیت کے فطری رشتے ہیں ان رشتوں کے تقدس کے پیش نظر اللہ رب کریم ایسے تمام گھروں میں آنے جانے، کھانے پینے، بیٹھنے اٹھنے کی اجازت مرحمت فرما رہے ہیں، کیوں؟ اس لیے کہ ان رشتوں کا تقدس بحال رہے اور ان سے آپس کے پیار و محبت کے تعلقات مزید استوار ہوں گویا قرآن کریم ان قریبی رشتوں کے علاوہ دوست و احباب اور ہمسایوں اور دوسرے اعتماد کے رشتوں کو بھی ساتھ ملا کر سوسائٹی میں وسعت لانا چاہتا ہے تاکہ انسانوں کے لیے آسانیاں پیدا ہوں اور اسلامی بھائی چارہ اور اخوت و مساوات کے لحاظ سے ایک دوسرے پر اعتماد قائم ہو اور ہمارے علمائے کرام نے انسانیت کے آدھے سے بھی زیادہ حصہ کو انسانیت سے نکال دینے کا فتویٰ صادر کر دیا ہے کہ عورت گویا انسان نہیں نہ اس کی کوئی شخصیت ”دانا“ ہے بلکہ وہ ایک حیوان ہے جس کو باندھ کر رکھنا ضروری ہے جو سراسر اسلامی نظریہ کے خلاف ہے ویسے بھی یہ ایک طرح کی محض تصنع اور بناوٹ ہے جس کو ”پردہ“ کا نام دے دیا گیا ہے کہ عورت ایک آنکھ کھلی رکھ سکتی ہے وہ بھی اس طرح کہ وہ اس آنکھ سے راستہ دیکھ سکے اور اس کی وہ آنکھ بھی کوئی مرد نہ دیکھ سکے بلکہ عورت کی آواز بھی کسی نامحرم مرد کے کان میں نہیں پڑنا چاہیے کیونکہ وہ بھی مردوں کے لیے باعث فتنہ بن سکتی ہے حالانکہ اس طرح کی تمام باتیں مصنوعی ہیں جن کا اسلام کے بتائے ہوئے پردہ سے ہرگز کوئی تعلق نہیں ہے۔

قرآن کریم میں آپ کے لیے اور آپ کی ازواج کے لیے مخصوص احکام بھی موجود ہیں

قرآن کریم نے جس طرح نبی کریم ﷺ کے لیے کچھ مخصوص احکام بیان کیے ہیں اسی طرح آپ کی ازواج مطہرات کے لیے بھی کچھ مخصوص احکام بیان کیے ہیں اور وہ مخصوص احکام قرآن کریم میں ”یٰٰنساء النبی“ کے خطاب سے شروع ہوتے ہیں اور دوسری صورت ان کی یہ ہے کہ آپ کو مخاطب فرما کر فقط آپ کو اپنی بیویوں کے لیے ان کو

بیان کرنے کا حکم فرمایا ہے کہ ”یا ایہا النبی قل لا زواجک“ (۲۸:۳۳) ”اے پیغمبر اسلام ﷺ! اپنی ازواج مطہرات سے فرما دیجئے“ گویا یہ احکام عام مسلم عورتوں کے لیے نہیں اور اسی طرح ایمان والے مردوں سے یہ کہا گیا ہے کہ ”جب تم آپ کی ازواج مطہرات سے کوئی چیز طلب کرو تو ان سے پردہ میں رہ کر طلب کرو“ مختصر یہ کہ اس طرح جو احکام آپ کے لیے اور آپ کی ازواج مطہرات کے لیے خاص ہیں اور ان کی تفصیلات بہت زیادہ ہیں لیکن ان احکام کو عام مسلمانوں کے لیے بیان نہیں کیا جاسکتا اور نہ دوسرے تمام مسلمان ان احکام کے تحمل ہو سکتے ہیں تاہم فی نفسہ آپ کی ازواج سے بھی بات چیت نہ کرنے اور ضرورت کی چیز لینے دینے کی ممانعت نہیں اگر کوئی ایسی بات ہوتی تو آپ کی ازواج مطہرات سے مردوں کے مسائل پوچھنے اور ازواج مطہرات کے جوابات دینے کا جو ذکر روایات میں موجود ہے وہ کیسے جائز و درست ہوتا اور یہ بات تو روز روشن کی طرح ہے کہ جب کوئی چیز لینے دینے اور مسائل پوچھنے اور ان کے جوابات دینے کی اجازت تھی تو یہ بغیر آواز کے کیسے ممکن ہو سکتا ہے جب کہ رودر رودر پردہ میں رہ کر مسلمان مردوں کا مسائل پوچھنے کا ذکر عام ہے یعنی آپ کی ازواج مطہرات کے محرم مردوں کے ساتھ مل کر بھی اور بغیر ان کے بھی اور کتب روایات ایسے سوالوں اور جوابوں سے بھری پڑی ہیں بلکہ ان سوالوں جوابوں میں آپ کی اور آپ کی ازواج مطہرات کی نجی زندگی کے متعلق بھی کثرت سے سوال و جواب موجود ہیں کیونکہ آپ کی زندگی کے مخصوص مسائل کے علاوہ باقی تمام مسائل آپ کی امت کے لیے ایک نمونہ ہیں جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ آپ کا ”اسوہ حسنہ“ مومن مردوں اور عورتوں کے لیے بہترین نمونہ ہے جس کو حاصل کرنے میں مسلمانوں نے کوئی کسر اٹھانہ رکھی۔

زندگی کے دوسرے شعبوں کی طرح عورتوں اور مردوں کا پردہ آپس میں بھی اور ایک دوسرے سے بھی ایک واضح شعبہ ہے اور اس مسئلہ میں بھی آپ کے اسوہ حسنہ کی ضرورت ہے اور آپ کے اسوہ حسنہ سے بڑھ کر کسی اور کا اسوہ حسنہ بہتر نہیں ہو سکتا لیکن اس وقت عورتوں کے پردہ کے متعلق جو کچھ بیان کیا جاتا ہے اس میں اکثر غلو کی حد تک مبالغہ پایا جاتا ہے اور جب بھی کوئی شخص اس مبالغہ کا ذکر کرتا ہے تو اس پر فوراً ”روشن خیالی“ کا الزام تھوپ دیا جاتا ہے اور ان کو ”مغرب زدہ“ قرار دیا جاتا ہے اور اس طرح کے الزام لگانے والوں

نے اپنی زندگیوں کو بھی اجیرن بنا دیا ہے اور دوسروں کی زندگیوں کو بھی، جس کے باعث خاندانی زندگی مکمل طور پر الجھ کر رہ گئی ہے۔

فضول باتوں پر بحث کر کے ان کو دین کا حصہ بنادینا کیسا ہے؟

جس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ جو باتیں زیر بحث آتی چاہیں ان کا تو کوئی نام تک نہیں لیتا اور جو باتیں زیر بحث آنے والی نہ تھیں، نہ ہیں اور نہ ہوں گی ان پر بحث کرتے کرتے ہم بہت آگے نکل چکے ہیں۔ مثلاً یہ کہ عورتوں کی جسمانی ہیئت و ساخت مردوں سے مختلف ہے اس لیے ان کے لباس میں اختلاف ایک فطری چیز تھی، ہے اور رہے گی جس کا مطلب و مدعا یہ ہے کہ عورت کے لباس پہننے سے وہ فطری ہیئت و ساخت پوشیدہ ہو جائے وہ گھر کے اندر ہو یا باہر، چاہے جہاں بھی ہوتا کہ پردہ کا پہلا مقصد تو حل ہو لیکن یہ بات اس وقت کہیں بھی دیکھی نہیں گئی بلکہ اس کے برعکس لباس کا طریقہ ایسا اختیار کیا گیا ہے کہ عورت کی فطری ہیئت و ساخت پہلے سے بھی زیادہ نمایاں ہو کر نظر آئے خواہ وہ ماں ہے، بہن ہے یا بیٹی اسی طرح خواہ وہ کون ہے اس کا سینہ، اس کی گردن کے سامنے کا حصہ سینہ کے ابھارتک کھلا نظر آئے تاکہ وہ اپنے حرام رشتوں کو بھی جازب نظر ہو قمیص کے بازو سامنے سے کھلے رہیں یا کہنی سے اوپر تک رہیں۔ اس بیان کا ذکر یہاں تک ہی کافی ہے اگرچہ ابھی بہت کچھ کہا جاسکتا ہے لیکن کوئی شخص دیانت و امانت کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہے کہ اسلامی پردہ کا یہی منشاء ہے جو نہایت پردہ دار گھروں میں بھی اختیار کیا گیا ہے اور اس وقت کسی گھر کو بھی اس سے مستثنیٰ قرار نہیں دیا جاسکتا۔ کیا یہ لباس پہننے کے باوجود نگارہنے کے مرادف نہیں؟ کالے کلوٹے زخم خوردہ جسم پر ایک نئی خوبصورت جلد بنا کر چڑھادی جائے جس سے اس کا کالا پن چھپ جائے کیا اس کا نام پردہ یا لباس ہے؟ کیا اصل جسم کا سینہ کے ابھارتک غازہ و کریم کے ہتھیاروں سے لیس کر کے دکھانا لباس کہلاتا ہے؟

ایک بناوٹی چیز کو اصل بنانے کا طریقہ حوالہ کے اندراج کے لیے

اس وقت جو سب کچھ نہیں ہونا چاہیے تھا وہ سب کچھ ہو رہا ہے اس لیے اب ہمارے لیے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں رہا کہ ایک بھائی کی بیوی کو دوسرے بھائی سے چھپاؤ یعنی پردہ میں رکھو، چچا، ماموں، پھوپھی اور خالہ کے بچوں کو ایسے گھر میں مت داخل ہونے دو۔ عورتوں پر پابندی لگاؤ کہ وہ کہیں مسجد کی طرف نماز کے لیے نہ چلی جائیں ان کو حدیثیں بناوٹی اور گھڑی

ہوئی سناؤ کہ ”خیر مساجد النساء فهو بیوتہن“ یعنی عورتوں کے لیے بہترین مسجدیں ان کے گھروں کا اندرونی حصہ ہے، اس پر جب مسند احمد اور طبرانی کا حوالہ درج کر دیں گے تو آخر یہ صحیح حدیث کیوں نہیں ہو جائے گی؟ اب اس کی مزید وضاحت کی ضرورت کہاں رہی حالانکہ بخاری و مسلم کی روایات بتا رہی ہیں کہ ”لوگو! اللہ کی بندہ کو مسجد میں جانے سے مت روکو جیسا کہ پیچھے وضاحت گزر چکی اور مزید وضاحت آگے آئے گی ان شاء اللہ العزیز۔

مسجدیں تو اللہ کا گھر ہیں اور مسلمانوں کی عبادت کے لیے تعمیر کی جاتی ہیں اور مسلمانوں میں مرد اور عورتیں سب شامل ہوتے ہیں لیکن صحابہ کرام کا جو عام معاشرتی نظام تھا اس میں بھی ایک دوسرے کے ہاں آنا جانا تھا اور مردوں کی طرح عورتیں بھی ایک دوسرے کے ہاں آتی جاتی تھیں جیسا کہ امام مسلم اپنی صحیح میں روایت درج کرتے ہیں کہ:

ابو ہریرہؓ اور ابو موسیٰ اشعریؓ کا فضل بن عباسؓ کی بیٹی کے گھر میں جمع ہونا ”ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ میں ابو موسیٰؓ کے پاس گیا جب کہ وہ بنت فضل بن عباس کے گھر میں تھے، مجھے چھینک آئی تو انہوں نے مجھے ”یوحکمک اللہ“ نہ کہا انہیں چھینک آئی تو میں نے انہیں یہ جواب دیا۔ میں اپنی والدہ کے پاس گیا تو میں نے انہیں یہ بتایا، جب وہ ان کے پاس آئیں تو انہوں نے کہا کہ تمہارے پاس میرے بیٹے کو چھینک آئی تھی مگر تم نے اُسے جواب نہیں دیا اور تم کو چھینک آئی تو اُس نے تجھے جواب دیا تھا تو انہوں نے کہا کہ تمہارے بیٹے کو چھینک آئی تو اُس نے ”الحمد للہ“ نہ کہا اس لیے میں نے اُسے جواب نہ دیا۔ مجھے چھینک آئی تو میں نے ”الحمد للہ“ کہا تو اُس نے مجھے جواب دے دیا میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ بیان کرتے سنا ہے کہ ”جب تم میں سے کسی کو چھینک آئے اور وہ ”الحمد للہ“ کہے تو تم اُسے ”یرحمک اللہ“ کہو اور اگر وہ ”الحمد للہ“ نہ کہے تو تم بھی ”یرحمک اللہ“ نہ کہو۔“ (مسلم کتاب الزہد والرقائق باب تشمیت العاطس)

مذکورہ روایت سے کتنی باتیں معاشرہ اسلامی کی سمجھی جاسکتی ہیں

غور کیجئے کہ اوپر درج کردہ روایت سے یہ بات ثابت ہوتی ہے یا نہیں کہ صحابہ کرام کے دور میں جو گویا خود نبی اعظم و آخر ﷺ کا دور اقدس تھا صحابہ کی معاشرتی زندگیاں کیسی تھیں کیا وہ ایک دوسرے کے ہاں آتے جاتے اور صحابہ و صحابیات آپس میں گفتگو کرتے تھے یا نہیں؟ اور اسی طرح یہ بھی کہ جن باتوں کی ہمارے ہاں اس وقت کوئی قدر و قیمت نہیں

چاہے ان کا تعلق اسلامی زندگی کے حسن و خوبصورتی کے ساتھ کتنا گہرا ہو اور اُس زمانہ میں لوگ ایسی باتوں کو جو آپ کے اسوہ حسنہ کے متعلق ہیں کتنی اہمیت دیتے تھے۔ اس طرح کی بے شمار روایات کتب روایات میں خصوصاً صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں دیکھی جاسکتی ہیں چنانچہ اس طرح کی ایک روایت میں ہے کہ:

ابوبکر صدیق کا خاندان اُحس کی ایک عورت کے ساتھ مکالمہ

”قیس بن حازم سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خاندان اُحس کی ایک عورت کے پاس گئے جسے زینب بن مہاجر کہا جاتا تھا۔ آپ نے دیکھا کہ وہ بات نہیں کر رہی تو پوچھا یہ بات کیوں نہیں کرتی؟ لوگوں نے بتایا کہ اس نے نذرمانی ہے کہ وہ خاموش رہ کر حج کرے گی، آپ نے فرمایا، بات کرو، ایسا کرنا حلال نہیں ہے۔ یہ زمانہ جاہلیت کا کام ہے۔ اُس نے بات کرنا شروع کر دی اور پوچھا کہ تم کون ہو؟ آپ نے جواب دیا میں مہاجرین میں سے ایک شخص ہوں، اُس نے کہا کون سے مہاجرین؟ آپ نے فرمایا قریش میں سے پھر اُس نے پوچھا کہ قریش کی کس شاخ سے؟ آپ نے فرمایا تم تو بہت سوال کرنے والی ہو، میں ابوبکر ہوں۔“ الخ (بخاری حدیث نمبر ۳۸۳۴)

ثابت بنانی کی موجودگی میں انس رضی اللہ عنہ کی اپنی بیٹی سے گفتگو

”ثابت بنانی سے روایت ہے کہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کے پاس تھا، اُس وقت اُن کی بیٹی بھی موجود تھی، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ایک عورت نبی کریم ﷺ کے پاس آئی اور اُس نے اپنے تئیں آپ کی خدمت میں پیش کیا اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! کیا آپ کو میری ضرورت ہے؟ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی بیٹی نے کہا، کس قدر کم حیا تھی یعنی کس قدر بری عورت تھی اور اپنی بات کو دہرایا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اپنی بیٹی سے کہا کہ تم سے وہ بہتر تھی کیونکہ اُس نے ایک بہتر انسان یعنی نبی کریم ﷺ میں رغبت رکھتے ہوئے اپنے تئیں آپ کی خدمت میں پیش کر دیا تھا (آپ چاہتے تو اُس سے نکاح کر لیتے) (بخاری ۵۱۲۰، ۶۱۲۳)

آپ کا بنفس نفیس ام سلیم کے گھر بار بار جانا

”حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ مدینہ میں ام سلیم کے علاوہ کسی اور گھر میں اس قدر نہیں جاتے تھے جب کہ عورت کا خاوند بھی گھر میں موجود نہ ہو، اس کے

متعلق آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ میں اس پر اس لیے شفقت کرتا ہوں کہ اُس کا بھائی میرے ہمراہ جہاد کرتے ہوئے شہید ہو گیا تھا۔“ (بخاری ۲۸۴۴)

روایات میں اس طرح کے بہت سے دوسرے گھروں میں بھی آپؐ کی آمدورفت تھی لیکن سب سے زیادہ آمدورفت ام سلیم کے گھر تھی اس کی وجہ آپؐ سے پوچھی گئی تھی تو آپؐ نے یہ ارشاد فرمایا جس کا ذکر اوپر روایت میں کیا گیا ہے۔

انس رضی اللہ عنہ کی والدہ اور خالہ ام حرام کے ہاں آپؐ کی آمدورفت
”حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ ہمارے ہاں تشریف لائے گھر میں اُس وقت میں، میری والدہ اور میری خالہ ام حرام تھیں آپؐ نے وہاں آرام فرمایا اور بعد میں اُٹھے اور سب کو حکم دیا کہ کھڑے ہو جاؤ تاکہ میں تمہیں نماز پڑھاؤں (یعنی نماز نفل) پس آپؐ نے ہمیں نماز پڑھائی پھر آپؐ نے ہمارے گھر والوں کے لیے دنیا اور آخرت کی بھلائی کی دعا فرمائی۔“ (مسلم کتاب الصلوٰۃ باب جواز الجماعۃ فی النفلۃ ج ۲ ص ۲۸)

حضرت سلمانؓ اور حضرت ابوذرؓ کے بھائی چارہ کے بعد
”عون بن ابی حنیفہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے سلمان اور ابوذرؓ رضی اللہ عنہما کو ایک دوسرے کا بھائی بنا دیا تو ایک دفعہ سلمان ابوذرؓ رضی اللہ عنہ سے ملاقات کے لیے گئے تو دیکھا کہ ام الدرداءؓ نے پرانے اور بوسیدہ کپڑے پہنے ہوئے ہیں انہوں نے اس سے پوچھا، کیا بات ہے؟ اُس نے جواب دیا کہ تمہارے بھائی کو دنیا کی کوئی ضرورت نہیں۔ اثنائے گفتگو ابوذرؓ بھی آگئے اور انہوں نے سلمان کے لیے کھانا تیار کر لیا تو سلمان نے کہا آپؐ بھی کھائیں تو انہوں نے کہا کہ میں نے روزہ رکھا ہے سلمان نے کہا اگر آپؐ نہیں کھائیں گے تو میں بھی نہیں کھاؤں گا، پس انہوں نے کھانا کھا لیا، رات ہوئی تو ابوذرؓ اُٹھنے لگے سلمانؓ نے کہا کہ ابھی سو جاؤ، وہ سو گئے پھر اُٹھنے لگے تو سلمانؓ نے پھر روک لیا جب رات کا آخری حصہ ہوا تو سلمانؓ نے کہا کہ اب اُٹھیں تو پھر دونوں نے نماز پڑھی سلمانؓ نے اُن سے مخاطب ہو کر کہا کہ تمہارے رب کا تم پر حق ہے اور تمہارے نفس کا بھی اور تمہارے اہل و عیال کا بھی تم پر حق ہے لہذا ہر حق دار کو اس کا حق دو۔ ابوذرؓ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس بات کا ذکر کیا جو سلمانؓ نے کہی تھی تو آپؐ نے فرمایا کہ سلمان نے سچ کہا ہے۔“ (بخاری ۱۹۶۸، ۶۱۳۹)

کیا میں ”الحموموت“ کہنے والوں سے دریافت کر سکتا ہوں

امام بخاری رحمہ اللہ کی اس روایت کو میں نے اچھی طرح دیکھا ہے میں ”الحموموت“ کہنے والوں سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ بھی اس روایت کو اچھی طرح دیکھیں اس لیے کہ سلمان اور ابوذرؓ حقیقی اور نسبی بھائی نہیں ہیں بلکہ مواخات کے باعث بھائی بنائے گئے ہیں وہ اپنے اس بھائی کی بیوی سے براہ راست مخاطب ہیں اور اپنے بنائے گئے بھائی کی عدم موجودگی میں اُس سے خاص نجی معاملہ کی گفتگو کرتے ہیں پھر وہاں اپنے اس بھائی کے ساتھ رات گزارتے ہیں اور رات کو ان کو نصیحت پر نصیحت کرتے ہیں جن میں اُن کی بیوی کے حق کی طرف بھی توجہ دلاتے ہیں پھر ابوذرؓ رضی اللہ عنہ یہ بات من و عن نبی کریم ﷺ کی خدمت میں عرض کرتے ہیں تو آپؐ سلمانؓ کی بات کی تصدیق کرتے ہیں اور ان کا ابوذرؓ رضی اللہ عنہ کی بیوی سے اس طرح کی گفتگوں کو خوشی کا اظہار فرماتے ہیں کیا حقیقی بھائی اپنے بھائی کی بیوی کے لیے کسی خطرناکی کا باعث بنتا ہے اور مواخاتی بھائی اپنے بھائی کی بیوی کے لیے رحمت کا باعث ہوتا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ بعض رشتہ داروں کے ساتھ بھی اور بعض اجنبی لوگوں کے ساتھ بھی دلی لگاؤ ہو جاتا ہے جس کی وجہ زیادہ آمدورفت اور ذہنی ہم آہنگی ہوتی ہے اور بعض رشتہ دار یاں اتنی قریب کی ہوتی ہیں کہ اس رشتہ کے باعث انسان اس کا احترام کرتا ہے اور یہ ایک فطری چیز بھی ہے اور رواجی چیز بھی۔ ہم دیکھتے ہیں کہ چھوٹا بھائی اپنے بڑے بھائی کی بیوی کو ماں کے درجہ پر دیکھتا ہے اور بڑا بھائی اپنے چھوٹے بھائی کی بیوی کو اپنی چھوٹی بہن یا بیٹی کی طرح دیکھتا ہے اور ان سب کا کھانا پینا بیٹھنا اُٹھنا ایک گھر میں زندگی بھر اکٹھا رہتا ہے اور اس طرح رہنے میں کسی کو بھی کسی سے کوئی خطرہ اور کوئی تکلیف نہیں پہنچتی بلکہ پورا خاندان ایک دوسرے کے لیے رحمت و شفقت کا باعث بنتا ہے اور اسلام کی ہدایت میں بھی اس طرح کا کوئی حکم نہیں کہ اس طرح کی رہائش اچھی نہیں ہوتی یا اس سے اسلام نے کہیں منع کیا ہو یہ سب کچھ علمی رنگ میں اندرونی جہالت کا اظہار ہے اور جاہل، عالم بن بیٹھے والے اس طرح کی باتیں کرتے ہیں اور ان مقدس رشتوں کو ناپاکی کی نظر دیکھتے ہیں۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہم کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

ام حرام کے پاس آپؐ کی آمدورفت اور وہاں آرام فرمنا

”حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ام حرام بن ملحان کے

پاس تشریف لاتے (یہ انس کی خالہ تھیں) وہ آپ کو کھانا کھلاتیں ام حرام بن ملحان عبادہ بن صامت کی بیوی تھیں۔ ایک دفعہ آپ نے ان کے پاس آئے کھانا کھایا اور لیٹ گئے تو ام حرام آپ کا سر دیکھنے لگیں کہ آپ سو گئے اور اچانک ہنستے ہوئے اٹھ بیٹھے ام حرام نے آپ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ آپ ہنس کیوں رہے ہیں تو آپ نے ارشاد فرمایا میری امت کے کچھ لوگ مجھے جہاد کرتے ہوئے دکھائے گئے جو سمندر کی پشت پر سوار ہوں گے اور وہ تختوں پر بادشاہوں کی طرح جلوہ افروز ہوں گے۔ ام حرام نے کہا کہ آپ میرے لیے بھی دعا فرمائیں کہ میں ان میں شریک ہوں تو آپ نے دعا فرمادی کہ اچانک پھر آپ کی آنکھ لگ گئی اور دوبارہ آپ ہنستے ہوئے بیدار ہوئے تو پھر آپ سے ام حرام نے دریافت فرمایا آپ نے فرمایا کہ مجھے میری امت کا ایک اور لشکر جنگ میں دکھایا گیا اور اس دفعہ بھی ام حرام نے اپنی شمولیت کی دعا کے لیے فرمایا تو آپ نے فرمایا نہیں آپ پہلے لشکر ہی میں شریک ہوں گی۔ (بخاری ۲۷۸۸، ۲۷۸۹، ۲۸۰۰، ۲۸۷۷، ۲۸۷۸، ۲۸۷۹، ۲۸۹۲، ۲۸۹۳، ۶۳۸۳، ۶۳۸۴، ۷۰۰۱، ۷۰۰۲)

ام سلیم اور ام حرام دو بہنیں ہیں قبا کے قریب رہتی ہیں

غور کیجئے کہ ام سلیم انس رضی اللہ عنہ کی والدہ اور ام حرام ان کی خالہ ہوتی ہیں اور انس آپ کی خدمت میں رہنے کے باعث گویا آپ کے خادم خاص ہیں۔ یہ دونوں بہنیں دین اسلام کے ساتھ گہری دلچسپی رکھتی ہیں اور اسی دلچسپی کے باعث آپ کو وہ اپنے گھر آنے کی بار بار دعوت دیتی ہیں اور آپ بھی اکثر ان کے ہاں تشریف لے جاتے ہیں جب کہ انس بھی آپ کے ساتھ ہوتے ہیں اس طرح آپ کے ان دونوں گھروں کے ساتھ نہایت روابط پیدا ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ ان کے ہاں آنا جانا کھانا پینا اور اٹھنا بیٹھنا آپ کا معمول بن جاتا ہے اور اس طرح باوجود کسی طرح کی کوئی رشتہ داری نہ ہونے کے دینی رشتہ داری اتنی پختہ ہو جاتی ہے کہ اس طرح آنے جانے میں کسی کو کسی طرح کی کوئی دقت محسوس نہیں ہوتی اور جس طرح انسان اپنے گھر میں زندگی گزارتا ہے وہاں کا بھی محمول ہو جاتا ہے یہی بات اس جگہ نظر آ رہی ہے اس پر ہمارے بزرگ کیا کیا حاشیہ لیس کریں گے اور کون کون سے مسائل اخذ کریں گے یہ ان کا معاملہ ہے ہم تو اس سے یہی سمجھتے ہیں کہ جہاں انسان کی ذہنی اور فکری ہم آہنگی ہو جاتی ہے وہ لوگ دوست اور یار بن جاتے ہیں جو قرآن

کریم کے بیان کے مطابق ”صدقہم“ کے الفاظ سے تعبیر ہوتے ہیں اور ان کے ہاں آنا جانا ان کے ساتھ بیٹھنا اٹھنا اور کھانا پینا سب جائز اور درست ہے قرآن کریم کے اس ارشاد کی آپ نے اپنی زندگی میں مثال قائم کر دی اور اس معاشرہ کو اجنبیت سے نکال کر اپنائیت میں داخل کر دیا۔ اللہم صل علی محمد وعلی آل محمد کما صلیت علی ابراہیم وعلی آل ابراہیم انک حمید مجید۔

ابوموسیٰ اشعری یمن سے آ کر آپ کے حج میں شامل ہوتے ہیں اور احرام کھولتے ہیں

”ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مجھے یمن کی ایک قوم کی طرف بھیجا میں جب وہاں سے واپس آیا تو آپ حج کے لیے آتے ہوئے مقام بطحا میں پہنچ چکے تھے آپ نے فرمایا کہ تو نے تلبیہ کس طرح کہا تھا؟ میں نے عرض کیا، میں نے کہا تھا کہ میرا تلبیہ اس طرح ہے جس طرح رسول اللہ ﷺ نے تلبیہ کہا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تمہارے ساتھ قربانی کا جانور ہے؟ میں نے عرض کیا، جی نہیں، آپ نے مجھے بیت اللہ کا طواف اور صفامروہ کی سعی کا حکم دیا جب میں فارغ ہوا تو آپ نے احرام کھول دینے کا ارشاد فرمایا۔ میں نے احرام کھول دیا اور اپنی قوم کی ایک عورت کے پاس چلا گیا (یہ عورت آپ کی بھانج تھیں) اُس نے میرے سر کے بالوں میں کنگھی کی اور میرے سر کو دھویا پھر میں وہاں سے ایک دوسری عورت (یعنی دوسری بھانج) کے ہاں گیا وہاں لیٹ گیا تو اُس نے میرے سر سے جوئیں نکالیں۔“ (بخاری ۱۵۵۹، ۱۵۶۵، ۱۷۲۴، ۲۳۶۱، ۲۳۹۷)

حافظ ابن حجر اور ان کی فتح الباری میں اس کی وضاحت

فتح الباری بخاری کی شرح ہے جو حافظ ابن حجر نے تحریر کی ہے وہ اس حدیث کے زیر تحت وضاحت فرماتے ہیں کہ ابوموسیٰ قیس بن سلیم کے بیٹے ہیں اور یہ بہت سے بھائی تھے جیسے ابورہم اور ابو ہریرہ وغیرہ یہ لوگ مدینہ میں ایک خاندان کی طرح اکٹھی رہائش رکھتے تھے۔ آپ نے یمن کی طرف ان کو بھیجا اور پروگرام کے مطابق آپ حج کے لیے جب گئے تو ابوموسیٰ بھی یمن سے واپس آ کر آپ کے ساتھ شریک حج ہو گئے۔ ابوموسیٰ حج تمتع تھا جس میں طواف وسعی صفامروہ کے بعد احرام کھول دیا جاتا ہے اور احرام کھولنے کے بعد حاجی کی معمول کے مطابق زندگی شروع ہو جاتی ہے گویا اب وہ محرم نہیں رہتا اور احرام کھول دینے کے بعد یعنی حلال ہونے کے بعد وہ اپنے روزمرہ کے کام اپنی حسب خواہش شروع کر

دیتا ہے۔ ابو موسیٰ نے جب احرام کھولا تو چونکہ اس کے خاندان کی عورتیں بھی اس حج کے سفر میں آپ کی شریک تھیں اور انہوں نے بھی احرام کھول دیا ہوا تھا کیونکہ وہ حج تمتع ادا کر رہی تھیں لہذا ابو موسیٰ ان کے ہاں جہاں وہ ٹھہری تھیں چلے گئے اور وہاں جا کر ان کے ٹھہرنے کی جگہ ان کے پاس رہے اور وہاں کھانا کھایا آرام کیا نہائے دھوئے اور اپنی بھوج کے ہاں سے ایک سے دوسری کے ہاں بھی گئے اور وہاں جا کر آرام کرنے لگے تو بھادج نے ان کے سر کے بالوں کو دیکھ کر ان کی جوئیں نکالنا شروع کر دیں یہ گویا ان کے رہنے سہنے کے معمولات جیسے تھے وہاں بھی احرام کھولنے کے بعد شروع ہو گئے چونکہ ابو موسیٰ اپنے بھائیوں میں چھوٹے تھے اور وہ اپنی بھادجوں کو اپنی ماں یا بڑی بہنوں کی طرح سمجھتے تھے اور وہ ان کو چھوٹے بھائی کے مقام پر دیکھتی تھیں اور یہ اجتماعی زندگی گزارنے کا ثمرہ تھا۔ دیکھتے ہیں کہ ”لحمو موت“ والے اس کا کیا جواب دیتے ہیں۔

ان روایات پر علامہ یوسف قرضاوی جو بحث کرتے ہیں اس کا ماحصل

محبت و شفقت کا یہ انداز جس میں قرب اور جسم کو چھونا بھی آتا ہے شرعاً جائز ہے خصوصاً جب کہ اس میں فتنہ کا کوئی اندیشہ نہ ہو اور یہ ظاہر ہے کہ فتنہ سے مخصوص حالات ہی میں محفوظ رہا جاسکتا ہے جیسا کہ مذکورہ نصوص سے واضح ہے۔ ایسے واقعات ایسے صالح اور پاکیزہ معاشرے ہی میں جنم لے سکتے ہیں جو فتنہ سے محفوظ رکھنے میں معاون ہو۔ محبت اور شفقت کے اس معیار کو قبول کرنے میں حوصلہ افزائی بھی کرتے ہیں۔ یہ معاشرتی انداز اس طرح بھی اشارہ کرتا ہے کہ صالح مسلمانوں میں طویل عرصہ تک معاشرت نہ ہو تو اس طرح کے پاکیزہ جذبات پیدا نہیں ہو سکتے۔ اس کی مثالوں میں اخوت کے وہ جذبات بھی شامل ہیں جو رسول اللہ ﷺ اور ام سلیم اور ام حرام کے مابین تھے۔ یہ وہ پاکیزہ جذبات ہیں جو انسانی شہوت کو دبا دیتے ہیں جس سے اجنبیت دور ہو کر اپنائیت لوٹ آتی ہے۔ یہی صورت ابو موسیٰ اور ان کے بڑے بھائیوں کی بیویوں کے درمیان تھی۔ اس کی مثال میں لحمو موت کے ان جذبات کو بھی بیان کیا جاسکتا ہے جو سالم مولیٰ ابی حذیفہ اور سہل بنت سہل زوجہ محترمہ حضرت ابو حذیفہ کے مابین ہوئے تھے سہل بنت سہل جو ابو حذیفہ کی بیوی تھیں انہوں نے آپ سے فرمایا کہ یا رسول اللہ! سالم ہمارا غلام ہے جو اب جوان ہو گیا ہے چونکہ اس کا بچپن ہمارے ساتھ گزرا ہے اب اس کو جدا نہیں کیا جاسکتا اور ابو حذیفہ اب اس کا اس طرح

گھر میں رہنا برداشت نہیں کرتے تو آپ نے اُس کو اپنا دودھ پلانے کا مشورہ دیا جس کا مطلب واضح طور پر یہ ہے کہ سالم گویا آپ کا یعنی سہل بنت سہل کا بیٹا ہے تو اس سے ابو حذیفہ کی وہ نفرت زائل ہو گئی اور سالم ان کے ہاں حسب معمول آتے جاتے رہے۔

نیز قرآن کریم کی آیت والتابعین غیر اولی الارباب من الرجال (۳۳:) نیز ان معمر خدام کے جو عورتوں کی خواہشیں نہیں رکھتے، میں بھی اسی طرح اشارہ ہے اور یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ کبیر السن ہونا ہی جنسی رغبت کی نفی نہیں بلکہ صالح مسلمانوں کی پیروی اور ان کے ساتھ طویل عرصہ کی معاشرت بھی جنسی خواہش کی نفی کے لیے ایک موثر ذریعہ ہے۔ اسی طرح یہ بھی کہ عورتوں کے مردوں سے طلب علم کے دوران جو ملاقات ہوتی ہے وہ بھی اس طرح کے جذبات کی وجہ سے جنس مخالف کی طرف دونوں کی شہوت کو کم کر دیتی ہے بلکہ بالکل نابود کر دیتی ہے اور صاحب علم و حلم سے یہ بات ہر گز پوشیدہ نہیں۔

ہم اپنے کلچر اور رہنے سہنے کی طرف بھی توجہ کرتے ہیں

ہمارے معاشرہ میں خاندانی بیٹیاں یعنی ایک خاندان سے تعلق رکھنے والی سب خاندانوں کے بڑوں کے لیے بیٹیاں سمجھی جاتی ہیں اور اسی طرح وہ طالبات بھی جنہوں نے مستقل اپنے استاد کے ہاں رہ کر ایک عرصہ گزارا ہوتا ہے کہ وہ تمام بیٹیاں استاد کو باپ سے بھی زیادہ درجہ دیتی ہیں اور استاد بھی اکثر ایسی طالبات کو حقیقی بیٹیوں کی نگاہ سے دیکھتا ہے شاید ہی کوئی ایسا بد بخت ہو جو اس سے مستثنیٰ ہو۔ پھر ان طالبات یا خاندان کی بیٹیوں کی جب شادی ہو جاتی ہے تو استاد اور خاندان کے بڑے ان طالبات یا بیٹیوں کے سر پر ہاتھ رکھتے ہیں جس کو ہماری زبان میں ”پیار دینا“ سے تعبیر کیا جاتا ہے اگر کوئی خاندان کا بڑا یا استاد اپنی خاندانی بیٹیوں یا طالبات سے ایسا سلوک نہ کرے یعنی پیار نہ دے تو اس کو برا خیال کیا جاتا ہے اور شکوہ ہوتا ہے کہ فلاں نے خاندان کی بیٹی یا اپنی طالبہ کے سر پر ہاتھ بھی نہیں رکھا یا ملاقات کے وقت اُس کے ہاتھ میں کچھ نہیں دیا اور اس طرح خاندانی بیٹیوں یا اپنی طالبات کے سر پر ہاتھ رکھنے سے اسلام کی نظر میں کچھ نہیں ہوتا اور اس طرح کا اظہار جائز اور صحیح ہے اس کی حوصلہ افزائی کی جاسکتی ہے حوصلہ شکنی نہیں کرنا چاہیے۔

آپ کی اخلاقی حدود بہت وسیع تھیں، غور کریں

”حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے کچھ عورتوں اور بچوں

کو کسی شادی کی تقریب سے واپس آتے ہوئے دیکھا تو آپ ان کے استقبال کے لیے کھڑے ہو گئے اور ارشاد فرمایا کہ ”تم مجھے سب لوگوں سے زیادہ محبوب ہو۔“ آپ نے یہ بات تین مرتبہ ارشاد فرمائی۔“ (بخاری ۵۱۸۰، ۳۷۸۵)

ایک دوسری روایت میں ہے کہ:

”حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک انصاری عورت نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اُس کے ساتھ اُس کے بچے بھی تھے نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”اس ذات پاک کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے مجھے تم سب لوگوں سے زیادہ عزیز ہو اور یہ بات آپ نے تین بار ارشاد فرمائی۔“ (بخاری ۶۱۴۵، ۳۷۸۶)

آپ کے اخلاق حسنہ کی حدود

ان احادیث سے آپ کی اخلاقی حدود کی وسعت کا بیان ہے اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ کسی کو مخاطب کر کے یہ بات کہنے سے کہ تم مجھے تمام لوگوں سے محبوب ہو دوسروں کی محبت کے ساتھ تقابل کے طور پر کہا جا رہا ہے، ہرگز نہیں اس میں تقابل پیش نظر نہیں ہوتا بلکہ وقت کی نزاکت پیش نظر ہوتی ہے گویا اس وقت جو لوگ وہاں موجود ہوتے ہیں اُن سے مخاطبین کی محبت کے اظہار کا ایک طریقہ بیان ہے جس سے محض محبت، الفت اور پیار کا تذکرہ مقصود ہوتا ہے ایسی باتوں کا تعلق گویا تکیہ کلام سے ہوتا ہے لیکن اکثر لوگ ایسی باتوں کو حقیقت پر محمول کرتے ہوئے بحث شروع کر دیتے ہیں جو کسی لحاظ سے بھی صحیح اور درست نہیں اس طریقہ بیان سے تقابل ہرگز پیش نظر نہیں ہوتا بلکہ محبت و پیار کے اظہار کا یہ طریقہ ہے جس کو قائم رہنا چاہیے۔

ہند بنت عقبہ کا بیان نبی کریم ﷺ کے متعلق

”حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ہند بنت عقبہ آئی اور اُس نے آپ سے کہا یا رسول اللہ روئے زمین پر کسی کے گھر والے ایسے نہ تھے جن کے بارے میں میری یہ خواہش نہ ہو کہ وہ آپ کے گھر والوں سے زیادہ ذلیل ہوں مگر آج یہ کیفیت ہے کہ روئے زمین پر کوئی گھر ایسا نہیں جن کے بارے میں میری یہ خواہش ہو کہ وہ آپ کے گھر والوں سے زیادہ معزز ہوں، آپ نے فرمایا، اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے ہم وہی ہیں جو پہلے تھے۔“

اخلاق کی اس صورت سے بہتر صورت اور کیا ہو سکتی ہے کہ کسی آدمی کی اتنی برداشت ہو کہ اپنے خلاف بات سن کر مثبت جواب دے اور کسی طرح کی سرزنش نہ کرے بلکہ خوش دلی سے اس کی طرف سے چشم پوشی کرے اور مخاطب کو صرف اتنا جواب دے کہ میں تو آج بھی وہی ہوں جو کل تھا مجھ میں کسی طرح کی تبدیلی نہیں ہوئی بلکہ آپ نے جو پہلے سمجھا تھا اُس کے برعکس اب تم نے سمجھا ہے اور اس کا فیصلہ بھی آپ ہی پر ہے کہ آپ کی پہلی سمجھ درست تھی یا دوسری۔

سمجھ لینا چاہیے کہ انسان کی یہ کیفیت اچھی نہیں قرار دی جاسکتی کہ جس کے ساتھ کسی طرح کی پر خاش یا دشمنی ہو تو اُس کی ہر بات کو برا سمجھے اور جس سے دوستی اور محبت ہو تو اُس کی ہر بات کو درست اور صحیح سمجھے خواہ وہ بات کتنی غلط کیوں نہ ہو۔ جو ایسا کرتا ہے وہ عقل مند اور سمجھدار انسان نہیں کہلا سکتا خواہ وہ کون ہو، کہاں اور کیسا ہو۔

اس عورت کا ذکر جس کو دنیا میں آپ نے جنت کی خوشخبری سے نوازا

”عطاء بن رباح سے روایت ہے کہ ابن عباس نے مجھ سے کہا کیا میں تمہیں ایک جنتی عورت نہ دکھاؤں؟ میں نے عرض کیا ضرور! انہوں نے فرمایا اس سیاہ عورت نے نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں عرض کیا تھا کہ مجھے مرگی کے دورے پڑتے ہیں اور میں برہنہ ہو جاتی ہوں اس لیے آپ اللہ تعالیٰ سے دُعا کریں کہ وہ مجھ کو اس موذی مرض سے نجات دے آپ نے اُسے جواباً فرمایا، تم چاہو تو صبر کرو، تمہارے لیے جنت ہے اور اگر چاہو تو میں دُعا کروں کہ اللہ تمہیں اس موذی مرض سے نجات دے؟ اُس نے کہا کہ میں صبر کرتی ہوں لیکن چونکہ میں برہنہ ہو جاتی ہوں آپ اللہ سے دُعا فرمائیں کہ میرے ساتھ ایسا نہ ہو تو آپ نے اُس کے لیے دُعا فرمائی،“ (بخاری ۵۶۵۲)

کیا دو صحابہ کے دوران یہ مکالمہ اپنی دلیل آپ نہیں ہے

غور کیجئے کہ عطاء بن رباح رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ دونوں نبی اعظم و آخر ﷺ کے صحابہ کرام ہیں ایک ان دونوں میں اس عورت کی طرف اشارہ کر کے دوسرے کو دکھا رہا ہے کیوں؟ اس لیے کہ آپ نے اس عورت کو جنت کی بشارت سنائی تھی اور اس لحاظ سے چاہے وہ کالی بھی تھی اور بیمار بھی لیکن فی الواقعہ وہ زیارت کے لائق تھی لیکن بیمار ہونے کے باوجود وہ کس طرح جنت کا شوق اپنے دل میں رکھتی تھی اور اس شوق کو دنیا کی

محبت پر بھی ترجیح دیتی تھی، میں پورے یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے اُس کو یقیناً صحت بھی عطا فرمائی ہوگی اور خصوصاً ایسی مرض میں مبتلا ہو کر اُس کا برہنہ نہ ہونا ہی اُس کی صحت پر دلالت کرتا ہے کیونکہ برہنہ ہونا بیہوشی کی علامت ہے اور برہنہ نہ ہونا ہوش و حواس قائم ہونے کی علامت ہے۔

اسماء رضی اللہ عنہا کا اپنے بیٹے کو آپ کی گود میں رکھنا

”اسماء رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ عبد اللہ بن الزبیر ان کے پیٹ میں تھے، مدت حمل مکمل ہو چکی تھی کہ میں نے ہجرت کی اور مدینہ آئی وہ کہتی ہیں میں نے قبا میں قیام کیا اور قبا ہی میں عبد اللہ کو جنم دیا، پھر میں اسے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں لے آئی اور اُس بچہ کو آپ کی گود میں رکھ دیا۔ آپ نے کھجور طلب فرمائی پھر اسے اپنے منہ میں چبایا اور آب دہن کو بچہ کے منہ میں ڈال دیا یعنی اپنے منہ سے بچہ کے منہ میں کھجور کا شیرہ ڈال دیا اس طرح سب سے پہلی چیز جو عبد اللہ کے پیٹ میں گئی وہ رسول اللہ ﷺ کا لعاب دہن تھا جو کھجور سے بنایا گیا تھا گویا اس طرح آپ نے اس کو کھجور کی گھٹی دی اور اس کے لیے برکت کی دعا فرمائی اور یہ ہجرت کے بعد اسلام میں پیدا ہونے والا پہلا بچہ تھا۔“ (بخاری ۵۴۶۹، ۳۹۰۹)

اسماء رضی اللہ عنہا کا مکمل تعارف کہ وہ کون ہیں؟

اسماء رضی اللہ عنہ کون ہیں؟ وہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بڑی بیٹی، سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی بڑی بہن ہیں۔ اسماء رضی اللہ عنہا نبی کریم ﷺ کی سالی ہیں۔ اسماء رضی اللہ عنہا عبد اللہ بن الزبیر کی والدہ ماجدہ ہیں اور یہ وہی عبد اللہ ہیں جن کی نسبت سے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے آپ کے حکم سے اُس کے نام پر اپنی کنیت اس رکھی اور نسبت کے لحاظ سے ”ام عبد اللہ“ کہلاتی تھیں۔ اسماء رضی اللہ عنہا وہ ہیں جنہوں نے آپ کی ہجرت کے وقت آپ کے لیے اور اپنے باپ ابو بکر صدیق کے لیے سفر خرچ باندھ کر دیا تھا اور اپنے ازار بند سے اُس کا منہ بند کیا تھا۔ اسماء رضی اللہ عنہا وہ ہیں جو اکثر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتی رہتی تھیں، اکیلے میں بھی اور دوسروں کی موجودگی میں بھی۔ اسماء رضی اللہ عنہا وہ ہیں جن کے ہاں نبی کریم ﷺ اکثر آتے جاتے رہتے تھے اور کھاتے پیتے، اُٹھتے بیٹھتے اور بعض اوقات قیلولہ تک فرمایا کرتے تھے اسماء رضی اللہ عنہا وہ ہیں جنہوں نے اپنے بیٹے کو جنم دینے کے بعد سب سے پہلے آپ کی گود میں نہایت بے تکلفی کے ساتھ لاکر

رکھ دیا۔ کیا سالی کے رشتہ کو ایک مقدس رشتہ نہیں کہا جاسکتا؟ اسماء رضی اللہ عنہا وہ ہیں جو آپ کے پھوپھی زاد بھائی کی بیوی ہونے کے لحاظ سے آپ کی ”بھانج“ بھی ہوتی ہیں اور زبیر رضی اللہ عنہ سے بڑے ہونے کی وجہ سے آپ کی یہ بھانج اور سالی آپ کے لیے چھوٹی بہن کے مترادف بھی ہیں۔

سائب بن یزید کا بیان کہ میری خالہ مجھے آپ کے پاس لے گئیں

”سائب بن یزید سے روایت ہے کہ میری خالہ مجھے نبی کریم ﷺ کے پاس لے گئیں اور عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ! میرے بھانجے کے پاؤں میں درد ہے آپ نے وضو فرمایا تو میں نے آپ کے وضو سے بچا ہوا پانی پیا، پھر میں آپ کے پیچھے کھڑا ہو گیا تو میں نے آپ کے دونوں کندھوں کے مابین نبوت کی مہر کو دیکھا جو بکوتری کے انڈے کی طرح یا انڈے کے برابر تھی۔“ (بخاری ۱۹۰، ۳۵۴۰، ۳۵۴۱، ۵۶۰۰، ۶۳۵۳)

آپ معلم بنا کر بھیجے گئے ہیں مردوں کے لیے بھی اور عورتوں کے لیے بھی

ان روایات سے یہ بات روز روشن کی طرح صاف طور پر واضح ہے کہ آپ کے دور کی عورتیں یعنی صحابیات آپ کے ہاں اکثر آیا جایا کرتی تھیں اور آپ سے بے تکلف بات چیت کرتی تھیں اور مسائل پوچھنے میں بھی بالکل آزاد تھیں باوجود اس کے آپ کے ۱۱ یا ۱۲ گیارہ گھروں میں آپ کی ازواج مطہرات بھی مسائل بتانے کے لیے موجود تھیں تاہم آپ سے جودل تسلی پاتے تھے وہ دوسروں سے کیسے سیراب ہو سکتے تھے اور آپ نے بھی اپنے پاس کسی آنے والی عورت کو منع نہیں فرمایا کہ جب میں نے آپ کو یعنی عورتوں کو سکھانے کا بہت بڑا انتظام کر دیا ہے تو تم لوگ اُسی انتظام پر اکتفا کرو، کیوں؟ محض اس لیے کہ بعد میں آنے والے لوگوں کے لیے آپ کا یہ اسوہ حسنہ ہمیشہ کے لیے قائم رہے اور عورتیں مردوں سے اور بعض اوقات مرد بھی عورتوں سے تعلیم حاصل کرنے میں قباحت نہ سمجھیں اور اپنی اپنی حدود میں رہ کر اسلام کے تبلیغی کام کو رواں دواں رکھیں اور یہ سلسلہ بحمد اللہ اُس وقت سے لے کر برابر آج تک بدستور جاری و ساری ہے۔ تعجب ہے کہ عورتوں کے لیے ایک آنکھ کھلی رکھنے کا فتویٰ دینے والے خود بھی اس کام میں برابر کے شریک ہیں فتویٰ اس طرح صادر کرتے ہیں اور عمل اس کے مطابق کرتے ہیں اور اس تعلیم سے بھی تمام علوم کی تعلیم کو عملاً اختیار کرتے ہیں چاہے قولاً اس کی تردید کرتے ہوں کیوں؟ اس لیے کہ ان کی بہنیں اور

بیٹیاں باقاعدہ یونیورسٹیوں تک تعلیم حاصل کرتی ہیں اور علاوہ ازیں بھی زندگی کے تمام شعبوں میں ایک سے بڑھ کر ایک خدمات سرانجام دے رہی ہیں اور اکثر غیر ممالک میں بھی اپنی اپنی ضرورت کے تمام کام سرانجام دیتی ہیں۔

عبداللہ بن ہشام نے آپ کی زیارت کی

”عبداللہ بن ہشام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کی زیارت اس وقت کی جب وہ ابھی بالکل بچہ تھے اور ان کی والدہ نہ نب بنت حمید انہیں رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں لے گئیں اور آپ سے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! آپ اس سے بیعت لے لیں آپ نے فرمایا کہ یہ ابھی بہت چھوٹا ہے آپ نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور میرے لیے دُعا فرمائی۔ (بخاری ۲۵۰۱، ۲۱۰۷)

ام قیس بن محسن کا بیان اپنے چھوٹے بیٹے کے متعلق

”ام قیس بنت محسن رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وہ اپنے چھوٹے بیٹے کو جس نے ابھی تک کھانا کھانا شروع نہیں کیا تھا لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ نے اُس بچہ کو اپنی گود میں اٹھا لیا تو اُس نے آپ کے کپڑوں پر پیشاب کر دیا، آپ نے پانی منگوایا اور اپنے کپڑوں پر چھینٹے مار دیئے اور اُن کو دھویا نہیں تھا۔“ (بخاری ۲۲۳، ۵۶۹۳)

اوپر بیان کردہ روایات کا حاصل

مذکورہ روایات سے ہمیں کیا سبق حاصل ہوتا ہے؟ یہی کہ آپ کے پاس اکثر عورتوں کی آمد و رفت ہوتی تھی اور آپ ہر ایک آنے والی عورت کی بات کو بغور سنتے تھے اور کسی سے بھی کسی طرح کی نفرت نہیں کرتے تھے۔ خصوصاً یہ کہ آپ کو اپنی امت کے چھوٹے چھوٹے بچوں سے بہت محبت تھی اور آپ ہر بچے کو بخوشی گود میں لے لیتے تھے ان کو پیار کرتے تھے ان کی حرکتوں کو دیکھ کر خوش ہوتے تھے چھوٹے بچوں کے بول و براز کر دینے کو بھی ناگوار نہیں سمجھتے تھے۔ عورتوں کی ان باتوں سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ وہ کھلے چہرہ اور کھلے ہاتھوں آتی جاتی تھیں اور ظاہر ہے کہ وہ کہیں اندر سے اچانک نہیں نکل آتی تھیں بلکہ اپنے گھروں سے آتی تھیں اور یہ بات بھی نہیں کہی جاسکتی کہ وہ اپنے اپنے محرمین کو ساتھ لائی تھیں کیونکہ کسی بھی گھر کے رہنے والے اپنی اپنی عورتوں کے ساتھ ہر وقت نہیں رہ سکتے

تھے جب آپ ان کے گھروں میں تشریف لے جاتے تو آپ بھی ان کے گھروں کو وہ اہمیت دیتے تھے جو اپنے عزیز واقارب کے گھروں کو حیثیت حاصل ہوتی ہے کہ اجازت کے ساتھ ایک دوسرے کے گھر میں جایا جاسکتا ہے۔ قرآن کریم نے بھی اس طرح ایک دوسرے کے گھر میں آنے جانے کے لیے صرف اجازت لازم قرار دی ہے اور آپ کے اسوہ حسنہ سے بھی یہی بات ثابت ہوتی ہے۔

ام اُسید کی شادی کا پہلا روز اور ولیمہ کی دعوت کا انتظام

”حضرت سہل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب ابو اُسید ساعدی رضی اللہ عنہ کی شادی ہوئی تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کو ولیمہ کی دعوت پر بلایا، کھانا ان کی بیوی ام اُسید نے خود تیار کیا اور خود ہی مہمانوں کی خدمت میں پیش کیا حالانکہ وہ دہن تھیں۔ اور اس مشروب کو بطور خاص آپ کی خدمت اقدس میں پیش کیا۔ (بخاری ۵۱۷۶، ۵۱۸۲)

یہ ایک سبق آموز واقعہ ہے جس پر غور کرنا ضروری ہے

یہ ایک منفرد واقعہ ہے کہ دہن اپنی شادی کا کھانا خود تیار کرے اور پھر خود ہی اُس کو کھانے والے مہمانوں کے سامنے پیش کرے اور اسی طرح آپ کے لیے وہ ایک خاص قسم کا مشروب بھی تیار کرے اور آپ کی خدمت میں پیش کرے۔ ظاہر ہے کہ اُس کام کے کچھ حصہ کو مہمانوں نے دیکھا اور کچھ ان کو بخوشی بتایا گیا اور یہ تمام کام جو اس اللہ کی بندی نے اپنے ہاتھوں سرانجام دیا ان دعوت پر مدعو لوگوں نے دیکھا یہ اُس نے ایک آنکھ ہی سے کیا تھا تو ہاتھوں پر کیا چڑھا رکھا ہوگا کیونکہ اس تمام کام میں ہاتھوں کا بہت زیادہ عمل دخل ہے کیونکہ عورت کو ایک آنکھ کھلی رکھنے کی اجازت ہے اگر اُس کا چہرہ یا ہاتھ کھل گئے تو گویا اُس کا ستر کھل گیا۔ اس سے بہتر یہی ہے کہ تسلیم کر لیا جائے کہ عورت کے ہاتھ اور چہرہ ستر میں شامل نہیں اس لیے وہ اس طرح کے تمام کام آزادی کے ساتھ سرانجام دے سکتی ہے خصوصاً جب اُس کا خاوند بھی اس مجلس میں موجود ہے اور جن لوگوں کو اُس نے دعوت پر بلایا ہے اُن کی حقیقت و اصلیت کو وہ سمجھتا ہے اس مجلس کے تمام لوگ ایسے ہیں جو قرآن کریم کی اس ہدایت کو اچھی طرح سمجھتے ہیں مردوں کو اپنے منہ دھیان رہ کر اپنا کام کرنا چاہیے اور عورتوں کو اپنے منہ دھیان رہ کر اپنا کام کرنا چاہیے اور کھانے پینے کی مجلس میں ایک دوسرے کو کوئی چیز پیش کرنا اور کھانے والوں کو اپنی ضرورت کی چیز طلب کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں۔ اسلام کا چہرہ مسخ

کرنے کے لیے اس وقت ہم نے اسلام کے ذمہ وہ چیزیں لگادی ہیں جو اسلام کی ہرگز نہیں اور ان ہی چیزوں پر زیادہ زور دیتے ہیں جو خود گھڑی ہوئی ہیں۔ اللہ ہم سب کو اسلام کی صحیح سمجھ عطا فرمائے اور ہم کو پکا اور سچا مسلمان بننے کی توفیق عطا فرمائے۔

جمعہ کے روز نہایت خوش و خرم ہونے کا واقعہ

”ابو حازم سے روایت ہے کہ سہل رضی اللہ عنہ نے کہا ہم جمعہ کے دن بہت خوش و خرم ہوا کرتے تھے۔ میں نے سہل سے پوچھا کہ کیوں؟ اُس نے کہا ہماری بوڑھیا تھی جو کسی کو باغ کی طرف روانہ کر کے چتدر کی جڑیں منگاتی تھی اور ان کو ہنڈیا میں ڈال کر اوپر جو کے دانے پیس کر ان کا آنا ڈال دیتی تھی۔ جب ہم نماز جمعہ ادا کر لیتے تو اُس بوڑھیا کے پاس آتے اُسے سلام کہتے اور وہ اس کھانے کو ہمارے سامنے پیش کرتی ہم اس کی وجہ سے بہت خوش ہوتے تھے اور ہم جمعہ کے روز نماز جمعہ کے بعد وہاں ہی قیلولہ کرتے تھے اور دو پہر کا کھانا کھاتے تھے۔ (بخاری ۹۳۸، ۶۲۳۸)

خلاصہ دینی محبت کے لیے ایک دوسرے سے ملاقات

دعوت کرنے والی یہ بوڑھیا کون ہیں اور دعوت کھانے والے کون؟ شارحین نے جو کچھ بیان کیا ہے اُس سے کہیں یہ ثابت نہیں کہ یہ ایک دوسرے کے محرم تھے بلکہ ان کا آپس میں سوائے اسلام کے کچھ رشتہ نہ تھا بوڑھیا محض صحابہ کی خدمت کے شوق میں یہ کام سرانجام دیتی تھیں اور صحابہ محض بوڑھیا کی محبت کے اظہار کے لیے ان کے ہاں چلے جاتے تھے وہاں کھانا کھاتے اور قیلولہ کرتے بعد ازیں اپنی اپنی منزل کی طرف چلے جاتے تھے۔ اسلام پیار و محبت کا داعی ہے اور وہ جائز طریقہ سے ایک دوسرے کی عزت و احترام کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے کسی کے ہاں آنے جانے سے قطعاً نہیں روکتا جب کہ یہ آنا جانا اجازت کے ساتھ ہو اور آنے جانے والے جن کے ہاں آنا جانا ہے سب کے سب اس کو پسند کرتے ہوں اور ان کا یہ آنا جانا اللہ کی رضا اور اللہ کے دین کی خاطر ہو۔

مذکورہ حدیث پر فتح الباری میں امام ابن حجر کی وضاحت

ابو حازم کی مذکورہ حدیث پر بحث کرتے ہوئے فتح الباری میں امام ابن حجر صحیحین کی ان روایات کے علاوہ دوسری کتب کے حوالہ سے درج کرتے ہیں کہ علاوہ ازیں روایات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ شوہروں کی عدم موجودگی میں بھی عورتوں کے لیے ایسے مہمانوں

کے استقبال میں کوئی حرج نہیں جنہیں شوہر پہچانتے ہوں اور قابل اعتماد سمجھتے ہوں۔ طبری نے قنادہ سے روایت کی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے عورتوں سے بیعت کے وقت یہ عہد بھی لیا کہ وہ نوحہ کریں گی اور نہ عام مردوں سے باتیں کریں گی تو عبدالرحمن بن عوف جو اُس وقت وہاں موجود تھے بول پڑے اور کہا کہ یا رسول اللہ ہمارے ہاں مہمان آتے ہیں جب کہ ہم اپنی بیویوں کے پاس موجود نہیں ہوتے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری مراد ایسے مردوں سے نہیں ہے کیونکہ اس طرح گھروں میں آنے جانے والے عام مرد نہیں۔ (فتح الباری جلد ۱۰ ص ۲۶۴)

ایک گزشتہ حدیث کا حوالہ جو اس جگہ دیا جاسکتا ہے

فتح الباری میں اس جگہ گزشتہ اس حدیث کا حوالہ نہیں دیا گیا حالانکہ صحیحین کا یہ حوالہ بھی اس سلسلہ میں اپنے اندر بہت وضاحت رکھتا ہے کہ جب آپ نے ابوالدرداء رضی اللہ عنہ اور سلمان کے درمیان مواخات قائم کی اور سلمان ابوالدرداء کی غیر حاضری میں اُس کے گھر گئے اور اُس سے اس کے ایک ذاتی مسئلہ کی بات کی اور سلمان وہاں رک گئے اور ابوالدرداء کے ہاں رات گزاری اور اُس کو طریقہ اور سلیقہ سے تعلیم دی اور توجہ دلائی کہ اللہ کے بندے آپ پر اپنی جان اور اپنی بیوی کا بھی حق ہے اگر تم نے ان کے حقوق کا خیال نہ رکھا تو تمہاری عبادت بھی عبادت نہیں رہے گی بلکہ یہ ایک فریب بن جائے گا۔

امام بخاری کا تجزیہ حدیث جو انہوں نے خود ہی اپنی بیان کردہ روایت پر کیا

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ مجھے نبی ﷺ کی کسی بیوی پر اتنا رشک پیدا نہیں ہوا جتنا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا پر میں نے کیا ہے حالانکہ میری شادی سے پہلے ہی وہ انتقال فرما گئی تھیں۔ یہ رشک اس لیے آتا ہے کہ آپ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا کثرت سے ذکر کرتے تھے اور اللہ نے آپ کو حکم دیا تھا کہ انہیں جنت میں موتیوں سے بنے ہوئے ایک محل کی بشارت سنا دیں اور رسول اللہ ﷺ جب بھی کوئی بکری ذبح کرتے تو خدیجہ رضی اللہ عنہا کے سہیلیوں کو ان کی ضرورت کے مطابق اُس کا گوشت ارسال فرماتے۔ (بخاری ۳۸۱۶، ۳۸۱۷، ۵۲۲۹، ۶۰۰۴، ۷۸۸۴)

اس پر امام بخاری کا تجزیہ یہ ہے کہ وہ اس باب میں کہتے ہیں کہ اس کو مردوں اور عورتوں کے درمیان تحائف کا تبادلہ کہا جاسکتا ہے۔

ایک عورت کا خود حاضر ہو کر آپ کو چادر پیش کرنا

”سہیل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک عورت بردہ لے کر آئی پھر انہوں نے پوچھا کہ تم کو معلوم ہے کہ بردہ کسے کہتے ہیں؟ انہیں جواب دیا گیا کہ بردہ ایسی چادر کو کہتے ہیں جس کے کناروں پر کڑھائی کا کام کیا گیا ہو، صحیح ہے پھر وہ کہنے لگے جو عورت بردہ لے کر آئی تھی اُس نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! اس چادر کو میں نے اپنے ہاتھ سے بنایا ہے تاکہ آپ اس کو زیب تن فرمائیں۔ نبی کریم ﷺ نے وہ چادر لے لی اس لیے کہ آپ کو چادر کی ضرورت بھی تھی۔ پھر آپ جب مجلس میں تشریف لائے تو آپ نے وہ چادر بطور تہبند باندھی ہوئی تھی۔ لوگوں میں سے ایک شخص اٹھا اور اُس نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! یہ چادر مجھے عطا فرمادیں تو آپ نے اُس کو اثبات میں جواب دیا، آپ اس مجلس میں شریک رہے اور جب فارغ ہو کر گھر تشریف لے گئے تو وہ چادر اتاری اس کی جگہ دوسری چادر باندھی اور وہ چادر فوراً اُس شخص کو بھجوا دی جس نے تقاضا کیا تھا۔ بعض لوگوں نے اُس شخص سے کہا کہ تو نے یہ اچھا عمل نہیں کیا تجھے معلوم ہے کہ آپ کبھی بھی کسی سوالی کے سوال کو رد نہیں فرماتے تو اُس آدمی نے جواب دیا واللہ! میں نے آپ سے اس چادر کا سوال اس لیے کیا ہے تاکہ میری موت کے دن یہ چادر میرا کفن ہو۔ سہل کہتے ہیں کہ اُس شخص کو اس چادر کا کفن دیا گیا تھا۔ (بخاری.....)

اس روایت سے جو بات سمجھ میں آتی ہے

مذکورہ روایت سے یہ بات ثابت کی گئی ہے کہ عورتیں بھی اپنے اندر ایسی خواہش رکھتی ہیں کہ اپنے عقیدت رکھنے والوں کو پیش کش کوئی چیز بطور تحفہ پیش کریں اور جن کو وہ تحفہ دیا گیا ہو اُن کا بھی حق ہے کہ وہ اس کو قبول کر لیں تاکہ اس سے دینی محبت کو فروغ ہو اور وہ تحفہ اسلامی عقیدت میں اضافہ کا باعث بنے گویا ہدیہ و تحفہ مرد، عورتوں کو اور عورتیں، مردوں کو دے سکتی ہیں بشرطیکہ اس میں کسی فتنہ کا اندیشہ نہ ہو اور یہ بات سب کے سامنے اور واضح طور پر ہو دوسری بات یہ ہے کہ اپنے ہاتھ سے کام کر کے گویا پوری محنت اور لگن سے کوئی چیز تیار کر کے بھی پیش کی جاسکتی ہے تاکہ بھیجنے والا اُس کے استعمال کو بھی دیکھتا رہے اور یہ بھی کہ یہ تفصیل معلوم ہونے کے بعد وہ چیز جس کو تحفہ دی گئی ہے اُس سے کسی کا مانگ لینا بھی مناسب نہیں کیونکہ اس سے تحفہ پیش کرنے والے کو تکلیف پہنچتی ہے جو کسی حال میں بھی مناسب نہیں۔

نہیب رضی اللہ عنہا کی شادی پر ام سلیم کا تحفہ آپ کی خدمت میں

”حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب سیدہ نہیب سے شادی کی تو ام سلیم نے مجھ سے کہا کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں کوئی تحفہ پیش کرنا چاہیے میں نے تصدیق کی اور کہا ضرور، اُس نے کھجور، گھی اور پنیر سے حلو تیار کیا اور میرے ہاتھ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں بھیج دیا میں اُسے آپ کے پاس لے گیا چونکہ انہوں نے مجھے کہا تھا کہ یہ ہدیہ جب آپ کی خدمت میں پیش کریں تو یہ بات کہنا کہ یہ میری امی نے بھیجا ہے اور میری امی نے آپ کو سلام بھی کہا ہے اور عرض کی ہے کہ یہ تھوڑا سا تحفہ ہماری طرف سے قبول فرمائیں، میں نے یہی بات آپ سے آ کر کہہ دی تو آپ نے وہ تحفہ قبول فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اس جگہ رکھ دو تو میں نے اس کو وہاں رکھ دیا۔ (بخاری ۵۱۶۳، ۴۸۹۱)

ام ہنیدہ کا آپ کی خدمت میں تحفہ پیش کرنا

”حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کی خالہ ام ہنیدہ نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پنیر، گھی اور گوہ کا گوشت پکا کر روانہ کیا آپ نے ان چیزوں کو قبول فرمایا لیکن پنیر اور گھی تو آپ نے استعمال کیا اور وہ گوشت آپ نے استعمال نہ فرمایا۔ اس لیے کہ آپ کو گوہ کا گوشت پسند نہیں تھا نہ آپ استعمال کرتے تھے۔ ابن عباس نے پھر کہا کہ آپ کے دسترخوان پر گوہ کا گوشت کھایا تو گیا اگرچہ آپ نے خود کبھی استعمال نہ فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ گوہ کا گوشت حرام نہیں اگر حرام ہوتا تو آپ کے دسترخوان پر کبھی نہ کھایا جاتا یعنی کوئی بھی اس کو کبھی استعمال نہ کرتا۔ (بخاری ۲۵۸۵، ۲۵۸۹، ۵۴۰۲، ۷۳۵۸)

ایسی روایات کو اس جگہ کیوں درج کیا گیا ہے؟ جواب واضح ہے

اوپر جتنی روایات درج کی گئی ہیں ان سب کا مدعا اس جگہ درج کرنے سے کیا ہے؟ صرف اور صرف یہ ہے کہ عورتوں اور مردوں کی ملاقات کو صرف اور صرف برائی کے انداز سے نہ دیکھا جائے بلکہ نیکی، تقویٰ اور ورع کو بھی جگہ دی جائے۔ تمام مرد برے نہیں ہوتے نہ تمام عورتیں بری ہوتی ہیں اور یہ بھی فطری چیز ہے کہ برا، برائی کی طرف مائل ہوتا ہے اور نیک، نیکی کی طرف عورت اور مرد کی ملاقات کی نفی اس لیے بھی نہیں کی جاسکتی کہ اسلام کی تعلیم میں تمام انبیاء کرام کے خوابات سچے ہوتے ہیں کسی بات کا نبی علیہ السلام کو خواب میں نظر آنا بالکل ایسا

ہی ہے جیسا کہ بیداری میں اُس کا نظر آتا ہے۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی طرف وحی کا جو سب سے پہلے آغاز ہوا وہ سچے خواب تھے جو کچھ آپ خواب میں دیکھتے وہ بالکل اسی طرح بیداری میں پیش آ جاتا۔ آپ سے یہ بھی روایت ہے کہ مومن کا خواب نبوت کے چھیلیسویں اجزاء میں سے ایک جزء ہے۔ (بخاری)

عورتوں اور مردوں کی ملاقات تو ایک فطری چیز ہے

پھر یہ بھی عین حقیقت ہے کہ عورتوں کی مردوں سے ملاقات ایک فطری امر ہے وہ لوگ اپنے آپ پر زیادتی کرتے ہیں جو اس ملاقات سے اتنی سختی کرتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ان کے حق میں گویا لکھ دیا ہے اگر وہ بیداری کی ملاقات کو فتنہ سمجھتے ہیں اور اس فتنہ میں وہ مبتلا نہیں ہونا چاہتے تو عین ممکن ہے کہ خواب میں ان کی ملاقات ہو جائے اور ان کے لیے یہ آزمائش کا باعث بن جائے اگر ایسا ہو تو یہ ان کے لیے ایک دائمی آزمائش ہو جائے گی جس سے وہ بھاگ نہیں سکتے اگر اختیاری طور پر نہ ہوگی تو اضطراری طور پر ہو جائے گی، اگر مسلمان عورتوں کے ساتھ نہ ہوئی تو غیر مسلم عورتوں کے ساتھ ہو جائے گی، اگر بیداری میں نہ ہوئی تو خواب میں ہو جائے گی۔

نبی کریم ﷺ کے خواب میں آپ رضی اللہ عنہا نظر آئیں

”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ان سے فرمایا کہ تو مجھے خواب میں دوبار دکھائی گئی۔ میں نے دیکھا کہ تو گویا ریشم کے کپڑے میں لپٹی ہوئی ہے، مجھ سے کہنے والے نے کہا کہ یہ آپ کی بیوی ہے، پردہ ہٹا کر، اسے دیکھو، میں نے دیکھا وہ تو تھی، میں نے کہا اگر یہ معاملہ اللہ کی طرف سے ہے تو وہ اُسے پورا فرما دے گا۔“ (بخاری ۷۰۱۲۷، ۵۱۲۵، ۵۰۷۸، ۳۸۹۵)

جابر بن عبد اللہ نے اپنے آپ کو جنت میں دیکھا

”جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں جنت میں داخل ہو گیا ہوں اور وہاں میں نے ابوطحہ کی دھتی آنکھوں والی بیوی کو دیکھا ہے۔“ (بخاری ۷۰۲۲۶، ۵۳۲۶، ۳۶۷۹)

آپ ﷺ نے جنت میں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا مل دیکھا

”ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر

تھے، آپ نے فرمایا کہ میں سویا ہوا تھا کہ میں نے اپنے آپ کو جنت میں دیکھا میں نے دیکھا کہ وہاں محل کے ایک جانب ایک عورت وضو کر رہی ہے، میں نے پوچھا کہ یہ کس کا محل ہے؟ مجھے بتایا گیا کہ یہ عمر رضی اللہ عنہ کا محل ہے، مجھے ان کی غیرت یاد آئی اور میں وہاں سے چل پڑا یہ بات سن کر حضرت عمرؓ رونے لگے اور انہوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! کیا میں آپ کے بارے میں غیرت سے کام لوں گا۔ (بخاری ۳۲۴۳، ۳۶۸۰)

عورتوں کی آزادی نماز یعنی مسجدوں میں باقاعدہ حاضری

روایات میں دیکھا یا جا چکا ہے کہ نبی کریم ﷺ عورتوں کو وہ جوان ہوں یا بوڑھی، ناکتھ ہوں یا شادی شدہ سب کو مسجد میں آنے کی دعوت دیتے تھے نماز جمعہ، عیدیں اور دوسرے وعظوں میں بھی شرکت کی دعوت دیتے تھے جب کہ بعض صحابہ کرام پر اپنے دور جاہلیت کا کچھ نہ کچھ تھوڑا ہی سہی اثر ضرور موجود تھا وہ اپنے طور پر سمجھتے تھے کہ مسجدوں میں جانے کی اجازت کے ساتھ عورتوں کو مزید آزادی حاصل کرنے کی رغبت ہوگی۔ آپ کے دور مقدس میں وہ عورتوں کو بزدور روکتے بھی نہیں تھے لیکن ان کے اس اقدام سے راضی بھی نہیں تھے۔ ان صحابہ کرام میں سیدنا عمرؓ کا ذکر بھی آتا ہے۔ اللہ رب کریم نے اپنے محبوب محمد رسول اللہ ﷺ کو اس طرح کا خواب دکھا کر گویا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو حقیقت حال سمجھنے کی طرف راہنمائی فرمائی ہے اور اس کے بعد وہ اس معاملہ میں سختی کرنے والے نہیں رہے تھے یہ بات بھی روایات میں بالکل صاف طور واضح ہے۔

عورتوں کی طرف سے مردوں کی عیادت کا ذکر روایات میں

امام بخاریؒ نے اپنی کتاب ”الادب المفرد“ میں یہ واقعہ تفصیل سے درج کیا ہے کہ ام الدرداء نے اہل مسجد میں سے ایک انصاری مرد کی عیادت کی (فتح الباری جلد ۱ ص ۳۳۲)

”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے آئے تو ابو بکرؓ اور بلالؓ کو سخت بخار ہو گیا، میں ان کے پاس گئی اور میں نے پوچھا ابو جان آپ کا کیا حال ہے؟ بلال آپ کا کیا حال ہے بعض روایات میں اور صحابیات کا ذکر بھی آتا ہے اور یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ ابو بکرؓ کو جب بخاری ہوتا تھا تو بہت سے شعر اونچی آواز سے پڑھتے تھے اور وہ اس بخار میں بھی پڑھتے رہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور آپ کو ان

کے بخار کا قصہ بتایا تو آپؐ نے دُعا فرمائی اے اللہ ہمارے لیے مدینہ بھی اس طرح محبوب فرمادے جس طرح تو نے ہمارے دل میں مکہ کی محبت پیدا فرمائی بلکہ اس سے بھی زیادہ محبوب فرمادے۔ اے اللہ! مدینہ کو ہمارے لیے صحت افزاء مقام بنادے، اس کے مُد اور صاع میں ہمارے لیے برکت عطا فرمادے اور اس بخار کو کسی اور کھلے میدان کی طرف منتقل فرمادے۔“ (بخاری ۵۶۵۴، ۱۸۸۹)

اُٹھائے گئے ایک سوال کے جوابات فتح الباری میں

مذکورہ حدیث کے متعلق یہ سوال اُٹھایا جاسکتا ہے کہ اس حدیث میں جس واقعہ اور جس عیادت کا ذکر کیا گیا ہے یہ پردہ سے پہلے کی بات ہے پردہ کا اہتمام سورہ النور یا سورہ الاحزاب کے بعد کے واقعات سے ہو سکتا ہے پہلے کے واقعات سے نہیں، یہ سوال قبل ازیں شارحین کی طرف سے اُٹھایا بھی گیا ہے اور اس کا جواب ایک نہیں امام حجرؒ نے بہت سے جواب دیئے ہیں اور آخر الکلام یہ کہا ہے کہ امام بخاری نے باب باندھا ہے اس میں اُنہوں نے واضح طور پر یہ کہا ہے کہ ”عورتوں کے لیے مردوں کی عیادت کرنے کا باب“ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُنہوں نے اس حکم کو پردہ کی آیات کے نزول کے ساتھ ملتی نہیں کیا اس لیے امام بخاری کی رائے یہ نہیں ہے جس کا ذکر کیا گیا ہے۔

حضرت عائشہؓ کی بلال کی عیادت کا واقعہ عائشہؓ کی رخصتی کے بعد کیا پہلے کا

ہم اس وقت پہلی بات کو تسلیم کرتے ہیں اور اس بات کی تلاش کریں گے کہ آیا اس کے بعد کا کوئی واقعہ بھی مذکور ہے یا نہیں لیکن قبل اس کے کہ ہم اس کی وضاحت کریں پہلے ایک بات ضرور استفسار کریں گے کہ یہ واقعہ سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی شادی کے بعد کا ہے یا پہلے کا اس کا جواب اہل علم کے ذمہ ہے اس کا جواب کہیں سے آئے گا تو ان شاء اللہ اس سلسلہ میں ہم بات آگے بڑھائیں گے ورنہ کوئی دوسرا اس کا ذمہ دار ہو جائے گا کافی الحال ہم موضوع کی طرف آتے ہیں کہ کوئی اور واقعہ جو پردہ کی آیات اُترنے کے بعد کا ہو اس کا ذکر کیا جائے سو عرض ہے کہ:

امام بشر بن براء کا کعب بن مالک کی عیادت کے لیے تشریف لانا

”عورتوں کی طرف سے مردوں کی عیادت کے واقعات میں سے ام بشر بنت براء بن معرور کا کعب بن مالک کی عیادت کرنا ہے۔ جب ان کی وفات کا وقت تھا تو یہ اُن کے پاس

گئیں اور کہا اے ابا عبد الرحمن میرے بیٹے بشر کو میرا سلام کہنا، اُنہوں نے کہا ام بشر! اللہ تعالیٰ آپ کو معاف فرمائے تم نے یہ بات نہیں سنی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مومن کی روح پرندے کی صورت میں جنت کے درختوں کے پھل کھاتی رہتی ہے یہاں تک کہ اللہ قیامت کے روز اس کو اُس کے جسم کی طرف لوٹا دے گا یہ بات سن کر اُنہوں نے کہا کہ یہ بات آپؐ نے سچ فرمائی ہے میں اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتی ہوں۔“ (سلسلہ احادیث الصحیحۃ البانی ص ۹۹۵)

یہ تو عورتوں کا مردوں کی عیادت کرنے کے واقعات تھے لیکن روایات میں مردوں کا عورتوں کی عیادت کا ذکر بھی کثرت سے پایا جاتا ہے جہاں تک خود نبی کریم ﷺ کی عادت مبارک تھی کہ عورتوں کی عیادت کے لیے بھی تشریف لے جاتے تھے اور آپؐ کے زمانہ اقدس میں صحابہ کرام بھی عبادت کے لیے تشریف لے جاتے تھے۔

آپؐ نساء بنت زبیر کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے

”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نساء بنت زبیر کی عیادت کے لیے گئے اور اُن کے پاس جا کر فرمایا کہ تمہارا ارادہ حج کا ہے؟ اُنہوں نے جواب دیا واللہ میں تو اپنے آپ کو بیمار محسوس کرتی ہوں تو آپؐ نے ان سے فرمایا حج کرو اور یہ شرط عائد کر لو کہ اے اللہ! میں وہاں احرام کھول دوں گی، جہاں تو مجھے روک دے گا یہ نساء بنت زبیر کی بیوی تھیں۔“ (بخاری.....)

رسول ﷺ کا ام سائب کی عیادت کے لیے تشریف لے جانا

”جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ خود بنفس نفیس ام سائب یا ام حبیب کے پاس تشریف لے گئے تو آپؐ نے اُس سے فرمایا، ام سائب کیا بات ہے کہ تم کانپ رہی ہو؟ اُس نے کہا بخار ہے اللہ اسے برکت نہ دے، آپؐ نے فرمایا بخار کو برا بھلا نہ کہو یہ انسانوں کو اس طرح صاف کر دیتا ہے جس طرح بھٹی لوہے کے میل کچیل کو صاف کر دیتی ہے۔“ (مسلم کتاب البر و صلۃ والا دیب ج ۸ ص ۱۶)

ابوداؤد کی روایت کتاب الجنائز باب عیادۃ النساء ج ۲ ص ۴۱۷

امام ابوداؤد نے اُم العلاء سے روایت کیا ہے کہ میں بیمار تھی اور رسول اللہ ﷺ میری عیادت کے لیے تشریف لائے تو آپؐ نے فرمایا ام العلاء! تمہیں خوش خبری ہو کہ مسلمان کی بیماری سے اللہ تعالیٰ اُس کے گناہ اس طرح دور فرما دیتا ہے جس طرح آگ سونے چاندی

نواح مدینہ میں بیمار ہونے والی خاتون کی عیادت

امام نسائی نے ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نواح مدینہ میں رہنے والی ایک خاتون بیمار ہو گئی تو رسول اللہ ﷺ چونکہ ہر ایک مریض کی نہایت اچھی طرح سے عیادت فرمایا کرتے تھے لہذا اُس کی عیادت کے لیے بھی تشریف لے گئے اور وہ شدت مرض میں مبتلا تھی آپ نے اُس کے لوگوں سے فرمایا کہ جب امر واقع ہو جائے تو مجھے خبر کر دینا۔ (سنن نسائی کتاب الجنائز باب عدد المتکبیر علی الجنائزہ)

عبداللہ بن عباس نے سیدہ عائشہ صدیقہ کی بیمار پرسی کی

”ابو ملیکہ سے روایت ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے سیدہ عائشہ صدیقہ سے ان کی وفات سے قبل اس وقت اندر آنے کی اجازت چاہی جب آپؓ مرض الموت میں مبتلا تھیں۔ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ان کی آمد کی اطلاع دی گئی تو انہوں نے فرمایا مجھے خوف ہے کہ وہ میری تعریف میں لگ جائیں گے جب آپؓ سے کہا گیا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے چچا زاد ہیں اور مسلمانوں میں نہایت اہمیت کے حامل ہیں تو انہوں نے فرمایا اچھا ان کو اندر آنے کی اجازت دے دو۔ عبداللہ بن عباس اندر آ گئے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ان کی بیماری کے متعلق پوچھا تو انہوں نے جواب دیا اگر میں نے تقویٰ اختیار کیا ہو تو بہتر ہوں تو یہ جواب سن کر عبداللہ بن عباس نے کہا کہ ان شاء اللہ آپ بہت بہتر ہیں۔ آپؓ نبی کریم ﷺ کی زوجہ محترمہ ہیں اور آپؓ کی برات آسمان سے نازل ہو چکی ہے اس سے بڑی بات اور کیا ہو سکتی ہے جو تقویٰ کی ہو۔“ (بخاری ۲۷۷۱، ۲۷۵۳)

اس کو تقویٰ کہیں یا رواج جو امیروں اور غریبوں میں الگ الگ معیار رکھتا ہے

اوپر جتنی روایات درج کی گئیں اُن کے درج کرنے سے میرا مطلب فقط یہ ہے کہ اسلامی معاشرہ میں عورت کو جن کاموں اور باتوں کا حق دیا گیا ہے وہ حق اُس سے غصب نہیں کیا جاسکتا اور اس کو کوئی غصب کر بھی نہیں سکتا۔ ہمارے اس معاشرہ میں جس میں ہم رہ رہے ہیں اس میں بھی عورتیں اپنے اندرون خانہ تمام کاموں کو سرانجام دیتی ہیں اور اگر ضرورت پڑتی ہے تو وہ اپنے مردوں کے کاموں میں بھی ان کا ہاتھ بٹاتی ہیں اور ان کو اپنے خاوندوں کا ہاتھ بٹانے سے روکا نہیں جاسکتا لیکن کام کاج گھر کے اندر ہو یا باہر جس نے کام

کرنا ہے اُس کو ہاتھ اور چہرہ کھلا رکھنا ہے ہاں کسی کو اس کی ضرورت نہیں کہ وہ عورتوں سے باہر کے کاموں میں شرکت کرائے تو وہ دوسری بات ہے تاہم عورت کو صرف اور صرف گھر کے اندر بند کر دینے کا حکم صادر کرنا اور اس کے باوجود اپنی بہنوں اور بیٹیوں کو تعلیم دلوانے کے لیے کالجوں اور یونیورسٹیوں میں بھیجنا اور دوسروں کے لیے پابندی عائد کرنے کا نام اسلام رکھنا ہرگز صحیح نہیں۔ ہمارے ہر معاملہ میں دوغلی پالیسی اختیار کی جاتی ہے اور امیروں و اور غریبوں کے لیے الگ الگ معیار قائم کیے جاتے ہیں تو ان کو اسلام میں بھی دوسرے نمبر پر رکھنا ضروری سمجھا جاتا ہے کیوں؟ محض اس لیے کہ وہ اس معاشرہ کے غریب لوگ ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ دو حقیقی بھائیوں میں اگر مالی لحاظ سے کسی وجہ سے فرق آ گیا ہے ایک بھائی جائز و ناجائز طریقوں سے مال حاصل کر کے اوپر نکل گیا ہے تو اُس کے تمام کام ہی اپنے بھائی سے الگ ہو گئے ہیں غریب بھائی امیر بھائی کے گھر میں داخل نہیں ہو سکتا، کیوں؟ اس لیے کہ امیر کے گھر میں پردہ نافذ ہے لیکن امیر بھائی اپنی بہنوں بیٹیوں اور بہوؤں کو ساتھ لے کر اگر غریب کے گھر میں اپنی تمام مستورات کو ساتھ لے کر آ دھکا ہے تو کیا اب امیر مستورات کا وہ پردہ جو ان کے گھر میں تھا وہ ادھر ہی اپنے گھر میں رکھ آئی ہیں یا یہ کہ غریب مرد جو دراصل ان ہی کے چچے تائے اور عزیز واقارب ہیں اپنے گھر میں رہتے ہوئے مرد نہیں رہے کیونکہ وہ غریب ہیں یا وہ اس گھر میں وارد ہونے والی مستورات اب مستورات نہیں رہیں بلکہ وہ مرد بن گئی ہیں۔ کیا یہ پردہ ہے یا محض ایک طرح کا فراڈ ہے جو اپنے غریب رشتہ داروں سے کیا جا رہا ہے؟

دین اسلام کی وہ کوئی بات ہے جس کا حلیہ انہوں نے بگاڑ دیا ہو

حقیقت یہ ہے کہ اس وقت پورے دین کی تصویر کو بدل کر رکھ دیا ہے اوپر بیان کی گئی بات جس کا دین اسلام سے کوئی تعلق نہیں اُس کو دین بنا دیا گیا ہے اور جو حقیقی دین تھا، ہے اور رہے گا اُس کو پس پشت ڈال دیا گیا ہے اور یہ کام ایسے طریقہ سے سرانجام دیا گیا ہے کہ بڑے بڑے تبحر علمائے کرام اسی رویہ میں بہ گئے ہیں۔ اس پر مزید تعجب یہ ہے کہ جن کتب کو اسلام کی اصل اور صحیح ترین کتب بعد از کتاب اللہ مانتے اور تسلیم کرتے ہیں اُن کی ہدایات کے بالکل برعکس فتوے صادر کرتے ہیں اور پھر ان فتوؤں پر اس قدر زور دیتے نظر آتے ہیں گویا ان کا مقام کتاب اللہ سے بھی کہیں اوپر ہے۔ آپ حیران ہوں گے کہ میں کیا کہ رہا

ہوں، عرض ہے کہ حیران نہ ہوں، خود مطالعہ کر کے دیکھیں اور میری گزارش کو کسی دلیل کے ساتھ رد کریں، عوام کا دھارنا نہ دیکھیں کہ وہ کیا کہتے ہیں نہ ان علمائے کرام کے فتوؤں پر دھیان دیں کیونکہ اسلام میں ہر معروف و مشہور امام کا فتویٰ موجود ہے کہ ”اگر آپ کا ارشاد مل جائے تو میری بات کو دیوار پر دے مارو“ اگر ان کا کوئی بیان ایسا نہ ہوتا تو بھی حقیقت یہی تھی کہ آپ کے ارشاد کے سامنے کسی بھی انسان کے بیان کی حقیقت کیا رہ جاتی ہے۔

غور کیجئے رسول اللہ ﷺ کے اتنے کثرت سے ارشاد صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں موجود ہیں کہ ”عورتوں کو مسجد جانے سے مت روکو“ اور عورتوں کو حکم دیا کہ تم پر نماز اسی طرح فرض ہے جیسے مردوں پر فرض ہے اور نمازیں مسجد میں ادا کیا کرو چنانچہ آپ کے دور اقدس میں عورتیں باقاعدہ پانچوں نمازوں میں شریک ہوتی تھیں اور خصوصاً روایات میں مغرب، عشاء اور فجر کی نمازوں میں عورتوں کی حاضری کا خصوصاً ذکر موجود ہے لیکن بعد میں کیا ہوا؟ یہ کہ باقاعدہ عورتوں کو مساجد سے روکا گیا اور ان سے بر ملا کہا گیا کہ تمہاری مسجد میں پڑھی جانے والی نماز سے گھر میں پڑھی جانے والی نماز کئی درجے بہتر ہے اور گھر کے صحن کی بجائے گھر کے اندر کمرہ میں پڑھی جانے والی نماز بہتر ہے اور گھر کے اندر سے گھر کے کسی گم سم کونہ میں پڑھی جانے والی نماز بہتر ہے پھر اس پر دلیلوں کے انبار لگا دیئے جتنے امام اور بزرگ تھے ان سب کی طرف گھر گھر کر یہی باتیں عورتوں کو سنائی جانے لگیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج عورتوں میں نماز کا رجحان ہی ختم ہو چکا ہے اور آدھے سے زیادہ آبادی محض اس نظریہ نے ضائع کر دی ہے۔ یہ سب تسلیم کرتے ہیں کہ ماں کی گود بچے کے لیے اصل تربیت گاہ ہے اگر ماں کی تربیت میں نماز کا تصور عملی طور پر بچہ کو منتقل ہوتا تو آج معاشرہ کی یہ حالت نہ ہوتی۔

قرآن کریم میں عورتوں کا وارثت میں حصہ واضح ہے لیکن عمل؟

قرآن کریم نے وارثت میں اصل اکائی بیٹی کو قرار دیا ہے بیٹے کو نہیں جیسا کہ ارشاد الہی ہے کہ:

”تمہاری اولاد کے بارے میں اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ لڑے کے لیے دولڑکیوں کے برابر حصہ ہے، پھر اگر ایسا ہو کہ لڑکیاں دو یا دو سے زیادہ ہوں تو ترکہ میں ان کا حصہ دو تہائی ہے اور اگر لڑکی صرف ایک ہو تو اس کو ترکہ میں آدھا حصہ ملے گا اور میت کے ماں باپ میں سے ہر ایک کو ترکہ کا چھٹا حصہ ملے گا لیکن یہ اس صورت میں ہے کہ میت کے اولاد ہو۔ اگر

میت کے اولاد نہ ہو اور وارث صرف ماں باپ ہوں تو ماں کے لیے تہائی ہے۔ اگر میت کے ایک یا زیادہ بھائی بہنیں ہوں تو ماں کا چھٹا حصہ ہوگا، ہاں! خیال رہے کہ میت نے جو کچھ وصیت کر دی ہو، جو کچھ اس پر قرض رہ گیا ہو اس کی تعمیل اور ادائیگی کے بعد یہ حصے تقسیم ہوں گے، دیکھو تمہارے باپ دادا بھی ہیں اور تمہاری اولاد بھی ہے، تم نہیں جانتے نفع رسانی کے لحاظ سے کونسا رشتہ تم سے زیادہ قریب ہے، اللہ نے حصے ٹھہرا دیئے ہیں اور وہ جاننے والا حکمت رکھنے والا ہے۔“ (۱۱:۴)

قرآن کریم نے وارثوں کے حصے مقرر کیے ہیں کیا ہم نے اس بات کو تسلیم کر لیا ہے؟

قرآن کریم میں علاوہ ازیں بھی وارثت میں حصہ داروں کا ذکر موجود ہے لیکن اس جگہ زیر بحث مسئلہ صرف یہ ہے کہ کیا قرآن کریم کے اس حکم کے مطابق مسلمانوں کے ہاں اور خصوصاً اسلام کے اس قلعہ میں جس کا نام پاکستان ہے کہیں عمل درآ مد بھی ہوتا دیکھا گیا ہے؟ اس سلسلہ میں قانون بھی پاس ہے لیکن قانونی ریشہ دوانیاں بھی سکھائی اور پڑھائی جاتی ہیں۔ وراثت تو کسی مال دار، زمیندار، کارخانہ دار یا ذیلدار کے مرنے کے بعد کچھ بچا تو اُس میں جاری ہوگی اور ہم وہاں تک اس کو لے کیوں جائیں گے بلکہ ان تمام داروں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ مرنے سے قبل تم جہاں چاہو وہاں یہ مال، زمین، کارخانہ وغیرہ تقسیم کر دو تاکہ تمہارے مرنے کے بعد تم خالی ہاتھ مرد اور اس قرآنی تقسیم کے جھنجٹ سے بچ جاؤ اس طرح گویا سانپ بھی مر جائے گا اور لٹھ بھی بچ جائے گی گویا تمہارا مال، زمین اور کارخانہ جہاں تم دینا چاہتے ہو وہ وہاں پہنچ جائے گا اور قانونی گرفت بھی تم پر نہیں ہوگی لیکن ایسا کرنے سے اللہ کا وہ حکم کہاں گیا جس میں بغیر کسی ابہام کے کہا گیا ہے کہ ”تم نہیں جانتے نفع رسانی کے لحاظ سے کونسا رشتہ تم سے زیادہ قریب ہے، اللہ نے حصے مقرر کر دیئے ہیں۔“ حکم اپنی جگہ ہے اور رہے گا لیکن ہم نے عملاً ثابت کر دیا کہ ہم لڑکوں کو اپنے لیے نفع رساں سمجھتے ہیں لڑکیوں کو نہیں، اللہ کہتا ہے تو کہتا رہے کہ ”تم نہیں جانتے“، لیکن ہم تو جانتے ہیں کہ لڑکے ہی جائیداد کے مالک ہوتے ہیں اور ان ہی کا حق ہے اور ہمارے اس عمل سے ہمارے اسلام پر کچھ قدغن نہیں آتی اور ہم مسلمان کے مسلمان ہی رہتے ہیں جب ہمارا اندراج حکومت کے کاغذات میں ہو چکا ہے تو پھر ہمیں اس کا کیا خطرہ ہے گویا ہم تو بچے مسلمان ثابت ہوں گے جب بھی کہیں اس کا موقع آئے گا تو ہم دکھا دیں گے۔

ارکان اسلام ہوں یا ارکان ایمان سب مسلمانوں کا یہی حال ہے

جو کچھ ہم دیکھ رہے ہیں وہ یہی ہے کہ مسلمان کا مطلب یہ ہے کہ وہ ارکان اسلام ہوں یا ارکان ایمان ان کی تصدیق کر دے کہ ہم مانتے ہیں کہ نماز ہے، اگر ہم ادا نہیں کرتے تو یہ ہماری سستی ہے اور کچھ یہ بھی ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ جو نمازی ہیں وہ کردار کے لحاظ سے اخلاق کے لحاظ سے ہم سے بھی گئے گزر رہے ہیں ہر وقت ان کی نماز کی لڑائیاں اور جھگڑے ختم ہی نہیں ہوتے اس طرح کی جو باتیں شروع کریں گے چپ نہیں کریں گے بلکہ ثابت کریں گے بس صرف ان چیزوں کا اقرار کرنا ہی اسلام ہے اور دین کے تمام کاموں میں ان کا یہی حال ہے جہاں بیٹھیں گے دین کی باتیں کریں گے اور پھر ان کو تبرہ میں اس طرح اڑا دیں گے کہ دین اسلام کے ایک ایک کام کو ٹنسی اور مذاق کا نشانہ بنائیں گے۔ یہ تو عوام کی حالت ہے اور خواص جو کچھ کر رہے ہیں واقعی ان کی طرف دیکھیں تو ان کے الجھاؤ خصوصاً دین کے نام پر کبھی ختم ہی نہیں ہوتے اور عوام کو انہوں نے مختلف گروہوں میں تقسیم کر کے اپنا الو سیدھا کیا ہے اور ان کی باتیں سن کر غیر مسلم بھی شرماتا جاتے ہیں کہ یہ کس دین کی باتیں کر رہے ہیں۔ اگر یہی اسلام ہے تو ہمارا ان کو بھی ایسے اسلام کو بھی دور سے ہی سلام ہے اس کے قریب جا کر کیا کریں گے۔

اپنے موضوع سے دور نکلنے کا اعتراف اور اس کی وجہ

اس جگہ بات خواتین اسلام کی چل رہی ہے اور اس موضوع کے لحاظ سے ہم دور ہٹ گئے ہیں، کیوں؟ ایسا اس لیے ہوا کہ یہ بات باور کرائی جائے کہ اس وقت صرف ایک بات خواتین ہی کی نہیں بلکہ دین اسلام کی تمام باتوں کا یہی حال کیا ہے اور ہر معاملہ میں غلو اور افراط و تفریط سے کام لیا جا رہا ہے اس طرح گویا جو گزشتہ قوموں کا حال تھا آج وہی ہمارا مسلمان کہلانے والوں کا حال ہے۔ ہم ان کی باتیں تو کھل کر بیان کرتے ہیں ان کے تسامحات کو مانتے اور تسلیم کرتے ہیں لیکن اپنی کمزوریوں کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے کہ ہم کیا کر رہے ہیں جب دیکھنے والے خوب دیکھتے ہیں اور جانتے ہیں کہ آج مسلمان کہلانے والوں کی حالت کل کے یہود و نصاریٰ سے گئی گزری ہے۔

اپنے موضوع کی طرف واپسی اور عورت کی شخصیت کا اعتراف

تمام ادیان سے دین اسلام ہی وہ دین ہے جس نے عورت کو انسانی تکریم کے اعتبار

سے اس کا حق دیا ہے اور اس کی شخصیت اور ارادے کو استقلال بخشا ہے، اور ملکیت میں اس کے حق تصرف کو تسلیم کیا ہے۔ بات عہد نبوی کی ہے اور آپ کے عہد مبارک میں اس کی بے شمار مثالیں موجود ہیں اور نصوص میں بھی صراحت کے ساتھ تحریر ہے کہ عورت کو ولی یا شوہر کی بجائے تصرف کا مستقل حق حاصل ہے۔ اسلام میں عورت کو اپنے حقوق کے مطالبہ اور دفاع کے لیے بات چیت کا حق دیا گیا۔ عورتوں نے اپنے دل پسند لوگوں کو تحائف پیش کیے۔ اپنے مال کو اپنی مرضی سے صدقہ و خیرات کیا۔ زمین میں کام کرنے کے لیے باہر نکلے اور اس طرح کے جو کام اُس نے کیے اپنی مرضی سے کیے اور وہ اپنے وارثوں اور شوہروں کے پیچھے نہیں چھپی جیسے بیان ہے کہ:

”کریب مولیٰ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ام المؤمنین میمونہ بنت حارث نے انہیں بتایا کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ سے اجازت لیے بغیر اپنی باندی کو آزاد کر دیا ہے؟ جب آپ کو معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا کہ واقعی تم نے یہ کام کر دیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا جی ہاں، آپ نے فرمایا کہ اگر تم یہ اپنے ماموؤں کو دے دیتی تو زیادہ اجر و ثواب ملتا۔ (بخاری ۲۵۸۲، ۲۵۹۴)

اسماء بنت ابوبکر زوجہ زبیر کا واقعہ

اسماء رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے اپنی باندی کو بیچ دیا ابھی اُس کی قیمت میری گود میں تھی کہ زبیر آگئے انہوں نے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ تو میں نے کہا کہ میں نے باندی کو فروخت کر دیا ہے تو وہ کہنے لگے کہ یہ قیمت مجھے دے دو، میں نے کہا کہ میں نے تو اس کو صدقہ کر دیا ہے، مطلب صاف ہے کہ صدقہ کی نیت کر لی ہے۔ (مسلم کتاب السلام ج ۷ ص ۱۲)

فریقین کو صدقہ و خیرات کے کاموں میں خصوصاً مشورہ ضروری نہیں

تسلیم ہے کہ شریعت نے وارثوں اور شوہروں کو مشورہ کا حق دیا ہے اور عورت کے لیے نیکی کے کام میں اپنے ولی اور شوہر کی اطاعت کو واجب بنایا ہے تو یہ معاشرتی تعلقات اور خاندان کے روابط اور وحدت کی مضبوطی کے لیے ہے۔ نیکی میں مشاورت اور اطاعت کے یہ معنی نہیں کہ عورت ایک عاجز و در ماندہ انسان ہے اور اس وجہ سے اس پر اپنے وارثوں اور شوہروں سے مشاورت کا حکم دیا ہے۔ ہر گز نہیں بلکہ مشاورت تو امت کے سب مردوں اور عورتوں کے لیے مطلوب و محمود ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے کہ وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ

(۳۸:۳۲) ”وہ اپنے کام آپس کے مشورہ سے کرتے ہیں“ لیکن یہ اور اس طرح کے احکام عام ہیں صرف عورتوں کے لیے نہیں، ہمارا مطلب یہ بالکل نہیں ہے کہ عورتوں کو مردوں سے مشورہ نہیں کرنا چاہیے، ہرگز نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ صدقہ و خیرات اس اہمیت کا حامل ہے کہ اس میں خصوصاً فریقین کا مشورہ اس لیے ضروری نہیں کہ دونوں کو اپنی اپنی جگہ اپنی عاقبت کے انجام بخیر ہونے کی فکر ہونا ضروری ہے اور صدقہ و خیرات محض فکر آخر کے تحت ہی ہوتا ہے پھر ظاہر ہے کہ جو عورت خود صدقہ و خیرات کر رہی ہے خواہ وہ کتنا ہی زیادہ مال نہ ہو وہ اپنا ذاتی مال ہی صدقہ و خیرات کرے گی۔ خاوند کا مال تو صدقہ نہیں کرے گی۔ یہ دوسری بات ہے کہ اب ہمارے ہاں عورت کی ملکیت کا تصور باقی نہ رہا لیکن حقیقت ایسے نہیں بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ عورت خاوند سے زیادہ مال دار بھی ہو سکتی ہے جیسے آپ کے مقابلہ میں خدیجہؓ، زیر کے مقابلہ میں اسماءؓ وغیرہ۔

عورت اور اس کے ولی کے معاملہ کے متعلق روایات کی وضاحت

کسی معاملہ میں بھی انسان جب کسی غلط فہمی کا شکار ہو جائے تو وہ اپنی بات پر اڑ سکتا اور اڑ جاتا ہے تاہم اس سلسلہ میں انسان کا صحیح رویہ یہ ہے کہ جب اُس کے سامنے دلیل پیش کر دی جائے تو اُس کو اپنی ضد سے باز آ جانا چاہیے اسلام کی نظر میں اس رویہ کو اچھی نظر سے دیکھا گیا ہے اور ایسے حالات میں انسان کو یہی کچھ کرنا چاہیے روایات میں ہے کہ:

”حسن سے روایت ہے کہ معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کی بہن کو اُس کے خاوند نے طلاق دے دی اور عدت کے اندر اُس نے رجوع بھی نہ کیا جب اُس کی عدت مکمل ہو گئی تو اُس آدمی نے اُس عورت کو دوبارہ شادی کرنے کا پیغام بھجو دیا لیکن جب معقل نے اس بات کو سنا تو اُس کو برا جانا اور وہ دونوں اس مسئلہ کے درمیان مختلف ہو گئے باوجود اس کے کہ ان کی بہن بھی چاہتی تھی کہ اس شخص سے اس کی دوبارہ شادی ہو جائے تو بہتر ہے اس طرح معقل کی مداخلت کے باعث یہ بات رُک گئی لیکن اس کے بعد قرآن کریم میں یہ حکم نازل ہو گیا کہ (بخاری ۵۱۳۰، ۴۵۲۹)

”اور جب تم عورتوں کو طلاق دے چکو اور ان کی عدت کے دن پورے ہو جائیں تو اُن کو اپنے شوہروں کے ساتھ جب کہ وہ آپس کی رضامندی کے ساتھ دوبارہ شادی کرنا چاہیں تو ان کو ایسا کرنے سے مت روکو، یہ نصیحت اُس شخص کو کی جاتی ہے جو تم میں اللہ اور

اُس کے رسول ﷺ اور آخرت کے دن پر یقین رکھتا ہو۔“ (۲۳۲:۲)

اس آیت کے نزول کے بعد نبی کریم ﷺ نے معقل کو طلب کیا اور اللہ تعالیٰ کا یہ حکم اُس کے سامنے رکھا، معقل نے اپنا غصہ ترک کر دیا اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے سر اطاعت خم کر دیا اور ان دونوں کی دوبارہ شادی ہو گئی۔ (بخاری ۵۳۳۱، ۴۵۲۹)

والد نے اپنی بیٹی کا نکاح اس کی مرضی کے خلاف کیا اور آپ نے اُسے رد کر دیا ”خساء بنت خدام انصاریہ سے روایت ہے کہ ان کے باپ نے ان کی شادی کر دی جب کہ وہ بیوہ تھیں اور وہ اس شادی کو ناپسند کرتی تھیں۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو آپ نے اس نکاح کو رد کر دیا۔ (بخاری ۵۱۳۸، ۵۱۳۹، ۶۹۴۵، ۶۹۶۹)

دورانِ عدت اپنے گھر سے باہر اپنے باغ میں کام کرنے کی اجازت

”جابر بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ میری خالہ کو طلاق ہو گئی، اُنہوں نے اپنے باغ کے پھل توڑنے کا ارادہ کیا تو ایک شخص نے گھر سے باہر نکلنے سے نہایت سختی کے ساتھ منع کیا تو اُنہوں نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا معاملہ عرض کیا تو آپ نے فرمایا، کیوں نہیں، اپنے کھجوروں کے درختوں کا پھل توڑ لو، ہو سکتا ہے کہ اس میں سے تم صدقہ کرو یا نیکی کا کوئی اور کام سرانجام دو۔“ (مسلم کتاب الطلاق ج ۳ ص ۲۰۰)

قریب البلوغ ناکتھراؤں کا عید گاہ کی طرف آنا

”حفصہ بنت سیرین رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ہم قریب البلوغ لڑکیوں کو عید گاہ کے لیے نکلنے سے منع کرتے تھے جب ام عطیہؓ آئیں تو میں نے اُن سے دریافت کیا کہ تم نے نبی کریم ﷺ سے اس کے متعلق کچھ سنا ہے تو بیان کریں؟ اُنہوں نے کہا کہ ہاں! سنا ہے، دیکھا ہے اور کیا ہے آپ نے حکم دیا تھا کہ قریب البلوغ اور پردہ نشین عورتوں کو بھی گھروں سے عید گاہ جانے کے لیے نکالا کر دو“ (بخاری ۳۲۴، ۹۷۱)

”ایک روایت میں ہے کہ آپ کو حکم دیا گیا کہ لوگوں سے بر ملا کہو کہ وہ باکرہ لڑکیوں کو بھی گھروں سے عید گاہ کی طرف لے جایا کریں“ (بخاری ۲۳۴، ۳۵۱، ۹۷۱، ۹۸۰، ۹۸۱، ۱۶۵۲)

کھانے میں زہر ملا کر آپ کو پیش کرنے والی عورت

”انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک یہودی عورت نبی کریم ﷺ کے پاس بکری کا گوشت لے کر آئی اور آپ کی خدمت میں پیش کیا جسے آپ نے تناول

فرمایا (تب معلوم ہوا کہ یہ ہر بلا تھا) لوگ اس عورت کو لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کے سامنے اُس کو پیش کر دیا اور ساتھ ہی عرض کی کہ کیا اس کو قتل کر دیں؟ آپ نے فرمایا نہیں، مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ آپ نے اُس سے پوچھا کہ تو نے ایسا کیوں کیا؟ تو اُس نے جواب دیا کہ میں آپ کو قتل کرنا چاہتی تھی۔ آپ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ تمہیں اس کی توفیق نہیں دے گا۔ (بخاری ۲۶۱۷)

اس روایت سے بہت سی راہنمایاں ہم کو ملتی ہیں اور اتنے مسائل اخذ کیے جاسکتے ہیں کہ اگر ان کی طرف ہم رغبت کریں گے تو اپنے موضوع سے پھر دور نکل جائیں گے جیسا کہ اکثر اس مضمون میں آپ کو نظر آیا، بہر حال ان تمام مسائل سے درخور اعتناء کرتے ہوئے ایک متعلقہ بات عرض کر دیتے ہیں کہ عورتوں کے متعلق آپ کی طبیعت میں جو رحم، شفقت اور محبت اللہ رب کریم نے بھری تھی اُس کا اثر تھا کہ ایک غیر مسلم، ظالم اور قاتل عورت کو بھی آپ نے معاف کر دیا اور لوگوں کو روک دیا کہ وہ اس کے ساتھ سختی سے نہ پیش آئیں بلکہ اُس کو چھوڑ دیں چنانچہ وہی ہوا جس کا آپ نے حکم فرمایا۔ شارحین نے اس کے ایمان لانے کا ذکر بھی کیا ہے اور ایمان کے بعد اُس کے کچھ کارہائے نمایاں بھی ذکر کیے ہیں۔ حقیقت حال کو اللہ رب کریم ہی بہتر جانتا ہے۔

درجہ کمال کو پہنچنے والی عورتوں کا ذکر آپ کی زبان سے

”ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مردوں میں تو بہت کامل ہوئے لیکن عورتوں میں آسیہ زوجہ فرعون، مریم بنت عمران کے سوا کوئی کامل نہیں ہوا“ (بخاری ۳۳۱۱، ۳۳۳۲، ۳۷۶۹، ۵۴۸۸)

مذکورہ حدیث پر امام ابن حجر رحمہ اللہ کی رائے

حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ ”عورتوں میں سے آسیہ زوجہ فرعون اور مریم بنت عمران کے سوا کوئی کامل نہیں ہوا“ کی عبارت سے استدلال کیا گیا ہے کہ یہ دونوں عورتیں نبی تھیں، کیونکہ انسانوں میں سے سب سے اعلیٰ حضرات انبیائے کرام ہیں پھر اولیاء، صدیقین اور شہداء۔ اگر وہ نبی نہ ہوں تو پھر لازم آتا ہے کہ عورتوں میں کوئی ولیہ، صدیقہ اور شہیدہ نہیں ہے حالانکہ امر واقع یہ ہے کہ بہت سی عورتوں میں یہ صفات موجود تھیں، ہیں اور رہیں گی گویا آپ کے اس ارشاد کا مقصد یہ ہے کہ عورتوں میں سے نبی صرف فلاں، فلاں ہیں اور اگر یہ فرماتے کہ صفت

صدیقیت یا ولایت یا شہادت صرف فلاں فلاں، عورت ہی میں موجود ہے تو پھر دوسری عورتوں میں یہ صفات موجود نہیں ہو سکتی تھیں، جب کہ دیگر عورتوں میں یہ صفات موجود ہیں سو اس سے معلوم ہوا کہ حدیث میں کمال سے مراد، کمال نبوت ہے، اس وجہ سے نبی کریم ﷺ نے پہلے زمانہ سے مثالیں دی ہیں، اپنے زمانہ کی عورتوں میں سے کوئی مثال نہیں دی۔

حدیث مذکورہ کے متعلق امام قرطبی کیا فرماتے ہیں

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صحیح بات یہ ہے کہ مریم نبیہ تھی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرشتہ کی وساطت سے ان کی طرف وحی بھیجی تھی۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ کا بیان مذکورہ حدیث کے متعلق

قاضی عیاض رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ جمہور اس کے خلاف ہیں، آسیہ کی نبوت کے بارے میں کوئی دلیل مذکور نہیں ہے۔

علامہ کرمانی نے لفظ کمال کی وضاحت کس طرح کی

علامہ کرمانی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ لفظ کمال سے ثبوت نبوت لازم نہیں آتا کیونکہ لفظ کمال کا اطلاق اپنے باب میں کسی چیز کے مکمل ہو جانے اور انتہا تک پہنچ جانے پر ہوتا ہے تو معنی یہ ہیں کہ آسیہ عورتوں کے تمام فضائل کی انتہا تک پہنچ گئی تھیں، انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ عورتوں کی عدم نبوت پر اجماع ہے۔

علامہ اشعری رحمہ اللہ کا ارشاد گرامی

علامہ اشعریؒ سے منقول ہے کہ چھ عورتیں حواء، سارہ، ام موسیٰ، ہاجرہ، آسیہ اور مریم نبی تھیں (اجماع کہاں رہا) ان کے نزدیک ضابطہ یہ ہے کہ جس کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتہ امر و نہی کی صورت میں کوئی حکم لے کر یا مستقبل کی کوئی بات بتانے کے لیے آیا تو وہ نبی ہے۔ اور ان خواتین کی طرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے مختلف امور لے کر فرشتے کا آنا ثابت ہے، ان میں سے بعض کی طرف وحی کے بارے میں قرآن کریم میں بھی تصریح موجود ہے۔

امام ابن حزم نے اپنی کتاب ”الممل والخل“ میں تحریر کیا

امام ابن حزم رحمہ اللہ نے ”الممل والخل“ میں لکھا ہے کہ اس مسئلہ میں اختلاف ان کے قرطبہ میں قیام کے زمانہ میں پیدا ہوا تھا پھر انہوں نے اہل قرطبہ کے تین اقوال ذکر کیے ہیں جن میں سے تیسرا قول یہ ہے اس مسئلہ میں توقف کیا جائے۔

انہوں نے تحریر کیا ہے کہ مانعین کی دلیل یہ ارشاد الہی ہے کہ وما ارسلنا من قبلک الا رجالا (۷:۲۱) ”ہم نے آپ سے پہلے مرد ہی پیغمبر بنا کر بھیجے ہیں“ پھر وہ لکھتے ہیں کہ یہ آیت ان کی دلیل نہیں بن سکتی، کیوں؟ اس لیے کہ کسی نے بھی خواتین کے بارے میں رسالت کا دعویٰ نہیں کیا۔ جس نے بھی بات کی ہے خواتین کی نبوت کے بارے میں کی ہے اور اس بارے میں حضرت مریم علیہا السلام کا قصہ بہت واضح ہے اور ام موسیٰ کے قصہ سے بھی ان کے نبی ہونے کی دلیل واضح ہوتی ہے کہ انہوں نے وحی کے نازل ہونے کو فوراً اُعدا اپنے بیٹے کو دریا میں ڈال دیا۔ اللہ تعالیٰ نے مریم اور ان کے بعد دوسرے انبیاء کا ذکر کرنے کے بعد ہی ارشاد فرمایا ہے کہ: اولئک الذین انعم اللہ علیہم من النبیین (۲۹:۴) ”یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں میں سے فضل کیا“ اس آیت کے عموم میں بھی سیدہ مریم شامل ہیں۔

آئینہ زوہ فرعون نے جوہمت کی اس کی اہمیت

آئینہ زوہ فرعون کے فضائل میں سے یہ بھی ہے کہ انہوں نے دنیا کی بادشاہت کی بجائے قتل ہونے کو ترجیح دی گویا اس طرح نعمتوں اور آسانیوں کی بجائے دنیاوی عذاب کو قبول کر لیا۔

مذکورہ حدیث سے جوہم کو اسباق حاصل ہوتے ہیں

اس سلسلہ میں علامہ عبدالحلیم محمد ابو شقہ تحریر کرتے ہیں کہ مذکورہ حدیث سے جوہم انہماکی ہم کو ملتی ہے اُس کو درج ذیل طریقوں سے ہم بیان کر سکتے ہیں:

سبق نمبر ایک یہ بات تسلیم ہے کہ استعداد سب میں برابر ہے

1۔ کمال کے لیے فطری استعداد مرد اور عورت دونوں میں موجود ہے یعنی یہ صرف مرد ہی تک محدود نہیں ہے۔ اگر عورت کے لیے درجہ کمال تک پہنچنا بھی ممکن ہے تو کمال سے کم تو درجات تک اس کے لیے پہنچنا تو بالادلی ممکن ہوگا۔

سبق نمبر ۲ کمال حاصل کرنے میں مرد اور عورت کی برابری

2۔ اگر فطری طور پر کمال تک پہنچنا ممکن ہے، تو تربیت، راہنمائی اور محبت و کوشش سے کمال تک پہنچنے کے زیادہ احتمالات ہیں جیسا کہ مرد بھی اس طرح کمال تک پہنچ جاتے ہیں لہذا کمال تک پہنچنے کے لیے عورت کو کوشش کرنی چاہیے۔ تربیت اور راہنمائی کے اسے مواقع میسر آنے چاہئیں نیز اس کے لیے وہ تمام میدان کھلے ہیں جو عورت کے مقام و مرتبہ کو بلند

کردیں اور اس کی فطری استعداد میں اضافہ کر کے اسے ھیتل کر دیں۔

سبق نمبر ۳ مردوں کے مقابلہ میں عورتوں کے کمال کی قلت کی وجہ؟

3۔ اگر عورت میں کمال تک پہنچنے کے لیے فطری استعداد موجود ہے تو درجہ کمال تک پہنچنے والی عورتوں کی تعداد کی قلت کے کئی اسباب ہیں۔ مثلاً فطری استعداد کا کم ہونا، تربیت و راہنمائی میں کمی، نمازوں میں اس کی حاضری پر پابندی، عورت کی ذمہ داریوں کی تربیت و راہنمائی میں کوتاہی، عورت کے لیے حمل، ولادت، رضاعت، حضانت اور گھریلو ذمہ داریوں کی وجہ سے خاص حالات بھی اس کی وجہ بنتے ہیں۔ اس طرح اس کو علم، عبادت اور تعلیم و تربیت کے لیے مناسب وقت کا نہ ملنا۔ اس کا علاج صرف یہ ہے کہ عورتوں کے ایسے مواقع بطور خاص مہیا کیے جائیں جو زمان و مکان کے اعتبار سے اس کے لیے موزوں ہوں۔ افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ زندگی کے تمام پرور گرام مردوں کے حالات کو سامنے رکھ کر ترتیب دیئے جاتے ہیں اور ان میں عورتوں کے حالات کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔

سبق نمبر ۴ دو عورتوں کا ذکر فقط مثال کے لیے ہے

4۔ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ روایت میں جس کمال کی طرف اشارہ کر کے فرمایا گیا ہے کیا وہ ان دو عورتوں ہی کے لیے ہے جن کا ذکر کیا گیا ہے یا ان کا ذکر بطور مثال کیا گیا ہے تاکہ ان کی مثال کو پیش نظر رکھ کر ہمارے زمانہ کی عورتیں بھی اپنی حالت کو درجہ کمال تک پہنچانے میں ہمت و کوشش کریں خصوصاً جب کہ اس کمال سے نبوت بھی مراد نہیں لی جاسکتی جیسا کہ اکثر علمائے اسلام کا خیال ظاہر کیا گیا ہے۔

سبق نمبر ۵ مردوں اور عورتوں کے میدان عمل الگ الگ بھی ہیں اور مشترک بھی

5۔ بعض میدانوں میں فطری طور پر مردوں کو زیادہ مواقع میسر آتے ہیں اور عورتوں کو کم لیکن اس کا عکس بھی تو موجود ہے کہ بعض میدانوں میں مردوں کو مواقع میسر ہی نہیں آتے اور عورتوں کو ان میدانوں میں مکمل مواقع میسر آتے ہیں لیکن جب نتائج سامنے آتے ہیں تو مردوں کے میدانوں کا نام لے کر ان کو کامل قرار دے دیا جاتا ہے اور عورتوں کے میدانوں میں ان کی کاملیت کو پس پشت ڈال دیا جاتا ہے اور ان کا کوئی ذکر تک نہیں کرتا مثلاً مرد تجارت، ملازمت، زمینداری، کاشتکاری جیسے کاموں میں بازی لے جاتے ہیں تو ان کے مقابلہ میں عورتیں رضاعت، بچوں کی تربیت اور خاندانوں کی دیکھ بھال میں بہت آگے نکل

جاتی ہیں لیکن ان کے ان کاموں کو بہتر طریقہ پر سرانجام دینے کا بھی کسی زبان پر کسی طرح کوئی ذکر، آخر کیوں؟ اس لیے تسلیم کرنا پڑے گا کہ عورتیں ایک طرح کی گنہگار سپاہی کا کام کر رہی ہیں اور اس طرح تجربہ کیا جائے تو ہر کامل مرد کے پیچھے کسی عورت کا ہاتھ کام کرتا نظر آتا ہے لیکن اس ہاتھ کا کوئی نام نہیں لیتا، کیوں؟ اس لیے کہ عورت کے کسی کام میں نام لینا جرم عظیم سمجھا جاتا ہے کون ہے جو ”روشن خیالی“ کا الزام اپنے سر پر لے حالانکہ اس کا ”روشن خیالی“ سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔

سبق نمبر ۶ جہاں دو پہلو کا احتمال ہو وہاں منفی پہلو ترک کر دینا

6۔ جس طرح کبھی کے دو پر ہوتے ہیں اور کہا گیا ہے کہ اس کے ایک پر میں شفا ہوتی ہے اور دوسرے میں بیماری اور جب بھی وہ کسی مشروب میں گرتی ہے تو وہ بیماری والا پر مشروب میں ڈال دیتی ہے اور شفاء والے پر کو مشروب میں جانے نہیں دیتی اس کا علاج یہ بتایا گیا ہے کہ تمہارے سامنے کوئی ایسی صورت واقع ہو جائے تو کبھی کو مشروب میں ڈبکی دے کر باہر پھینک دو اور مشروب استعمال میں لانا چاہتے ہو تو شوق سے لاؤ یعنی سمجھا جائے تو تنقید کے بھی دو پہلو ہوتے ہیں ایک منفی اور دوسرا مثبت لیکن جب بھی کسی پر کسی طرح کی تنقید کی جاتی ہے تو وہ اس کے منفی پہلو کا ذکر کرتا ہے لیکن اس کے مثبت پہلو کو بالکل نظر انداز کر دیتا ہے اگر وہ تنقید کا مثبت پہلو اپنے لیے پسند کرے اور منفی پہلو کو چھوڑ دے کیونکہ اس پہلو میں بیماری ہے تو تنقید اس کے لیے کمال درجہ پر پہنچانے کا بہترین ذریعہ ثابت ہوگی لیکن افسوس کہ کسی نے اس بات پر کبھی غور نہیں کیا بلکہ ہر ایک تنقید ہی کو غلط قرار دے گا جو قطعاً صحیح نہیں۔ نبی کریم ﷺ نے ایک عید کے موقع پر عورتوں پر ایک تنقیدی جملہ استعمال فرمایا اور ان کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا کہ تم ”ناقصات عقل و دین“ ہو اس لیے کہ جہاں تک ممکن ہو وہ اپنے اس نقص کا ازالہ کریں تاکہ اس کا ازالہ کرنے سے وہ کامل بن جائیں۔ اس کا مثبت پہلو یہی تھا کہ وہ کوشش کر کے اس فطری تقاضا کا ازالہ کر دیتیں اور مرد بھی اُن کے ازالہ کو خوشی تسلیم کر لیتے لیکن افسوس کہ ہمارے مذہبی راہنماؤں نے ہماری ایسی مت ماری کہ اس مثبت پہلو کی طرف کبھی دھیان جانے ہی نہیں دیا اور عورتوں کی فطری حقیقتوں کو ان کی مستقل کمزوری قرار دے دیا ہے جس سے آپ کے اس طرح ارشاد فرمانے کا اصل مقصد ہی فوت ہو کر رہ گیا ہے کاش کہ ہمارے مذہبی راہنما بھی اس حقیقت پر غور کرتے اور ہماری مسلمان خواتین بھی ان کو دندان شکن جواب دے کر کامل سے

کامل تر اور کامل ترین ہو کر دکھا دیتیں اور ثابت کر دیتیں کہ ہمارے پیغمبر ﷺ کی جو ہم سے مخصوص محبت تھی یہ اُس کا تقاضا تھا جو آپ نے ایسا ارشاد فرمایا۔

سبق نمبر ۷ سابقہ امتوں کی عورتوں کا ذکر کر کے اپنی امت کی عورتوں کی حوصلہ افزائی

7۔ اسی طرح یہ بھی کہ آپ نے جو سابقہ امتوں کی خواتین کا ذکر فرمایا ہے اُس سے اثر قبول کرتے ہوئے ان کی اس قلیل تعداد کو کثرت میں بدل دیتیں اس لیے کہ ہمارے رسول ﷺ نے عورتوں کی محبت اور پیار کا بار بار ذکر فرمایا ہے کیونکہ یہ صنف نازک اپنے اندر ایسی ایسی صلاحیتیں رکھتی ہے کہ بڑے بڑے عقل مندوں کی عقل جواب دے جاتی ہے اسی طرح اگر گزشتہ امتوں میں ان کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر تھی تو یہ اپنی تعداد کو اتنا بڑھاتیں کہ مردوں سے آگے نہ نکلتی تو برابری کے پہلو پر تو آ جاتیں۔ یہ بات تو آپ کے ارشادات میں عام تھی کہ تمام امتوں کے مقابلہ میں میری یعنی محمد رسول اللہ ﷺ کی امت زیادہ ہے تو امت میں جس طرح مرد شامل ہیں بالکل اسی طرح عورتیں بھی ہیں اور کون ہے جو عورتوں کو آپ کی امت ہونے سے انکار کر سکتا ہے لہذا آپ کی امت کی عورتوں کو دوسری امتوں کی عورتوں کے مقابلہ میں کامل ہونے میں بھی اپنی تعداد کو بڑھانا چاہیے تاکہ آپ کی تنقید عورتوں کے معاملہ میں عورتوں کے لیے مثبت ثابت ہو۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ مسلم خواتین کو بھی اس پہلو پر سوچنے کی توفیق عطا فرمائے اور اس بہترین امت کے علمائے کرام کو بھی مثبت سوچ ارزاں فرمادے۔ آمین، اللھم آمین، ثم آمین۔

عرصہ سے یہ نظریہ قائم ہے کہ عورت کے معنی ہی پردہ کے ہیں

یہ زمانہ عجیب زمانہ ہے جس کی نوعیت گزشتہ زمانوں سے بہت مختلف ہے۔ کتاب و سنت میں نہ سہی تاہم علمائے گرامی قدر کی عبارات میں یہ بات عرصہ سے سرفہرست آرہی ہے کہ عورت عورت ہی ہے اور عورت کا معنی ہی پردہ کے ہیں اور پھر اسی طرح یہ بھی کہ اس کو گھر سے باہر قدم نہیں رکھنا چاہیے یہاں تک کہ اس کو نماز جیسے فریضہ سے مسجد میں ادا کرنے سے روک دیا گیا کچھ وقت گزرا تو یہ آواز بلند ہونا شروع ہو گئی کہ عورت اگر کسی ضروری کام کے لیے باہر نکلنے پر مجبور ہو جائے تو مکمل ملبوس ہو کر صرف ایک آنکھ کھلی رکھ سکتی ہے اگر اُس نے دونوں آنکھیں کھلی رکھیں تو واجب سزا ہوگی اسی طرح وقت کے ساتھ ساتھ پابندیاں بھی بڑھتی گئیں لیکن ان ساری باتوں کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہ نکلا اور جو ہونا تھا وہ ہوتا آیا اور اب وہ

وقت آ گیا ہے کہ آپ عورت کو سات کمروں کے پیچھے بھی بند کر دیں، دروازوں پر دربان بھی مقرر کریں اور علاوہ ازیں بھی جو کچھ پابندیاں آپ عائد کرنا چاہتے ہیں اس پر دل کھول کر عائد کریں لیکن اگر اس نے کہیں بات کرنا ہے یا کسی کے ساتھ بالمشافہ بات کرنا ہے اور اس سے آگے بڑھ کر آمنے سامنے ایک دوسرے کو دیکھ کر بات کرنا ہے تو ان تمام پابندیوں کے باوجود وہ ایسا کرنے میں آزاد ہے اگر ان معاملات میں کوئی چیز حائل ہو سکتی ہے تو فقط اُس کے دل کا لوٹھڑا ہے۔ یہ حالات تو آج پیدا ہوئے ہیں لیکن نبی رحمت فداہ ابی وای ﷺ نے آج سے ساڑھے چودہ سو سال پہلے یہ بات ارشاد فرمادی تھی اور بار بار ارشاد فرمائی جاتی تھی کہ لوگو! تقویٰ اختیار کرو اور اچھی طرح سمجھ لو کہ تقویٰ کا اصل مقام تمہارا دل ہے۔ اگر یہ صالح رہا تو تمہارا اتمام جسم بھلا اللہ صالح رہے گا اور اگر یہ غیر صالح ہو گیا تو تمہارا تمام جسم غیر صالح ہو جائے گا اور تم اس کو صالح نہیں بنا سکو گے۔ ارشاد فرمایا جتنا زور لگا سکتے ہو اسی پر لگاتے رہو۔

عورتوں کا پردہ تسلیم لیکن اس کا معیار کیا؟

اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ ہم عورتوں کے پردہ کو نہیں تسلیم کرتے اور یہ چاہتے ہیں عورتیں مادر پدر آزاد ہو جائیں اور جدھر چاہیں ننگ دھڑنگ چلتی جائیں۔ ہرگز نہیں، واللہ اعظیم نہیں۔ عورتیں گھروں میں اپنے محرموں کے ساتھ ہوں تو بھی اس طرح کا لباس زیب تن نہ کریں جس کے پہننے کے باوجود وہ ننگی تصور ہوں کیونکہ لباس جسمانی ساخت اور ہیئت کو چھپانے کیلئے استعمال ہوتا ہے وہ جسمانی ہیئت و ساخت کو کسی خول صورت انداز میں دکھانے کا نام ہرگز نہیں۔

موجودہ دور میں عورتوں کے لباس کا طریقہ

ہمارے گھروں میں عورتوں کے لباس کا رواج ایسا بنا دیا گیا ہے کہ اُس لباس کو پہننے کے بعد انسانی جسم کی ہیئت و ساخت کو زیادہ واضح کر کے وہ پاپوں، بھائیوں اور بیٹوں کے سامنے پیش کر رہا ہے جس کے نتیجے میں یہ تمام حرام رشتے بھی حلال ہوتے دکھائی دے رہے ہیں، ہم یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور مطمئن ہیں کہ ہماری ناکتھرا بہن یا بیٹی پردہ کی بہت پابند ہے کہ نقاب کے سوا کبھی باہر نہیں نکلتی اس پر جتنی بار چاہیں سبحان اللہ کا ورد کریں یا جتنی بار چاہیں انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھ لیں۔

برقع اور نقاب کی موجودہ صورت حال

جس چیز کو ہمارے ہاں برقع اور برقع کے ساتھ نقاب سے تعبیر کیا جاتا ہے جو اس کی

ڈیزائننگ اور سلائی کے طریقے نکل آئے ہیں اور تمام شریف زادیاں ان کو پہن کر اپنے اس شرعی لباس اور اپنی اس چال ڈھال سے آوارہ منش لوگوں کو اپنی طرف متوجہ ہونے کی دعوت دیتی نظر آتی ہیں یہ آج کسی آنکھ سے پوشیدہ نہیں۔ اس سلسلہ میں بہت کچھ کہا جا سکتا ہے لیکن عورت کا تقدس مانع ہے کہ بات کو اس سے آگے نہ بڑھایا جائے۔ اس کے علاوہ عام سادہ قسم کا لباس اور سر پر عام دوپٹہ یعنی خمار بڑی چادر، اور برقع بغیر نقاب جس سے عورت کسی کی توجہ کا مرکز نہیں بن سکتی نہایت بہتر اور اسلامی تعلیمات کے قریب ہے پھر اس کے ساتھ ساتھ اللہ رب کریم حیا کا پردہ بھی عطا فرمادے تو آج کی دوسری آنکھ کی طرف اٹھ ہی نہیں سکتی اور عورت اپنے منہ دھیان اپنی منزل پر آنے جانے میں کسی طرح کی آج بھی کوئی دقت بھلا اللہ محسوس نہیں کرے گی اور حیا جو ایمان کا جزو خاص ہے اس کا مقام جیسا کہ پیچھے عرض کیا جا چکا ہے کہ وہ دل ہے اور یہ وہی حیا اور پردہ ہے جو شعیب علیہ السلام کی نوجوان بیٹیوں نے اختیار کر رکھا تھا اور گھر جانے کے بعد جب دو میں سے ایک موسیٰ علیہ السلام کو دعوت دینے کے لیے موسیٰ علیہ السلام جیسے اجنبی مرد کے پاس آئی تھی اُس نے پہن رکھا تھا جس پر قرآن کریم کی شہادت آج بھی ہمارے سامنے موجود ہے اور قرآن کریم نے ان الفاظ میں اس کو بند کر دیا ہے:

فجاءتہ احدہما تمشی علی الاستحیاء قالت ان ابی یدعوك

لیجزیک اجر ما سقیت لنا ط (۲۵:۲۸) ”پس اُن میں سے ایک لڑکی بڑے شرم و حیا کے ساتھ چلتی ہوئی اُس کے پاس آئی اور کہا میرے باپ آپ کو بلاتے ہیں تاکہ آپ نے جو ہماری خاطر ہمارے ریوڑ کو پانی پلایا ہے، اس کا بدلہ آپ کو کچھ دیں۔“

مسلم خواتین کو ایسے پردہ کی توفیق ہو جو صحیح اسلامی پردہ ہے

اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ اللہ ہماری بہنوں، بیٹیوں اور دوسری تمام مسلم خواتین کو ایسا پردہ اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے جس کو پہن کر وہ اپنی سوسائٹی میں اپنی ضرورت کے تمام کام بخیر و خوبی سرانجام دے سکیں اور ان کی حیا پر کسی طرح کا کوئی حرف نہ آئے اور اپنی شرعی ضرورت کی بات چیت بھی ایک دوسرے سے کرتی رہیں۔ اے اللہ! ہمارے نوجوانوں کو موسیٰ علیہ السلام جیسی اور ہماری نوجوان بہنوں اور بیٹیوں کو شعیب علیہ السلام کی بیٹیوں جیسی نظریں عطا فرما اے اللہ! ہماری دعا قبول فرما۔

تجزیہ مضمون

خواتین اسلام کی قربانیاں جو ہمیشہ یاد رہیں گی

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ مسلمان خواتین نے اپنے دین کے لیے بڑی قربانیاں دیں۔ اس کے لیے انہوں نے قریب ترین تعلقات اور رشتوں کی بھی پروا نہ کی۔ خاندان اور قبیلہ سے جنگ مول لی، مصیبتیں سہیں، گھربار چھوڑا۔ غرض یہ کہ مفاد دین سے ان کا جو بھی مفاد ٹکرایا اُسے ٹھکرانے میں انہوں نے کوئی تامل اور پس و پیش نہیں کیا اور آخری وقت تک اپنے رب سے وفاداری کا جو عہد انہوں نے کیا تھا اُس کی مکمل پاسداری کی۔

عمار بن یاسر کے خاندان اور خصوصاً ان کی والدہ کی قربانی

1۔ مکہ کے ابتدائی دور میں جن سعادت مند اور باہمت نفوس نے ایمان قبول کیا تھا ان میں عمار بن یاسرؓ کا خاندان بھی تھا۔ ان کی والدہ ابوحنظلیہ بن مغیرہ کی باندی تھی، ان کو دین اسلام سے پھیرنے کے لیے ہر طرح کی اذیت دی جاتی رہی یہاں تک کہ ابو جہل نے جرم حق کی پاداش میں نیزہ مار کر ان کو شہید کر دیا، لیکن ان کے پائے ثبات میں کوئی لغزش نہ آئی۔ یہ پہلی شہادت تھی جو نبی کریم ﷺ کے پیغام پر لبیک کہنے کے نتیجے میں کسی کو نصیب ہوئی۔ (طبقات ابن سعد ۸/۱۹۳)

فاطمہ بنت خطاب یعنی حضرت عمر کی ہمیشہ کے ایمان کا واقعہ

2۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بہن فاطمہ بنت الخطاب جب ایمان لے آئیں تو حضرت عمرؓ نے ان کو اس قدر زد و کوب کیا کہ وہ لہو لہان ہو گئیں۔ حضرت عمرؓ کی سختی کے جواب میں کہتی ہیں ”یا ابن خطاب ما کنت صانعا فاصنعہ فانی قد اسلمت“ (مستدرک حاکم ۵۹/۴) ”ابن خطاب! میں تو ایمان قبول کر چکی ہوں اب تم جو چاہو کر گزرو“ (میں اس ایمان سے پھر نہیں سکتی)

ابوسفیان کی اپنی بیٹی ام المومنین ام حبیبہ سے مدینہ میں ملاقات

3۔ ابوسفیان کے ایمان لانے سے پہلے کا واقعہ ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں مدینہ گئے جب کہ ان کی بیٹی نبی کریم ﷺ کے حوالہ عقد میں آچکی تھیں اور وہ ام المومنین کا لقب پا چکی تھیں۔ ابوسفیان اپنی بیٹی کو ملنے کے لیے ان کے گھر گئے۔ گھر میں نبی کریم

ﷺ کا بستر بچھا ہوا تھا ابوسفیان اس بستر پر بیٹھنے لگے تو بیٹی نے فوراً بستر کو تہہ کر دیا۔ باپ کے لیے یہ حرکت سخت تعجب خیز تھی۔ پوچھا، کیا تم نے اس بستر کو میرے شایان شان نہ سمجھ کر اٹھا دیا یا مجھے اس قابل نہ سمجھا کہ اس پر بیٹھوں۔ بیٹی نے ترکی بہ ترکی جواب دی۔ یہ رسول اللہ ﷺ کا بستر ہے اور آپ ابھی مشرک ہیں۔ میں اس مقدس بستر پر آپ کو بٹھانا پسند نہیں کرتی لہذا میں نے اس کو تہہ کر دیا ہے۔ (طبقات ابن سعد ۷/۸۰)

قرآن کریم کا صاف حکم ہے کہ اللہ کے دشمنوں اور محاربین سے اہل ایمان کو کسی قسم کا خاص تعلق نہیں رکھنا چاہیے۔

اسماءؓ کی والدہ بنت عبد العزیٰ مکہ سے مدینہ آتی ہے

4۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ حضرت اسماءؓ کی مشرک والدہ کچھ تحفے ساتھ لے کر مکہ سے مدینہ آئیں اور اسماء رضی اللہ عنہا کے گھر داخل ہو گئیں حضرت اسماءؓ نے ماں کے تحفوں کو قبول کرنے بلکہ ان کو اندر آنے کی اجازت دینے سے پہلے آپؐ سے معلوم کیا کہ کیا میں ان کو اپنے گھر ٹھہرا سکتی ہوں؟ اور یہ کہ وہ مجھ سے مدد اور ہمدردی کی توقع رکھتی ہیں کیا ان کے ساتھ تعاون اور حسن سلوک میرے لیے جائز ہے؟ آپؐ نے جواب دیا ہاں! تمہارے لیے یہ دونوں باتیں جائز ہیں۔ (صحیح بخاری ۵۹۷۸)

مسطح بن اثاثہ کی والدہ مسطح کے متعلق بولتی ہیں

جن لوگوں نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر افتراء پردازی میں حصہ لیا، ان میں مسطح بن اثاثہ بھی تھے ان کی والدہ کے ایمانی تقاضا نے اس کی اجازت نہ دی کہ بیٹے کی غلط حرکت کو گوارا کر سکیں یا کم از کم تاویل و توجیہ کے پردوں میں اس کو چھپادیں۔ ابن سعد نے لکھا ہے کہ:

کانت من اشد الناس علی مسطح حین تکلم مع اهل الافک فی عائشة

”یعنی مسطح نے جب حضرت عائشہؓ پر افتراء پردازی کرنے والوں کے ساتھ تہمت باندھنے میں حصہ لیا تو یہ ان پر اور تمام لوگوں سے زیادہ سخت تھیں۔“

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہر وقت ان کے اس غیر شرعی اور ناروا عمل پر پیچ و تاب کھاتی اور غم و غصہ کا اظہار کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ باہر سے گھر آ رہی تھیں کہ پاؤں میں چادر الجھ گئی تو ایک دم وہی جذباتی انداز میں بیٹے کو بدعادی لگیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ابھی تک مسطح کی اس حرکت کا علم نہیں تھا اس

لیے وہ مدافعت کرنے لگیں تو انہوں نے ان افواہوں کا ذکر کیا جو مدینہ کی فضا میں گشت کر رہی تھیں۔ (صحیح بخاری ۲۵۹۳، ۴۱۴۱)

عورتوں کی جنگی خدمات کا مختصر ذکر

شریعت نے ریاست کے دفاع اور اُس کی حفاظت کی ذمہ داری عورت پر نہیں ڈالی لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کے دین کو سر بلند دیکھنے کی تمنا اس کو دشمن کے خلاف محاذ جنگ پر لے آئی اور مردوں کے ساتھ وہ بھی کفر کا علم سرنگوں کرنے میں حصہ لیتی رہی۔

1۔ ایک انصاری صحابیہ اُم عمارہ رضی اللہ عنہا نے جنگ اُحد میں مردوں کی سی ثابت قدمی اور دلیری کا مظاہرہ کیا۔ سعد بن ربیع کی صاحبزادی ام سعد نے اس کا رنامہ کے متعلق دریافت کیا تو ان کو تفصیل سے بتایا کہ میں صبح سویرے ہی مجاہدین کی خدمت کے لیے میدان کارزار میں پہنچ گئی تھی۔

ابتداء میں مسلمانوں کا پلہ بھاری رہا لیکن بعد میں جب فتح و نصرت نے ان کا ساتھ چھوڑا تو اُن میں افراتفری اور انتشار پھیل گیا۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ کے قریب پہنچ کر آپ کی مدافعت میں تیر اور تلوار چلانے لگی، یہاں تک کہ دشمن کی ضرب مجھ پر آن پڑی۔ ام سعد رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے اُن کے کندھے پر بہت ہی گہرے زخم کا نشان دیکھا اور میں نے پوچھا کس نے آپ پر اتنا سخت حملہ کیا تھا؟ انہوں نے جواب دیا ابن قمرہ نے اللہ اُسے عارت کرے! جب مسلمان شکست کھا کر رسول اللہ ﷺ کے پاس سے بھاگ کھڑے ہوئے تو یہ چلاتا ہوا آیا، بناؤ محمد (ﷺ) کہاں ہے؟ اگر وہ اس جنگ میں بچ گیا تو میری نجات نہیں۔ یہ میری ہلاکت اور موت ہے۔ یہ سن کر میں اور مصعب بن عمیر اور چند دوسرے اصحاب نے جو آپ کے ساتھ جھے ہوئے تھے، اس کا سامنا کیا۔ اس مقابلہ میں اُس نے مجھ پر یہ وار کیا جس کا نشان تم دیکھ رہی ہو۔ میں نے بھی تلوار سے کئی حملے اس پر کیے لیکن اس دشمن اسلام نے دو دوزر ہیں پہنی ہوئی تھیں۔ نبی کریم ﷺ کی مدافعت میں انہوں نے جس ہمت اور پامردی کا ثبوت دیا اُس کی شہادت خود نبی کریم ﷺ نے ان الفاظ میں دی ہے: وما التفت يمينا ولا شمالا الا وانا اراها تقابل ردني "دائیں بائیں جس طرف بھی میں نے رخ کیا ام عمارہ گواہی اپنی مدافعت میں لڑتے دیکھا" اس واقعہ کو حفیظ جالندھری نے اس طرح نظم کیا ہے۔

حضرت اُم عمارہ

اُحد میں خدمتیں جن کی بہت ہی آشکارا تھیں
انہیں میں ایک بی بی حضرت اُم عمارہ تھیں

بچے اسلام دے کر اپنے فرزندوں کی قربانی
پلائی تھیں یہ بی بی زخمیان جنگ کو پانی
نبی ﷺ کی ذات پر جب جھک پڑے ایمان کے دشمن
ہوئے اس کی زندگی بخش جہاں کی جان کے دشمن

اسی شمع ہدیٰ پر جب پلٹ کر آ گئی آندھی
تو اس بی بی نے رکھ دی مشک، چادر سے کمر باندھی

تھے اس کے شوہر و فرزند بھی مصروف جاں بازی
رسول اللہ (ﷺ) پر قربان تھے اللہ کے غازی

ہوئی یہ شیر زن بھی اب قتال و جنگ میں شامل
سہر بن کر لگی پھر نے پگڑ بادی کامل (ﷺ)
یہ اپنی جان پر ہر زخم دامن گیر لیتی تھی
کوئی حربہ وجود پاک تک نہ آنے دیتی تھی

نظر آئی نئی صورت جو حرز جان پیغمبر
کیا یک لخت بڑھ کر حملہ اک بد کیش نے اُس پر

نہتی تھی مگر کرنے لگی پیکار دشمن سے
مروڑا اُس کا بازو چھین لی تلوار دشمن سے

اسی شمشیر سے اس نے سر شمشیر زن کاٹا
ہوا اس شیر زن کے خوف سے اعدا میں سناٹا

جدھر بڑھتے ہوئے پاتی تھی یہ محبوب باری کو
پہنچتی تھی وہیں اُم عمارہ جاں نثاری کو

سروگردن پہ اُس بی بی نے تیرہ زخم کھائے تھے
مگر میدان سے اس کے قدم ہٹنے نہ پائے تھے
یہ اٹھی تھی نمازِ صبح کو تاروں کے سائے میں
نمازِ ظہر تک قائم تھی تلواروں کے سائے میں

فرشتے دنگ تھے اس تیغِ ایمانی کے جوہر سے
کہ حاضر تھی یہ جان و مال سے فرزند و شوہر سے
یہی مائیں ہیں جن کی گود میں اسلام پلتا ہے
اسی غیرت سے انساں نور کے سانچے میں ڈھلتا ہے
اُس دن ام عمارہ رضی اللہ عنہا کے اس جماؤ اور ثابت قدمی کو دیکھ کر خود نبی کریم ﷺ
نے ارشاد فرمایا: لمقام نسیبہ بنت کعب الیوم خیر من مقام فلاں و فلاں ”آج
نسیبہ بنت کعب (ام عمارہ) کی ثابت قدمی اور استقلال فلاں اور فلاں سے بہتر ہے۔“
(طبقات ابن سعد ۳۰۱/۸ تا ۳۰۴)

احد کے علاوہ ام عمارہ رضی اللہ عنہا نے خیبر، حنین اور یمامہ کی جنگ میں بھی شرکت کی
تھی۔ یمامہ کے روز لڑتے لڑتے ان کا ہاتھ شہید ہو گیا اور اس کے علاوہ تلوار اور نیزہ کے
بارہ زخم ان پر دیکھے گئے۔ (ایضاً)

عکرمہ بن جہل کی بیوی ام حکیم رومیوں کے مقابلہ میں

2- رومیوں سے مسلمانوں کی جنگ میں عکرمہ بن ابی جہل کی بیوی ام حکیم شریک
تھیں۔ اجمادین کی لڑائی میں عکرمہ شہید ہو گئے اور عدت گزرنے کے بعد مرج صفر نامی
ایک مقام پر ان کا نکاح خالد بن سعید رضی اللہ عنہ سے ہوا۔ نکاح کے دوسرے دن خالد بن
سعید نے دعوت و یمہ کی ابھی لوگ دعوت و یمہ سے فارغ ہوئے بھی نہ تھے کہ رومیوں نے
صف بندی شروع کر دی۔ جب گھمسان کارن پڑا تو ام حکیم جن پر ابھی تک شبِ عروسی کے
آثار نمایاں تھے اپنے خیمے کا ایک ڈنڈا ہاتھ میں لے کر میدان میں کود پڑیں اور دشمن کے
سات افراد کو اس دن موت کے گھاٹ اتار دیا۔ (الاستیعاب تذکرہ ام حکیم)

اسماء بنت یزید نے یرموک میں رومیوں کے خلاف حصہ لیا

3- اسماء بنت یزید کے ہاتھ سے جنگ یرموک میں نورومیوں کو موت کا پیالہ پینا پڑا۔ الاصابہ

ام حارث کی میدانِ جنگ میں ثابت قدمی

4- ایک اور انصاری خاتون ام حارث رضی اللہ عنہا کی ثابت قدمی اور شجاعت دیکھئے
کہ جنگ حنین میں اسلامی فوج کے قدم میدان سے اُکھڑ چکے ہیں لیکن یہ چند باہمت نفوس
کے ساتھ پہاڑ کی طرح جمی ہوئی ہے۔ (الاستیعاب تذکرہ ام حارث)
ہر جنگ میں ام سلیم خنجر اپنے ساتھ رکھتی تھیں

5- حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا خنجر لیے ہوئے اُحد میں آئی
تھیں۔ حنین میں بھی ان کے پاس خنجر تھا اس طرح مسلح ہو کر آنے کا مقصد نبی کریم ﷺ نے
دریافت فرمایا تو جواب دیا ”میں نے اس کو اس لیے ساتھ رکھا ہے تاکہ اگر کوئی مشرک قریب
ہو تو اس سے اس کا پیٹ چاک کر دوں۔“ (صحیح مسلم روایت ۱۸۰۹)

حبیب بن سلمہ کے ساتھ ان کی بیوی نے بھی جنگ میں شرکت کی

6- رومیوں سے جہاد میں شہرت رکھنے والی نامور شخصیت حبیب بن سلمہ سے ان کی
بیوی نے ایک جنگ کے موقع پر دریافت کیا کہ آپ بتائیں! کل آپ کہاں ہوں گے؟
جواب دیا یا تو دشمنوں کی صفوں کے اندر یا جنت میں، ان شاء اللہ جواب سن کر بیوی نے بھی
پورے عزم کے ساتھ کہا، ان دونوں جگہوں میں سے جہاں بھی آپ ہوں گے مجھے توقع ہے
کہ میرا مقام بھی وہی ہوگا۔ (البیان والتبيين ۱۷۰/۲)

ربیع بنت معوذ کا بیان خواتین کی شرکت کے متعلق

7- ربیع بنت معوذ کا بیان ہے ”ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ جہاد میں جاتی تھیں اور
ہماری خدمات یہ ہوتی تھیں کہ مجاہدین کو پانی پلائیں، ان کی خدمت کرتیں اور جنگ میں کام
آنے والوں اور زخمی ہونے والوں کو مدینہ لوٹائیں۔“ (صحیح بخاری ۲۸۸۳)

ایک صحابیہ کا جنگ میں شرکت کے متعلق واضح بیان

8- ایک صحابیہ جو نبی کریم ﷺ کے ساتھ جہاد میں شریک ہوتی تھیں بیان کرتی ہیں
کہ ”ہم زخموں کی مرہم پٹی اور بیماروں کا علاج معالجہ اور ان کی تیمارداری کرتی تھیں۔
(مسند احمد ۸۵/۵)

ام عطیہ اپنے متعلق جنگ میں شرکت کا واقعہ اس طرح بیان کرتی ہیں

9- ام عطیہ اپنے متعلق فرماتی ہیں ”میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ سات غزوات میں

شریک ہوئی تو میں لوگوں کے لیے کھانا بناتی، زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی اور بیماروں کی دیکھ بھال کرتی۔ (ایضاً)

احد کی جنگ ختم ہونے کے بعد مدینہ سے آ کر جن عورتوں نے زخمیوں کا علاج کیا

10۔ احد کے زخمی مجاہدین کی مرہم پٹی اور خدمت کے لیے بہت سی صحابیات جنگ کے بعد مدینہ سے گئی تھیں، طبرانی کی روایت ہے ”جس دن احد کی جنگ ہوئی اور جنگ کے بعد مشرکین واپس ہو گئے تو خواتین صحابہ کی معاونت کے لیے روانہ ہوئیں۔ حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ بھی ان ہی میں سے ایک تھیں۔“

چونکہ نبی کریم ﷺ بھی اس دن زخمی ہوئے تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اس زخم کو چٹائی کی راکھ سے بھرا تھا۔ (فتح الباری ۷/۲۸۷)

حضرت انس کا جنگ احد میں حضرت عائشہؓ اور ام سلیم کا دیکھنا

11۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جنگ احد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور ام سلیم رضی اللہ عنہا نے بھی مجاہدین کی خدمت کی اور وہ کہتے ہیں کہ ”میں نے عائشہ بنت ابی بکر اور ام سلیم کو کمر بستہ (لوگوں کی خدمت کرتے ہوئے) دیکھا وہ اس قدر تیزی سے دوڑ دھوپ کر رہی تھیں کہ میں نے ان کی پنڈلیوں کے پازیب دیکھے وہ اپنی پشت پر پانی سے بھری ہوئی مشک لادلا دلا کر لاتیں اور مجاہدین کو پلاتیں پھر واپس جاتیں اور بھر کر لاتیں اور مجاہدین کی تشنگی دور کرتیں۔“ (صحیح بخاری ۲۸۸۰، ۲۸۶۴)

ام سلیط کے متعلق حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا بیان

12۔ ایک انصاری خاتون ام سلیط کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ”احد کے دن وہ ہمارے لیے مشکیزے بھر کر لاتی تھیں۔“ (صحیح بخاری ۲۸۸۱)

حمنہ بنت جحش نے بھی احد کے میدان میں حصہ لیا

13۔ حمنہ بنت جحش نے بھی اُس دن یعنی احد کے دن یہ خدمات انجام دی ہیں۔ ابن سعد نے لکھا ہے کہ ”حمنہ احد میں موجود تھیں۔ پیاسوں کو پانی پلاتی تھیں اور زخمیوں کا علاج کرتی تھیں۔“ (طبقات ابن سعد ۸/۱۸۵)

ام ایمن کے حالات زندگی میں جو کچھ لکھا ہے

14۔ ام ایمن کے حالات میں بھی ابن سعد نے اس قسم کی روایت نقل کی ہے وہ کہتے

ہیں کہ ”ام ایمن رضی اللہ عنہا یوم احد میں وہاں حاضر تھیں اور وہ بھی پیاسوں کو پانی پلانے اور زخمیوں کی مرہم پٹی میں کام کرتی رہیں اور اسی طرح جنگ خیبر میں بھی وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھیں (طبقات ابن سعد ۸/۱۶۳)

خیبر میں مسلمان خواتین کی شرکت کا بیان

15۔ جنگ خیبر کے سلسلے میں مورخ ابن اسحاق نے صراحت کے ساتھ تحریر کیا ہے کہ ”خیبر میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ مسلمان خواتین میں سے بہت سی خواتین نے شرکت کی تھی۔“ (سیرۃ ابن ہشام ۳/۳۳۴)

حشر بن زیاد کی دادی مزید پانچ عورتوں کے ہمراہ

16۔ حشر بن زیاد کی دادی اور پانچ مزید عورتیں بھی اس جنگ میں شریک ہوئیں انہوں نے نبی کریم ﷺ سے اپنے آنے کا مقصد ان الفاظ میں بیان فرمایا ”اے اللہ کے رسول ﷺ ہم بالوں کو بٹھتی ہیں اور اس کے ذریعے اللہ کے رستے میں تعاون کرتی ہیں ہمارے پاس زخمیوں کے لیے دوا بھی ہوتی ہے ہم مجاہدین کو تیر پکڑاتی اور ستوپلاتی ہیں۔“ (سنن ابوداؤد ۲۷۹۰)

خیبر اور ابورافع کی بیوی مع ام عامر اور ام غلد

17۔ خیبر میں ابورافع کی بیوی سلمہ رضی اللہ عنہا، قبیلہ اشہل کی ایک خاتون ام عامر، ایک انصاری عورت اُم غلد اور کعبہ بنت سعد کی شرکت کا ثبوت بھی ملتا ہے۔ (طبقات ابن سعد ۸/۳۳۶)

سب سے اہم تر بات یہ ہے کہ وہ کسی خارجی دباؤ کے تحت یہ خدمات سرانجام نہیں دیتی تھیں بلکہ محافظین دین کی رفاقت اور تعاون کو اپنے لیے باعث عزت سمجھ کر خود ہی پیشکش کرتی تھیں۔

جنگ خیبر میں قبیلہ غفار کی خواتین کی شمولیت

18۔ اسی جنگ خیبر کا واقعہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ روانہ ہونے لگے تو قبیلہ غفار کی چند عورتوں نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ ”اے اللہ کے رسول ﷺ اس مبارک سفر میں جس پر آپ تشریف لے جا رہے ہیں ہم بھی آپ کے ساتھ چلنا چاہتی ہیں تاکہ زخمیوں کا علاج معالجہ کریں اور اپنے بس بھر مسلمانوں کی مدد کریں۔“ (ایضاً)

بعض خواتین میدان جنگ سے باہر رہ کر بھی یہ خدمات سرانجام دیتی تھیں۔

رقیدہ نامی عورت کا خیمہ لگانا اور مجاہدین کی خدمت سرانجام دینا

19۔ رقیہ نامی ایک عورت کے متعلق مورخین نے تصریح کی ہے جس کا تعلق قبیلہ اسلم سے تھا کہ ”وہ زخمیوں کی مرہم پٹی کیا کرتیں اور انہوں نے مسلمانوں کی خدمت کے لیے اپنے آپ کو وقف کیا ہوا تھا“ (طبقات ابن سعد ۳۳۶/۸) یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان کا خیمہ مدینہ میں مسجد نبوی میں لگا ہوا تھا اور حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ جب جنگ خندق میں زخمی ہوئے تو نبی کریم ﷺ نے ان کو رقیہ ہی کے خیمہ میں منتقل کر دیا تھا کہ آپ آسانی سے ان کی عیادت کر سکیں (طبقات ابن سعد ۲۱۳/۸)

خواتین اسلام نے دین کی مدافعت اور اس کی ترغیب کا فریضہ سرانجام دیا محمد اللہ دین کی مدافعت، خواتین جس طرح شمشیر و سناں کے ذریعے کرتی رہی ہیں بالکل اسی طرح زبان و بیان سے بھی انہوں نے یہ فریضہ سرانجام دیا ہے۔ حق کی نصرت و حمایت میں، نیزہ و تلوار بھی بلند کیا ہے اور زبان کی قوت بھی صرف کی ہے۔ ان کی پر جوش خطابت و تقریر نے بہت سوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی راہ میں مرنا اور جینا اور اپنی متاع حیات کا لٹانا آسان بنا دیا۔

نبی کریم ﷺ کی پھوپھی اروی کا بیان

1۔ نبی کریم ﷺ کی پھوپھی اروی بنت عبدالمطلب کے متعلق ابن عبد البر نے لکھا ہے کہ ”وہ اپنی زبان سے نبی ﷺ کا دفاع کرتیں اور اپنے بیٹے کو نبی کریم ﷺ کی مدد اور حکم پر ابھارا کرتی تھیں“ (طبقات ابن سعد ۲۱۳/۸)

ان کے بیٹے طلیبؓ مکہ کے ابتدائی دور میں ہی ایمان لا چکے تھے۔ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ چند صحابہ کرام کے ساتھ جن میں طلیب بھی شامل تھے، نماز ادا کر رہے تھے کہ ابو جہل، ابولہب، عقبہ بن معیط اور بعض دوسرے سردار اچانک ہلہ بول بیٹھے اور زبان درازی شروع کر دی۔ صحابہ کرام بھی پورے زور سے اظہار ایمان اور اپنی مدافعت کرنے لگے۔ طلیبؓ نے آگے بڑھ کر ابو جہل کو بری طرح زخمی کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مشرکین نے ان کو پکڑ کر باندھ دیا۔ بعض لوگ نیزہ خیر لے کر اروی بنت عبدالمطلب کے پاس پہنچے اور کہا ذرا اپنے بیٹے کی حمایت تو دیکھو کہ محمد (ﷺ) کے پھیر میں آ کر لوگوں کے جو رستم کا نشانہ بن گیا ہے۔ ان کی بات سن کر انہوں نے جواب دیا ”وہ دن کہ جب طلیبؓ نے اپنے ماموں زاد کی

حمایت کی تھی بہترین دن سمجھتی ہوں، یقیناً وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق لے کر آیا“ (الاستیعاب تذکرہ اروی بنت عبدالمطلب)

ام عمارہ جو آپؐ کی چچی تھیں انہوں نے اپنے بیٹے سے جو خطاب کیا 2۔ عبد اللہ بن زید نبی کریم ﷺ کے چچا زاد بھائی احد کے دن زخمی ہو گئے تو ان کی والدہ ام عمارہؓ نے ان کی مرہم پٹی کی اور بجائے اس کے کہ اپنے لخت جگر کو تکلیف میں دیکھ کر آرام لینے اور سستانے کا مشورہ دیتیں حکم دیا ”میرے بیٹے اٹھو اور دشمن کو مارو۔“ (مستدرک حاکم ۵۲/۳)

احد کے شہداء کے متعلق ہند بنت عقبہ کے اشعار کا جواب شعروں میں 3۔ ابوسفیان کی بیوی ہند بنت عقبہ نے شہدائے احد کے خلاف اشعار کہے تو ہند بنت اثاؓ نے ان کے اشعار کا شعروں میں ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ (طبقات ابن سعد ۳۰۲/۸) آپؐ کی صحابیہ خنساء نے اپنے بیٹوں کو جو نصیحت کی

4۔ سیدہ خنساء رضی اللہ عنہا اپنے بچوں کے ساتھ جنگ قادسیہ میں شریک ہوئی تھیں اور ان کے چار بچے تھے۔ انہوں نے ان چاروں کو آغاز شب ہی میں جمع کیا اور ان سے کہا: ”اے میرے بچو! تم نے برضاء و رغبت ایمان قبول کیا ہے اور کسی کے دباؤ کے بغیر ہجرت کی۔ نمبر 1 جس طرح تمہاری ماں ایک ہے اسی طرح تمہارا باپ بھی ایک ہے، کیونکہ تمہاری ماں نے نہ تو تمہارے باپ کے ساتھ کوئی خیانت کی اور نہ تمہارے ننھیال کو رسوا کیا۔ نہ تمہارے حسب کو بٹا لگایا اور نہ تمہارے نسب کو غبار آلود کیا مطلب یہ ہے کہ تم سب ایک شریف اور باعفت ماں کے لطن سے پیدا ہوئے ہو۔ اس لیے تمہارے اعمال بھی شریفوں کے سے اور ارفع و اعلیٰ ہونے چاہئیں تمہیں معلوم ہے کہ اللہ رب کریم نے کفار سے جنگ کے عوض کس قدر اجر و ثواب تیار کر رکھا ہے۔ خوب سمجھ لو اور فنا ہونے والی دنیا سے دار البقاء بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

”اے ایمان والو! ثابت قدم رہو اور ثابت قدمی میں ایک دوسرے کا مقابلہ کرو۔ حق کی راہ میں جبرے رہو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو شاید تم فلاح پاؤ۔“ (۲۰۰:۳)

اگر اللہ نے چاہا اور تم نے سلامتی سے صبح کی تو پوری بصیرت کے ساتھ اور اللہ رب کریم سے مدد طلب کرتے ہوئے دشمن کے مقابلہ میں نکل جاؤ اور جب گھمسان کا رن

پڑے اور جنگ کے شعلے بھڑک اٹھیں تو تم اُس کی بھٹی میں بلا خوف و خطر کود پڑو۔ جس وقت دشمن کا لشکر پورے جوش اور جذبہ سے لڑائی میں مصروف ہو تو تمہارے حملوں کا نشانہ اس کا سردار ہے اس طرح تم غنیمت اور جنت میں شرف و مرتبہ کے مستحق ہو کر لوٹو گے۔

ماں کی زبان سے یہ پر عزیمت تقریر سن کر چاروں بھائی رجز پڑھتے ہوئے سر بکف عرضہ پیکار میں آ نکلے، پھر ان کو خاک و خون میں غلطاں ہی دیکھا جا سکا۔ (سیرۃ ابن ہشام ۴۲، ۴۱/۳)

اسماء بنت ابوبکر کی نصیحت اپنے بیٹے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو

5۔ جس زمانہ میں حجاج نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا محاصرہ کیا ان کے تقریباً دس ہزار ساتھی اُن کا ساتھ چھوڑ کر حجاج کے ساتھ جا ملے یہاں تک کہ ان کے دو لڑکے حمزہ اور خبیث بھی پناہ کے طالب ہو کر حجاج کے پاس چلے گئے۔ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے جا کر اپنی والدہ اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہا سے اپنی بے بسی کا تذکرہ کیا کہ اور تو اور میری اولاد تک نے میرا ساتھ چھوڑ دیا ہے۔ اب مجھے کیا کرنا چاہیے۔ میرے ساتھ گئے چنے افراد باقی رہ گئے ہیں جو حجاج کے مقابلہ میں دیر تک ٹھہر نہیں سکتے۔ اگر میں اب بھی حجاج کے ہاتھ میں ہاتھ دے دوں تو دنیا کی جو نعمت چاہوں مل سکتی ہے۔ آپ کی کیا رائے ہے۔ ماں نے جواب دیا:

”اے میرے بیٹے تو اپنی نیت خوب جانتا ہے، اگر تو سمجھتا ہے کہ تو حق پر ہے اور حق کی طرف بلانے والا ہے تو اس پر صبر کر، تمہارے اصحاب کو قتل کر دیا گیا اور تمہاری گردن بھی نہ بچ سکے گی اور بنی امیہ کے لڑکے اس سے کھیلیں گے اور اگر تو جانتا ہے کہ تو حق پر نہیں ہے صرف دنیا حاصل کرنے کے لیے ہے تو تو بہت برا بندہ ہے تو نے اپنے آپ کو بھی ہلاک کر دیا اور اپنے اصحاب کو بھی جو تیرے ساتھ قتل ہوں گے اور اگر تو حق پر ہے تو دین کو ہلکا نہ سمجھ تو دنیا میں کتنی دیر زندہ رہے گا؟“

حضرت عبداللہ بن زبیر نے ماں کے جذبات کی تائید کی اور حجاج کی مخالفت میں شہید ہو گئے۔ (البدایہ والنہایہ ۳۳۰/۸)

خواتین اسلام نے کس پیا کی کے ساتھ اظہار حق کیا

الحمد للہ کہ خواتین اسلام نے اپنوں ہی کو حق پر ثابت قدم رکھنے کی کوشش نہیں کی بلکہ

معاشرہ میں جہاں کہیں ان کو بگاڑ نظر آیا اس کو بدلنے کی اور اس کی جگہ خیر و صلاح کو قائم کرنے کی جدوجہد کرتی رہی ہیں۔

سیدہ اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہا کا جواب حجاج کو

1۔ سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو سولی پر لٹکانے کے بعد حجاج ان کی والدہ سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا کے پاس گیا اور کہا، آپ کے صاحبزادے نے اللہ کے گھر میں بے دینی اور الحاد پھیلایا جس کی سزا اللہ نے اس کو دردناک عذاب کی شکل میں چکھائی ہے۔ سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا نے حجاج کی بات سنی اور جواب دیا:

”تو جھوٹ بول رہا ہے وہ تو اپنے والدین کا فرمانبردار تھا، روزے رکھنے والا، قیام کرنے والا، میں نے خود نبی کریم ﷺ سے سنا کہ ثقیف قبیلہ سے دو جھوٹے ٹکلیں گے دوسرا پہلے سے زیادہ شر والا ہوگا۔“ (مسند احمد ۳۵۱/۶)

سمیہ کے بیٹے زیاد کے خط کا جواب سیدہ عائشہ کی طرف سے

2۔ سمیہ نامی ایک کثیر بھی جس سے دور جاہلیت میں اُس کے آقا و مالک اُس سے بیسواؤں کی کا پیشہ کرواتے تھے۔ حضرت معاویہ کا ایک ظالم گورنر زیاد اس کا لڑکا تھا۔ عموماً جیسے بیسواؤں کی اولاد کے حسب و نسب کا کوئی علم نہیں ہوتا اسی طرح زیاد کے سلسلہ پدیری کا بھی کوئی پتہ نہیں تھا اور وہ نامعلوم النسب ہی مشہور تھا۔ حضرت معاویہ کے سامنے ایک شخص نے شہادت دی کہ ایک مرتبہ زمانہ جاہلیت میں ابوسفیان کی سمیہ کے ساتھ خلوت ہو گئی تو اس کے نتیجے میں زیاد پیدا ہوا۔ اس شخص کی اس شہادت کی بنا پر حضرت معاویہ نے اس کو ابوسفیان کی اولاد اور اپنا بھائی قرار دے لیا۔

زیاد اس سے بہت خوش ہوا وہ چاہتا تھا کہ اکابر امت سے بھی اس کی تصدیق ہو جائے۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس نے ایک خط لکھا جس کا سرنامہ یہ تھا: ”ابوسفیان کے بیٹے زیاد کی جانب سے ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے نام“ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اس غیر اسلامی فعل کی کیسے تائید کر سکتی تھیں۔ انہوں نے نہ تو امیر معاویہ کے فیصلہ کا کوئی احترام کیا اور نہ زیاد جیسے سخت گیر گورنر کی کوئی پروا کی اور زیادہ کو جو جواب دیا اس کی ابتدا اس طرح کی ”ام المؤمنین عائشہ کی طرف سے نامعلوم باپ کے بیٹے زیادہ کے نام“ (طبقات ابن سعد ۷۱/۱)

خواتین اسلام کی اعیان حکومت کو نصیحت اور اس کے نتائج

تقید یا تنبیہ اسی وقت سودمند ہوتی ہے جب کہ اس کے پیچھے خلوص اور خیر خواہی کے جذبات کا فرما ہوں، ورنہ تنبیہ کا کوئی فائدہ ہوتا ہے اور نہ تردید کا۔ مسلمان خواتین نے جو کچھ کہا اور کیا ذاتی مفاد سے بالاتر ہو کر خالص دین اسلام اور ملت کے مفاد کے لیے کہا اور کیا۔

دین کے نفع و ضرر کا پاس، لحاظ، اس کے لیے ہر طرح کی قربانی اور شدید ترین وجاں گسل مواقع پر استقامت، خاتون مسلم کی یہ ایسی صفات تھیں جنہوں نے اس کے خلوص اور وفاداری کو ہر شک و شبہ سے بالاتر کر دیا اور کوئی بھی شخص اس کو دین اور ارباب دین کی بدخواہ اور غدار ثابت نہیں کر سکا اُس نے فرد اور جماعت کے مفاد کے لیے جو بھی اقدام کیا اس کو ذاتی غرض اور نفسانی خواہش پر محمول نہیں کیا گیا بلکہ مخلصانہ جدوجہد سمجھ کر اس کا خیر مقدم کیا گیا۔ عام افراد تو کیا، ذمہ داران ریاست تک نے اس کی تقید اور نصیحت کو عزت کی نگاہ سے دیکھا اور اس سے مکمل طور پر استفادہ کیا اور اُس کی رائے کو قبول کیا۔ اس سلسلہ میں بھی مثال کے لیے چند ایک باتیں درج ذیل ہیں۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا معاویہ کو نصیحت کرنا

1- سیدنا معاویہؓ نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو لکھا کہ مجھے ایک مختصر نصیحت کیجئے جس کو میں ہمیشہ کے لیے اپنے سامنے رکھ سکوں، ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے انتہائی موثر اور ایک حاکم وقت کو رہنمائی کا کام دینے والا نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد تحریر کر کے بھیج دیا۔

”جس شخص نے لوگوں کو ناراض کر کے اللہ کو راضی کرنے کی کوشش کی ہے اللہ تعالیٰ اُسے لوگوں کی ناراضی سے کافی ہو جائے گا اور جس نے اللہ کو ناراض کر کے لوگوں کو خوش کرنا چاہا، اللہ تعالیٰ اسے لوگوں ہی کے سپرد کر دے گا۔“ (سنن ترمذی ۲۴۱۴)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ایک عورت نے روک کر نصیحت کی

2- ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہیں جا رہے تھے اور خیال رہے کہ آپؓ اُس وقت امیر المومنین اور خلیفہ وقت تھے راستہ میں خولہ بنت ثعلبہ ایک خاتون سے ملاقات ہو گئی۔ وہ وہیں راستہ ہی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو نصیحت کرنے لگیں۔ رعایا کے

معاملہ میں اپنے اللہ سے ڈرتے رہو۔ یہ بات ذہن نشین کر لو کہ جس شخص کو اللہ کے عذاب کا خوف ہوگا وہ قیامت کو دور نہیں سمجھ سکتا اور جس کو موت کا کھٹکا لگا ہوگا وہ لا ابالی زندگی نہیں گزار سکتا بلکہ اس کو نیکیوں کے ہاتھ سے چھوٹ جانے کا ہر وقت خدشہ رہے گا“ (الاستیعاب تذکرہ خولہ بنت ثعلبہ)

حضرت عمرؓ کا وعظ عورتوں کا حق مہر کم کرنے کے متعلق اور عورت کا جواب

3- ایک مرتبہ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب کہ آپؓ خطاب ارشاد فرما رہے تھے کہ مہر کی مقدار کم رکھو، آپؓ کے منہ سے یہ بات نکلتی تھی کہ ایک عورت نے آپؓ کی تردید کرتے ہوئے کہا کہ ”آپؓ کو اس طرح کی تبلیغ کا حق نہیں ہے۔ قرآن کریم کہتا ہے کہ ”اگر تم اپنی بیویوں کو مہر میں ایک ڈھیر مال بھی دے دو تو اس سے ایک حبہ بھی تم نہیں لے سکتے“ اس سے معلوم ہوا کہ مہر کی کوئی حد مقرر نہیں ہے۔ اُس کی یہ بات سن کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اعتراف کرتے ہوئے فرمایا ”ایک عورت نے عمرؓ سے بحث کی اور وہ غالب رہی۔“ (فتح الباری ۱۶۱/۹)

سودہ بنت عمارہ کا مکالمہ حضرت معاویہؓ سے

4- سودہ بنت عمارہؓ نے صفین میں حضرت معاویہؓ کے خلاف حضرت علیؓ کا ساتھ دیا تھا۔ جب حضرت علیؓ کی وفات ہو گئی یعنی وہ شہید ہو گئے تو اس کے بعد کا واقعہ ہے کہ یہ حضرت معاویہؓ کے پاس گئیں، پہلے تو ماضی میں جو کچھ ہوا اس پر معافی چاہی پھر کہا ”امیر المومنین! آپؓ لوگوں کے سردار اور ان کے معاملات کے ذمہ دار و نگہبان ہیں اس لیے ان کے جو حقوق اللہ تعالیٰ نے آپؓ پر فرض کیے ہیں ان کے متعلق وہ آپؓ سے ضرور پوچھے گا۔ ہم پر ایسے گورنر متعین ہو کر آئے ہیں جو آپ کے غلبہ و اقتدار کو وسیع کرنے کے ساتھ ہم کو کھیتی کی طرح کاٹ پھینکتے ہیں اور گائیوں کی طرح روند ڈالتے ہیں۔ یہ ہمارے حقوق کو ٹھیک سے ادا نہیں کرتے۔ ہم کو خراب سے خراب تر چیز چکھاتے ہیں اور بڑی سے بڑی اور نفیس سے نفیس شے کا مطالبہ کرتے ہیں۔“

یہ دیکھئے ابن ارطاة حاکم بن کر آیا تو اُس نے ہمارے قبیلہ کے افراد کا خون بہانا شروع کر دیا اور میر مال چھین لیا۔ آپؓ کی اطاعت ہم پر فرض ہے ورنہ ہمارے اندر اتنا کس بل اور بچاؤ کی قوت ہے کہ ہم ہر ظلم کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ اگر آپؓ اس کو معزول کر دیں تو ہم

آپ کے مشکور ہوں گے ورنہ ہم آپ کو بھی دیکھیں گے۔“ حضرت معاویہؓ نے کہا، کیا تم مجھے اپنی قوم کے ذریعہ دھمکی دے رہی ہو؟ تیری بات سن کر میں نے تو یہی ارادہ کیا ہے کہ تجھ کو کانٹوں بھری سواری پر بٹھا کر اس کے پاس لوٹاؤں تاکہ وہ اپنا فیصلہ تجھ پر نافذ کرے۔“ اس کے بعد سودہ خاموش ہو گئیں، پھر کچھ دیر بعد دوشعر پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے:

”اللہ تعالیٰ اُس روح پر رحمت نازل فرمائے جس کو ایک قبر نے اپنی آغوش میں لے لیا ہے اور جس کے ساتھ عدل و انصاف بھی دفن ہو چکا ہے۔ اُس نے حق کے ساتھ معاہدہ کیا تھا کہ اس کے عوض میں وہ دولت دنیا حاصل نہیں کرے گا، اس طرح حق اور ایمان اس میں جمع ہو گئے۔“

معاویہؓ کے سامنے سودہؓ کا علی رضی اللہ عنہ کی تعریف کرنا

حضرت معاویہؓ نے پوچھا: وہ کون؟ جواب ملا، علیؓ بن ابی طالب۔ حضرت معاویہؓ نے فرمایا: تجھ پر اس عدل و انصاف کا کوئی نشان نظر نہیں آتا؟ اس نے جواب دیا میں یہ بلا دلیل نہیں کہہ رہی ہوں۔ میرے پاس ان کے انصاف کا ثبوت موجود ہے ایک دن میں اُن کی خدمت میں ان کے ایک محصل صدقات کی شکایت لے کر پہنچی وہ اس وقت کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔ نماز سے فارغ ہوئے تو محبت بھرے انداز میں پوچھا: کیا تمہاری کوئی ضرورت ہے؟ میں نے آپؓ کے محصل کی زیادتی بیان کی تو آپؓ رونے لگے اور آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا ”اے میرے اللہ! تو جانتا ہے میں نے اپنے گورنروں کو تیری مخلوق پر ظلم و ستم ڈھانے اور تیرے حقوق کو چھوڑ بیٹھنے کا حکم نہیں دیا۔“ اس کے بعد فوراً جیب سے چمڑے کا ایک ٹکڑا نکالا اور اس پر اُس کی معزولی کا حکم لکھ بھیجا۔ اس میں کسی قسم کی تاخیر روانہ رکھی لہذا آپ کی حکومت کو بھی ایسے ہی عدل پرور ہونا چاہیے کہ کسی بھی شخص پر کسی قسم کا ظلم نہ ہونے پائے۔ حضرت معاویہؓ نے حکم دیا کہ اس کے ساتھ عدل و انصاف کیا جائے۔

اُس عورت نے پوچھا کیا انصاف میرے ہی ساتھ مخصوص ہے یا میری قوم بھی اس میں شریک ہے؟ حضرت معاویہؓ نے کہا تمہیں اپنے علاوہ دوسروں سے کیا مطلب؟ اُس نے کہا ”انصاف ہو تو سب کے ساتھ ہو ورنہ یہ بہت ہی مضموم بات ہوگی کہ ایک کے ساتھ انصاف کیا جائے اور دوسروں پر ظلم روا رکھا جائے۔ اگر میرے قبیلہ کے ساتھ عدل نہیں کر سکتے تو مجھے بھی انصاف کی کوئی ضرورت نہیں، میری قوم جس خستہ حالت میں پڑی ہوئی ہے میں بھی

پڑی رہوں گی۔“

حضرت معاویہؓ نے کہا: ابن ابی طالب نے تم کو جبری بنا دیا ہے۔ پھر ماتحتوں کو حکم دیا کہ گورنروں کو لکھ دو کہ اس کے مطالبات پورے کیے جائیں۔ مشکل سے سہی لیکن اُس کی جرأت کو داد دینی چاہیے کہ اُس نے حق کو کس طرح منوالیا۔ (العقد الفرید ۲۱۱/۱۲۱۲)

عکرشہ بنت اطرش معاویہؓ کے دربار میں

5۔ عکرشہ بنت اطرش بھی حضرت معاویہؓ کے دربار میں ان کے گورنروں کی شکایت لے کر پہنچی اور بے باکانہ کہا کہ ”اس سے پہلے ہمارے اغنیاء سے زکوٰۃ لی جاتی تھی اور ہمارے غریبوں میں تقسیم کی جاتی تھی لیکن اب نہ تو شکستہ حال کی شکستگی دور ہوتی ہے اور نہ محتاج کی محتاجی رفع کی جاتی ہے۔ اگر یہ سب کچھ آپؓ کے ایماء اور مشورے سے ہو رہا ہے تو آپؓ جیسے شخص سے توقع یہ کی جاتی ہے کہ تنبیہ ہوتے ہی فوراً چوک اٹھیں گے اور توبہ کریں گے اور اگر اس میں آپؓ کی رائے اور مشورہ کو دخل نہیں ہے بلکہ گورنروں کی اپنی طرف سے ظلم و زیادتی ہے تو یہ بھی آپؓ جیسی شخصیت کی ذمہ داری کے منافی ہے کہ وہ امانت داروں کو چھوڑ کر خاندانوں سے تعاون حاصل کرے اور ظالموں کو خدمات پر مامور کر دے۔“ حضرت معاویہؓ نے اُس کی بات سن کر معذرت کی کہ کبھی کبھی ایسے خراب حالات سے سابقہ پڑتا ہے کہ قانون پر عمل کرنے سے نقصان کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اس نے حضرت معاویہؓ کا یہ جواب سنا تو کہا: سبحان اللہ! آپؓ کیسی بات کر رہے ہیں اس دانائے غیب نے ہم پر کوئی ایسا فرض متعین ہی نہیں کیا ہے جس پر عمل سے دوسروں کو نقصان ہو۔ بالآخر حضرت معاویہؓ نے اس قبیلہ کی زکوٰۃ کو اسی قبیلہ کی بہتری اور بھلائی کے لیے تقسیم کرنے کا حکم صادر کر دیا اور اس کے ساتھ عدل و انصاف کیے جانے کا فرمان جاری کیا۔“ (العقد الفرید ۲۱۶/۱)

خاتون اسلام کی جرأت کہ معاویہؓ کو کیسے جواب دیا

خاتون اسلام کی جرأت کو آپؓ نے دیکھا کہ کس طرح دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت سے بھی بے خوف ہو کر کس طرح حق کا اظہار کر رہی ہے۔ ایسا کیوں ہوتا رہا اور کیسے ہوتا رہا؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ جس دین پر وہ ایمان رکھتی ہے ناممکن ہے کہ وہ باطل کی تاریک شب کو اس پر قبضہ جمانے کی طاقت دے اگر وہ اس کی اجازت دیتی ہے تو اپنے دین و ایمان کی موت کا اعلان کرتی ہے، اس لیے وہ مجبور ہے کہ سوسائٹی میں باطل کے جراثیم کو

﴿عورت کا مقام﴾ اسلام کی نظر بصیرت میں عورت کی شخصیت اور پردہ کے لحاظ سے ﴿175﴾
پنپنے اور دین و ایمان کی غارت گرتو توں کو قدم جمائے کا موقع نہ دے۔

قابل غور ہے کہ کیا ان خواتین اسلام کو چار دیواری میں بند کرنا چاہیے

غور کیجئے کہ اس خاتون اسلام کو چار دیواری کے اندر بند کر دینا چاہیے یا اس کو سوسائٹی میں جرات سے قدم اٹھا کر اس کی اصلاح کے لیے کوشاں رہنا چاہیے۔ فطرت ایسی چیز ہے کہ اس نے ہر ایک چیز کو اس کی طاقت و بساط کے مطابق متحرک رکھا ہے ایک عضو کو جس کو اللہ نے متحرک رکھا ہے اس کو مسلسل باندھ دیں اور کچھ نہ کریں، تو یہ کچھ ہی وقت کے بعد بالکل معطل ہو کر رہ جائے گا اور اس کی وہ فطری حرکت بند ہو جائے گی لہذا خاتون اسلام کو بھی اپنے دائرہ کار کے اندر رہ کر متحرک رہنا چاہیے یہ معطل عضو ہرگز نہیں جن ہرگز یہ خواتین اسلام کا اوپر ذکر کیا گیا ہے جنہوں نے خلفاء اور امراء کے سامنے نہایت جرات و دلیری سے کام لیتے ہوئے باتیں کی ہیں کیا انہوں نے غیر اسلامی تربیت حاصل کی تھی، ہرگز نہیں ہم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اسلام ہی نے تو ان کے منہ میں اس طرح کی زبان رکھی ہے اور اسلام اب خاتون اسلام کے ساتھ کبھی یہ ظلم روا رکھ سکتا ہے کہ اس پر نماز جیسے فریضہ کے لیے بھی مسجد تک جانے کی پابندی عائد کر دی جائے اور پھر اس پابندی کو اسلام کا نام بھی دیا جائے اور وہ سب سے بڑھ کر یہ کہ معاشرہ کے اس عضو اعظم کو اپنے گھر میں بھی مشورہ دینے کا حق نہ دیا جائے اور اس کو انسانوں کی صف سے اٹھا کر جانوروں کی صف میں داخل کر دیا جائے۔

بنو امیہ کے دور خلافت میں سیدہ عائشہ صدیقہ کی تنقید و احتساب

بنو امیہ کے آغاز خلافت کا ذکر ہے کہ حضرت معاویہؓ کے گورنر اپنے خطبوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے حامیوں پر لعن طعن کرتے تھے۔ ان کی اس روش پر کوفہ کے ایک صحابی حجر بن عدی رضی اللہ عنہ بر ملا تنقید فرماتے اور ساتھ ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے اعموان و انصار کی مدح و توصیف کرتے تھے۔ حضرت معاویہؓ کے گورنروں نے ان کی زبان بندی کی ہر چند کوشش کی، لیکن کامیاب نہ ہو سکے، اس کے برعکس حجر بن عدی رضی اللہ عنہ کے ہم خیال اور مویدین میں اضافہ ہونے لگا، یہ دیکھ کر حضرت معاویہؓ نے حجر بن عدی اور ان کے بعض ساتھیوں کی گرفتاری کا حکم صادر کر دیا اس حکم کی تعمیل کی گئی اور ان کو گرفتار کر کے ان کے پاس روانہ کر دیا گیا جب وہ دمشق پہنچے تو ان کے ساتھ گفتگو ہوئی جس کے نتیجہ میں ان کے قتل

﴿عورت کا مقام﴾ اسلام کی نظر بصیرت میں عورت کی شخصیت اور پردہ کے لحاظ سے ﴿176﴾
کرنے کا فیصلہ معرض وجود میں آیا۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو اس کا علم ہوا تو فوراً

عبدالرحمن بن حارث کو معاویہؓ کے پاس بھیجا کہ وہ اس اقدام سے باز آ جائیں، لیکن عبدالرحمن کے وہاں پہنچنے سے پہلے اس حکم پر عمل درآمد ہو چکا تھا اس طرح گویا حجر بن عدی اور ان کے ساتھی قتل کر دیئے گئے تھے۔ عبدالرحمن نے واپس جا کر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو خبر دی تو وہ بے حد خفا ہوئیں اور حضرت معاویہؓ سے نہایت سختی سے باز پرس کی عبدالملک بن نوفل سے روایت ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا یہاں تک کہتی تھیں کہ:

”اگر سفہا کا غلبہ کا اندیشہ نہ ہوتا تو حجر بن عدیؓ کے قتل کے سلسلہ میں میرا اور معاویہ کا معاملہ کچھ اور ہی ہوتا۔“ (البدایہ والنہایہ ۵۵/۸)

بات واضح ہے کہ جس طرح بعض دوسرے اکابر صحابہ کرام مزید فتنہ و فساد کی وجہ کے خدشہ سے بعض غیر شرعی امور انجام پاتے ہوئے دیکھنے کے باوجود خاموش رہے اسی طرح سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بھی اس معاملہ میں بر بنائے مصلحت سکوت اختیار کیا۔ ورنہ وہ کوئی سخت قدم اٹھانا چاہتی تھیں۔

حج کے زمانہ میں حضرت معاویہؓ کی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ملاقات ہوئی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے تہدید آمیز انداز میں حضرت معاویہ سے پوچھا:

”اے معاویہ! تو نے حجر بن عدیؓ اور اس کے ساتھیوں سے جو سلوک کیا وہ کیا۔ کیا تو نہیں ڈرتا کہ میں کسی آدمی کو چھپا کے بٹھاؤں تاکہ وہ تجھے قتل کر دے۔“

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے معذرت کرتے کرتے بڑی مشکلوں سے ان کی اس خفگی کو ختم کیا۔ (البدایہ والنہایہ ۵۵/۸)

خواتین اسلام کی رائے اور مشوروں کا حق اور اس سے استفادہ

مذکورہ تاریخی شہادتیں اس بات کا جیتا جاگتا ثبوت ہیں کہ اسلامی معاشرہ کے سود و زیاں اور نفع و ضرر سے مسلم عورت کبھی تماشائی کی طرح غیر متعلق نہیں رہ سکتی، کیونکہ معاشرہ کے بناؤ اور بگاڑ اور اصلاح و فساد سے اس کا بہت ہی گہرا اور قریبی تعلق ہوتا ہے۔ معاشرہ کا نقصان اس کا اپنا نقصان اور معاشرہ کا فائدہ اس کا اپنا فائدہ ہے۔ وہ معاشرہ کو خیر کی بنیادوں پر قائم رکھنے میں مدد دے سکتی ہے اور وہ مدد دے گی تو لازماً شر کی راہ پر لے جانے کی مخالفت اور مزاحمت بھی کرے گی۔ اس طرح بھلائیوں کا خیر مقدم بھی کرے گی تو برائیوں پر احتجاج

بھی کرے گی۔ یہ اس کا فطری حق ہے جو اس کی اجتماعی زندگی نے اُس کو عطا کیا ہے۔ جہاں تک اس کے ذاتی مسائل کا تعلق ہے مثلاً نکاح، خلع وغیرہ تو ان کے متعلق شریعت نے صاف اور واضح الفاظ میں بتا دیا ہے کہ کوئی بھی شخص اس پر اپنا فیصلہ لاد نہیں سکتا جو بھی اقدام کیا جائے گا۔ اس کی رضا اور خوشی کے بعد کیا جائے گا۔ چنانچہ پیغمبر اسلام ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

”شوہر دیدہ عورت کا نکاح اس کے مشورہ کے بغیر نہ کیا جائے اور کنواری کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر نہ کیا جائے۔“ (صحیح بخاری ۵۱۳۶)

ایک روایت میں ہے کہ: ”یتیم لڑکیوں کا نکاح ان سے رائے اور مشورہ کرنے سے پہلے نہ کرو۔“ (ابن قتیہ، عیون الاخبار ۲۷۱)

اگر بچی کا خیر خواہ باپ موجود نہ ہو تو اس کو ظلم کا نشانہ بننے نہ دینا

”یتیمی“ کا لفظ یہاں بہت ہی قابل توجہ ہے۔ شفیق و مہربان اور بچی کے خیر خواہ باپ کے نہ ہونے کی صورت میں بہت ممکن ہے کہ کوئی ظالم سرپرست بے آسرائی کی کو ظلم و زیادتی کا نشانہ بنا لے اور شریعت نے اس کو اپنے متعلق فیصلہ میں رضامندی کا جو حق دیا ہے، اس سے محروم کر دے اس لیے خصوصی طور پر اس سے رائے اور مشورے کی ہدایت کی گئی ہے تاکہ عورت پر کسی حال میں بھی جبر نہ ہو۔ ان معاملات کا تعلق تو اس کی اپنی شخصیت سے ہے۔ اس سے بھی آگے نبی اعظم ﷺ کی ہدایت ہے امروا النساء فی بناتھن (سنن ابوداؤد ۲۰۹۵) ”عورتوں یعنی بچیوں کی ماؤں سے ان کی لڑکیوں کے معاملہ میں مشورہ کرو۔“

عورتیں جن شعبوں میں کام کر سکتی ہیں ان سے کام لینا چاہیے

یہ روایت بتاتی ہے کہ جن شعبوں سے متعلق عورت تجربات رکھتی ہے اور ان کے نفع و نقصان سے بہتر طور پر واقف ہے ان کے سلسلہ میں اس کے افکار و خیالات خصوصی توجہ اور اہمیت کے حامل ہوتے ہیں جن کو نظر انداز کرنا ہمارے لیے کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا بلکہ ان معاملات میں اس کی رائے اور مشورہ سے فائدہ اٹھانے میں پیش قدمی کرنی چاہیے۔

یہ مشورہ زندگی کے کسی ایک یا چند پہلوؤں کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق ہر نوعیت کے مسائل اور تمام پہلوؤں سے ہے۔ اس کا ثبوت ہمیں تاریخ کے صفحات میں جگہ جگہ ملتا ہے۔

صلح حدیبیہ کے وقت ام سلمہ کا صائب مشورہ جو آپ ﷺ نے قبول فرمایا

حدیبیہ کی مشہور و معروف صلح قریش اور مسلمانوں کے درمیان جن شرائط پر ہوئی تھی، ابتداء میں ان سے مسلمانوں کی اکثریت ناخوش تھی۔ ان میں سے ایک شرط یہ بھی تھی کہ مسلمان اس سال عمرہ کیے بغیر لوٹ جائیں گے۔ اس شرط کی وجہ سے آپ ﷺ نے صحابہ کو حدیبیہ ہی کے مقام پر احرام کھولنے اور قربانی کرنے کا حکم دیا، لیکن صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے جذبات اس وقت اتنے بدلے ہوئے تھے کہ اس حکم کی تعمیل ہوتی نظر نہ آئی۔ آپ نے نہایت افسوس کے ساتھ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے اس کا ذکر کیا تو انہوں نے صحابہ کرام کی نفسیات کی رعایت کرتے ہوئے انتہائی دانش مندانہ مشورہ دیا کہ آپ کسی سے مزید گفتگو نہ فرمائیے بلکہ جو مناسک ادا کرنے ہیں ان کو آگے بڑھ کر ادا کیجئے، پھر دیکھئے کس طرح لوگ اس پر عمل کرتے ہیں۔ چنانچہ بنی کریم ﷺ نے ان کے مشورہ پر عمل کیا تو صحابہ کرام نے بھی آپ کو دیکھ کر فوراً پیروی شروع کر دی۔ (صحیح بخاری ۲۷۳۲)

غور کیجئے کہ کس طرح ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی درست اور صائب رائے نے آن کی آن میں یہ نازک صورت حال ختم کر کے رکھ دی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے کہ وہ بھی عورتوں سے مشورہ کرتے تھے باوجود اس کے کہ آپ کی سختی معروف ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی عورتوں سے مشورہ لیا کرتے تھے

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ پیش آمدہ مسائل میں (اصحاب الرائے لوگوں سے) مشورہ کرتے حتیٰ کہ ان مسائل میں سمجھ بوجھ رکھنے والی کوئی عورت ہوتی تو اُس سے بھی اور بسا اوقات ان کی رائے میں خیر و خوبی کا کوئی پہلو دیکھتے یا کوئی مستحسن چیز پاتے تو اُس کو اختیار فرماتے۔“ (بیہقی ۱۱۰/۱۱۳)

شفاء بنت عبد اللہ کا تذکرہ الاستیعاب میں

شفاء بنت عبد اللہ کے تذکرہ میں علامہ ابن عبد البر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

”شفاء بنت عبد اللہ ہجرت سے قبل اسلام لائیں، وہ مہاجرات میں سے ہیں اور نبی کریم ﷺ کی بیعت ہوئیں۔ ان کا شمار فاضل اور زیرک خواتین میں ہوتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کی رائے کو مقدم رکھتے تھے اور اسے ترجیح دیتے تھے۔“ (الاستیعاب تذکرہ شفاء بنت عبد اللہ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک تقریر

جس زمانہ میں ام المومنین سیدہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلین سے قصاص لینے کی تیاری کر رہی تھیں، اپنی ایک تقریر میں فرماتی ہیں کہ:

”لوگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف ہو رہے تھے اور ان کے عمال پر الزام لگا رہے تھے۔ وہ ہم سے ان کی خبروں کے متعلق مشورہ کرتے تھے تو ہم نے ان تمام حالات میں عثمان رضی اللہ عنہ کو بے گناہ، متقی اور وفادار پایا جب کہ اوہم مچانے والوں کو فاجر، دھوکے باز اور حیلے باز پایا۔“ (تاریخ کامل ۹۰/۲)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حکومت اور اُس کے ذمہ داروں کے اعمال کا دقیق نظر سے مطالعہ کرتی رہتی تھیں کہ کون سے امور حدود عدل و انصاف کے اندر انجام پا رہے ہیں اور کہاں ان حدود سے تجاوز ہو رہا ہے، دوسرا اس عبارت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ عوام کے مسائل و معاملات سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بہت ہی گہرا اور قریبی تعلق تھا اور لوگ اہم سیاسی مسائل تک میں ان کی طرف رجوع کرتے تھے اور وہ ان کو سلجھانے کی حتی المقدور کوشش کرتی تھیں۔

حضرت عثمان کی شہادت کے بعد خلافت کا مشورہ سیدہ صدیقہؓ سے

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد کس کو خلیفہ بنایا جائے؟ اس بنیادی سوال کو لے کر بصرہ کی مشہور و معروف شخصیت اور اپنے قبیلہ کے سردار (احنف) حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھی جاتے ہیں جب تینوں کی رائے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں پاتے ہیں تو مدینہ جا کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں۔“ (طبری ۱۹۷/۵)

خواتین اسلام سے اکثر و بیشتر مسائل میں عملی تعاون

مختلف سیاسی اور غیر سیاسی مسائل میں عورت کی رائے اور فہم سے اسلامی معاشرہ نے جس طرح فائدہ اٹھایا ہے اس طرح اپنی تعمیر و تشکیل کے سلسلے میں بھی اس کی عملی صلاحیتوں سے وہ مدد حاصل کرتا رہا ہے۔ روایات سے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ بعض اوقات ضرورت پر خلافت نے بھی اس سے یہ خدمات حاصل کی ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا خوارج کو ان کے سوال کا جواب دینا

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے خوارج نے دریافت کیا کہ کیا رسول اللہ ﷺ عورتوں کو جہاد پر لے جایا کرتے تھے؟ انہوں نے جواب دیا:

”ہاں آپ ان کو اپنے ساتھ لیجاتے تھے اور وہ زخمیوں اور مریضوں کے علاج معالجہ کا کام انجام دیتی تھیں۔“

مزید فرمایا:

”رسول اللہ ﷺ، ام سلیم اور انصار کی بعض خواتین کو جنگ پر لے جاتے تھے تاکہ وہ پیاسوں کو پانی پلائیں اور زخمیوں کی مرہم پٹی کریں۔“ (صحیح مسلم ۱۸۱۲)

ام ورقہ بنت عبداللہ کو اپنے اہل خانہ کو جماعت کرانے کا حکم

علاوہ ازیں بعض سماجی اور مذہبی کام بھی ان سے لیے جاتے تھے مثلاً ام ورقہ بنت عبداللہ کہتی ہیں کہ:

”رسول اللہ ﷺ ان کے گھر آتے تھے، انہوں نے میرے لیے ایک موزن مقرر فرمایا جو اذان کہتا تھا اور مجھے حکم دیا کہ وہ اپنے گھر والوں کی امامت کروائیں۔“ (مسند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یزورہا فی بیتہا وجعل لہا موزنا یؤذن لہا وامرہا ان تؤمن اہل دارہا۔ (سنن ابوداؤد ۵۹۱)

نماز تراویح یعنی رمضان کی رات کی نماز کی جماعت عورت سے

اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اپنی ایک لونڈی کو حکم دیتے تھے کہ وہ رمضان کی راتوں کی نماز (تراویح) میں ان کے گھر کی عورتوں کی امامت کرے۔ (المحلی ۱۱۸/۳)

اسلامی تاریخ پر نظر ڈالنے سے یہ بات پورے طور پر عیاں ہو جاتی ہے کہ اسلامی معاشرہ نے عورت پر بہت سی مذہبی اور سماجی ذمہ داریاں عائد کیں اور مسلمان خاتون نے اپنی خانگی زندگی کے فرائض کے ساتھ ساتھ اپنی ان ذمہ داریوں کو بھی بطریق احسن پورا کیا۔

دورِ حاضر اور مسلمان خواتین کی ذمہ داری

آج کے دور میں مسلمان خاتون کی ذمہ داریاں مزید کئی گنا بڑھ گئی ہیں۔ اس کا کام صرف گھر کی دیکھ بھال نہیں بلکہ اس کی اصل ذمہ داری نئی نسل کی پرورش و نگہبانی ہے جو انفرادی توجہ اور اچھی تعلیم و تربیت کی مستحق ہے۔ گھر ایک چھوٹی سی ریاست ہے بچوں کی

پرورش اور تربیت، ان میں شعار اسلامی کا احترام پیدا کرنا، اسلامی خطوط پر ان کی اٹھان، جہادِ زندگی میں مردوں کی سچی رفیق ثابت ہونا، ان میں حوصلہ اور ہمت پیدا کیے رکھنا، اس کی ذمہ داریوں کا بوجھ کم کرنا اور گھر میں آمدن و خرچ کے بارے میں صحیح رویہ اختیار کرنا، یہ وہ تمام کام ہیں جو آج کی عورت سرانجام دے سکتی ہے تاکہ گھر میں سکون و چین کی فضا پیدا ہو سکے اور گھرا من و سکون کا گہوارہ بن جائے۔

تعمیر و اصلاح معاشرہ میں عورت کا کردار

مختصر یہ کہ تعمیر و اصلاح معاشرہ کے کام میں باشعور اور دینی تعلیم و تربیت سے بہرہ مند خواتین بہت عمدگی سے اپنا کردار ادا کر سکتی ہیں۔ معاشرے میں نمودار ہونے والے بعض منفی رجحانات تو ایسے ہوتے ہیں جن کی خواتین اول قدم پر ہی اپنی انفرادی کوششوں سے درونِ خانہ بیخ کنی کر سکتی ہیں۔

شوہروں کے لیے روحانی اور جسمانی سکون کی فراہمی

شوہروں کے لیے جسمانی اور روحانی سکون و تسکین اپنے قول و عمل سے اولادوں کو دین داری کا درس اولین، گھروں میں توکل و قناعت اور سکون و آرام کی فضا کی فراہمی سب فرائض سے وہ مکاحقہ نمٹ سکتی ہیں۔ کم آمدنیوں کو اپنے سلیقے اور محنت سے استعمال کر کے عزت اور خودداری سے رہنے کا سامان پیدا کر سکتی ہیں۔ اپنے تعاون، رفاقت اور ہمت افزائی سے مردوں کو دینی اور دنیوی ترقی کے دروازے پر پہنچا سکتی ہیں۔ اپنے ہمسائیوں اور عزیزوں کے سامنے اپنے کردار و اخلاق کا بہترین نمونہ پیش کر کے کتنے ہی گھروں میں اصلاح احوال کی بنیاد رکھ سکتی ہیں۔

دینی اجتماعات میں شرکت اور اولاد کی تعلیم و تربیت

دینی اجتماعات کی بدولت کتنے ہی دلوں میں اپنے اخلاق کی عمدگی، شائستگی، احترام اور حسن خلق سے دینداری کا شوق و ذوق پیدا کر سکتی ہیں۔ ہمسایوں کے حقوق کی پاسداری کرتے ہوئے حسن سلوک سے اپنے آس پاس ایک ہمدرد، مہذب، دیندار اور معاون ماحول پیدا کر سکتی ہیں اور دین کے لیے ایثار کا عملی مظاہرہ کر کے ان مجاہدات میں شامل ہو سکتی ہیں، جن کے لیے نبی اعظم و آخر صلوات اللہ علیہ نے ان کے گھروں ہی کو میدانِ جہاد قرار دیا ہے اور یہ بات سب کو معلوم ہے کہ جہاد صرف تلوار ہی سے نہیں بلکہ اچھے اخلاق اور اچھے کردار

سے بھی کیا جاتا ہے اور آپ کے ارشاد کے مطابق سب سے بہتر اور اچھا جہاد مکملہ حق ہے جو ظالم حکمران کے سامنے بر ملا کہا جائے۔

عصر حاضر میں عورت کا معاشرتی سرگرمیوں میں حصہ لینے کا شرعی حکم

آخر الکلام سمجھ لینا چاہیے کہ مرد کی طرح عورت سے بھی یہ تقاضا ہے کہ وہ معاشرے کی فلاح و بہبود کے لیے کام کرے اللہ رب کریم کا ارشاد ہے کہ **وَفَاعِلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ** (۷۷:۲۲) ”اور نیک کام کرو تاکہ فلاح پاؤ“

یہ خطاب مردوں اور عورتوں سب کو یکساں ایک جیسا ہے اس لیے سب کو اپنی اپنی حیثیت و کیفیت کے مطابق فلاح و کامیابی کے لیے کام کرنا ضروری ہے۔ قرآن کریم نے عورت اور مرد دونوں کو ایک جیسا مخاطب فرمایا ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے کہ:

وَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ مِنْ ذَكَرٍ أَوْ اُنْثٰی وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَكُ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُ نَفْسًا (۱۲۳:۴) ”اور جو کوئی اچھے کام کرے گا خواہ مرد ہو خواہ عورت اور وہ ایمان بھی رکھتا ہو گا تو ایسے ہی لوگ ہیں جو جنت میں داخل ہوں گے اور رائی برابر بھی ان کے ساتھ بے انصافی نہیں ہوگی۔“

مزید ارشاد فرمایا کہ:

وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (۷۱:۹) ”اور جو مرد اور عورتیں مومن ہیں تو وہ سب ایک دوسرے کے کارساز و رفیق ہیں، نیکی کا حکم دیتے ہیں، برائی سے روکتے ہیں۔“

مزید ارشاد فرمایا:

تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی (۲:۵) ”نیکی اور پرہیزگاری کی ہر بات میں ایک دوسرے سے تعاون کرو۔“

واضح رہے کہ معاشرتی سرگرمیوں کا دائرہ بہت وسیع ہے اور عورتوں کو ہر قسم کی معاشرتی زندگی کی سرگرمیوں میں حصہ لینا چاہیے جیسا کہ خود نبی کریم ﷺ کی زندگی میں زندگی کے تمام شعبوں میں عورتیں حصہ لیتی رہیں جس کا پیچھے تفصیل سے ذکر ہو چکا ہے۔ اب بھی ضروری ہے کہ آپ کے زمانہ اقدس کی طرح عورتیں مسجد کی سرگرمیوں میں حصہ لیتی رہیں۔ حالاتِ زمانہ نے لازم کر دیا ہے کہ عورتوں کی مساجد الگ تعمیر کی جائیں، عورتیں عورتوں کو

حرفِ آخر

میرا تعلق جٹ سپر خاندان سے ہے جو خاندان ایک مدت سے دریائے چناب کے اس پار اور اُس پار پر پائش پذیر چلا آ رہا ہے۔ اس پار سے میری مراد ضلع گجرات ہے جو اس وقت دو ضلعوں میں تقسیم ہو چکا ہے گجرات اور منڈی بہاؤ الدین اور اُس پار سے مراد ضلع گوجرانوالہ ہے۔ ضلعی سطح سے نیچے اتر کر اُس پار والوں کو کیلانی اور اس پار والوں کو ٹھٹھوی کے ناموں سے موسوم کیا جاتا ہے۔ کیلانی کی نسبت حضرت کیلانی نوالہ شریف سے اور ٹھٹھوی کی نسبت ٹھٹھہ عالیہ سے منسوب جاتی تھی اور سبھی جاتی ہے۔

سپر خاندان کی روایات میں سے ایک روایت یہ بھی تھی کہ خاندان کی جتنی لڑکیاں ہوتی تھیں ان کو خاندان کے تمام بزرگ اپنی بہنیں اور بیٹیاں سمجھتے تھے۔ جب کبھی دریا کے اس پار یا اُس پار کسی طرح کی کوئی تقریب ہوتی اور خاندان کے لوگ ایک جگہ جمع ہوتے تو عجیب سا نظر آتا تھا۔ خاندان کے بزرگ جب مل بیٹھتے تھے ہر طرح کے شکوے شکایت ختم ہو جاتے۔ بزرگوں کے سامنے عہد و پیمان باندھے جاتے۔ تین تین چار چار روز تک اکٹھے کھانا پینا، بیٹھنا اٹھنا اور ایک دوسرے کے ساتھ نہایت شستہ اور پاکیزہ مذاق اور مزاح ہوتا خاندان کی عورتیں طرح طرح کے کھانے پکاتیں اور خاندان کے مردوں، بزرگوں کے سامنے پیش کر کے دائرِ تحسین حاصل کرتیں۔ اس طرح کے اجتماع ہر سال دو، تین ضرور منعقد ہوتے اور دور و نزدیک کے عزیز و اقارب میں کسی طرح کی دوری کا کوئی تصور باقی نہ رہتا۔ ان کو دیکھ کر یہ معلوم کرنا کہ کون کس کا باپ ہے یا چچا تایا اور ماموں ہے مشکل ہو جاتا۔

پاکستان کے معرض وجود میں آنے سے پہلے کے بہت سے اجتماع اس وقت بھی میری نظروں کے سامنے گھومتے ہیں تو میں محفوظ ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ کیلانی برادری کے جو بزرگ میں نے دیکھے ان میں سے جناب عبدالقادر صاحب، عبدالرحیم صاحب، غلام مصطفیٰ صاحب، نور الہی صاحب، حافظ عبدالحی صاحب، محمد سلیمان صاحب، محمد ادریس

جماعت کرائیں اور مساجد میں مجلسیں قائم کریں عورتوں کے ثقافتی ادارے الگ ہوں یا کم از کم مردوں کے ساتھ بالکل ملحق وہ جگہ بنائی جائیں جہاں عورتیں الگ حیثیت سے اپنی تقریبات دینی قائم کر سکیں اور مردوں کے وعظ و درس سے بھی مستفید ہو سکیں۔ جب کہ تمام مسلمان ایک جسم کی مانند ہیں جیسا کہ آپ نے بار بار ارشاد فرمایا ہے تو ان تمام مسلمانوں میں جس طرح مرد شامل ہیں عورتیں بھی شامل ہیں معلوم نہیں کہ اب ایسا کیوں نہیں سمجھا جاتا جب کہ حکم سب کے لیے عام ہے چنانچہ روایات میں ہے کہ:

نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم دیکھو گے کہ مومن آپس کی رحم دلی، محبت اور شفقت کے اعتبار سے ایک جسم کی مانند ہیں کہ اگر کسی ایک عضو کو تکلیف ہو تو سارا جسم بیداری اور بخار کے ساتھ بے قرار ہو جاتا ہے۔ (بخاری ۶۰۱۱)

ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ مومن مومن کے لیے ایک دیوار کی مانند ہے جس کا بعض حصہ بعض کے لیے مضبوطی کا باعث ہوتا ہے۔ یہ بات آپ نے اپنی انگلیوں کو ایک دوسری میں داخل کر کے بیان فرمائی۔ (بخاری ۴۲۴۳، ۴۲۴۶)

جریر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں آپ سے اسلام پر بیعت کرنا چاہتا ہوں، تو آپ نے ہر مسلمان کے لیے ہمدردی و خیر خواہی کی شرط عائد فرمائی۔ میں نے اس شرط کو قبول کیا اور آپ سے بیعت کر لی۔ (بخاری ۵۷۷۷، ۵۷۷۸، ۵۷۷۹، ۵۷۸۰، ۵۷۸۱، ۵۷۸۲، ۵۷۸۳، ۵۷۸۴، ۵۷۸۵، ۵۷۸۶، ۵۷۸۷، ۵۷۸۸، ۵۷۸۹، ۵۷۹۰، ۵۷۹۱، ۵۷۹۲، ۵۷۹۳، ۵۷۹۴، ۵۷۹۵، ۵۷۹۶، ۵۷۹۷، ۵۷۹۸، ۵۷۹۹، ۵۸۰۰، ۵۸۰۱، ۵۸۰۲، ۵۸۰۳، ۵۸۰۴، ۵۸۰۵، ۵۸۰۶، ۵۸۰۷، ۵۸۰۸، ۵۸۰۹، ۵۸۱۰، ۵۸۱۱، ۵۸۱۲، ۵۸۱۳، ۵۸۱۴، ۵۸۱۵، ۵۸۱۶، ۵۸۱۷، ۵۸۱۸، ۵۸۱۹، ۵۸۲۰، ۵۸۲۱، ۵۸۲۲، ۵۸۲۳، ۵۸۲۴، ۵۸۲۵، ۵۸۲۶، ۵۸۲۷، ۵۸۲۸، ۵۸۲۹، ۵۸۳۰، ۵۸۳۱، ۵۸۳۲، ۵۸۳۳، ۵۸۳۴، ۵۸۳۵، ۵۸۳۶، ۵۸۳۷، ۵۸۳۸، ۵۸۳۹، ۵۸۴۰، ۵۸۴۱، ۵۸۴۲، ۵۸۴۳، ۵۸۴۴، ۵۸۴۵، ۵۸۴۶، ۵۸۴۷، ۵۸۴۸، ۵۸۴۹، ۵۸۵۰، ۵۸۵۱، ۵۸۵۲، ۵۸۵۳، ۵۸۵۴، ۵۸۵۵، ۵۸۵۶، ۵۸۵۷، ۵۸۵۸، ۵۸۵۹، ۵۸۶۰، ۵۸۶۱، ۵۸۶۲، ۵۸۶۳، ۵۸۶۴، ۵۸۶۵، ۵۸۶۶، ۵۸۶۷، ۵۸۶۸، ۵۸۶۹، ۵۸۷۰، ۵۸۷۱، ۵۸۷۲، ۵۸۷۳، ۵۸۷۴، ۵۸۷۵، ۵۸۷۶، ۵۸۷۷، ۵۸۷۸، ۵۸۷۹، ۵۸۸۰، ۵۸۸۱، ۵۸۸۲، ۵۸۸۳، ۵۸۸۴، ۵۸۸۵، ۵۸۸۶، ۵۸۸۷، ۵۸۸۸، ۵۸۸۹، ۵۸۹۰، ۵۸۹۱، ۵۸۹۲، ۵۸۹۳، ۵۸۹۴، ۵۸۹۵، ۵۸۹۶، ۵۸۹۷، ۵۸۹۸، ۵۸۹۹، ۵۹۰۰، ۵۹۰۱، ۵۹۰۲، ۵۹۰۳، ۵۹۰۴، ۵۹۰۵، ۵۹۰۶، ۵۹۰۷، ۵۹۰۸، ۵۹۰۹، ۵۹۱۰، ۵۹۱۱، ۵۹۱۲، ۵۹۱۳، ۵۹۱۴، ۵۹۱۵، ۵۹۱۶، ۵۹۱۷، ۵۹۱۸، ۵۹۱۹، ۵۹۲۰، ۵۹۲۱، ۵۹۲۲، ۵۹۲۳، ۵۹۲۴، ۵۹۲۵، ۵۹۲۶، ۵۹۲۷، ۵۹۲۸، ۵۹۲۹، ۵۹۳۰، ۵۹۳۱، ۵۹۳۲، ۵۹۳۳، ۵۹۳۴، ۵۹۳۵، ۵۹۳۶، ۵۹۳۷، ۵۹۳۸، ۵۹۳۹، ۵۹۴۰، ۵۹۴۱، ۵۹۴۲، ۵۹۴۳، ۵۹۴۴، ۵۹۴۵، ۵۹۴۶، ۵۹۴۷، ۵۹۴۸، ۵۹۴۹، ۵۹۵۰، ۵۹۵۱، ۵۹۵۲، ۵۹۵۳، ۵۹۵۴، ۵۹۵۵، ۵۹۵۶، ۵۹۵۷، ۵۹۵۸، ۵۹۵۹، ۵۹۶۰، ۵۹۶۱، ۵۹۶۲، ۵۹۶۳، ۵۹۶۴، ۵۹۶۵، ۵۹۶۶، ۵۹۶۷، ۵۹۶۸، ۵۹۶۹، ۵۹۷۰، ۵۹۷۱، ۵۹۷۲، ۵۹۷۳، ۵۹۷۴، ۵۹۷۵، ۵۹۷۶، ۵۹۷۷، ۵۹۷۸، ۵۹۷۹، ۵۹۸۰، ۵۹۸۱، ۵۹۸۲، ۵۹۸۳، ۵۹۸۴، ۵۹۸۵، ۵۹۸۶، ۵۹۸۷، ۵۹۸۸، ۵۹۸۹، ۵۹۹۰، ۵۹۹۱، ۵۹۹۲، ۵۹۹۳، ۵۹۹۴، ۵۹۹۵، ۵۹۹۶، ۵۹۹۷، ۵۹۹۸، ۵۹۹۹، ۶۰۰۰، ۶۰۰۱، ۶۰۰۲، ۶۰۰۳، ۶۰۰۴، ۶۰۰۵، ۶۰۰۶، ۶۰۰۷، ۶۰۰۸، ۶۰۰۹، ۶۰۱۰، ۶۰۱۱، ۶۰۱۲، ۶۰۱۳، ۶۰۱۴، ۶۰۱۵، ۶۰۱۶، ۶۰۱۷، ۶۰۱۸، ۶۰۱۹، ۶۰۲۰، ۶۰۲۱، ۶۰۲۲، ۶۰۲۳، ۶۰۲۴، ۶۰۲۵، ۶۰۲۶، ۶۰۲۷، ۶۰۲۸، ۶۰۲۹، ۶۰۳۰، ۶۰۳۱، ۶۰۳۲، ۶۰۳۳، ۶۰۳۴، ۶۰۳۵، ۶۰۳۶، ۶۰۳۷، ۶۰۳۸، ۶۰۳۹، ۶۰۴۰، ۶۰۴۱، ۶۰۴۲، ۶۰۴۳، ۶۰۴۴، ۶۰۴۵، ۶۰۴۶، ۶۰۴۷، ۶۰۴۸، ۶۰۴۹، ۶۰۵۰، ۶۰۵۱، ۶۰۵۲، ۶۰۵۳، ۶۰۵۴، ۶۰۵۵، ۶۰۵۶، ۶۰۵۷، ۶۰۵۸، ۶۰۵۹، ۶۰۶۰، ۶۰۶۱، ۶۰۶۲، ۶۰۶۳، ۶۰۶۴، ۶۰۶۵، ۶۰۶۶، ۶۰۶۷، ۶۰۶۸، ۶۰۶۹، ۶۰۷۰، ۶۰۷۱، ۶۰۷۲، ۶۰۷۳، ۶۰۷۴، ۶۰۷۵، ۶۰۷۶، ۶۰۷۷، ۶۰۷۸، ۶۰۷۹، ۶۰۸۰، ۶۰۸۱، ۶۰۸۲، ۶۰۸۳، ۶۰۸۴، ۶۰۸۵، ۶۰۸۶، ۶۰۸۷، ۶۰۸۸، ۶۰۸۹، ۶۰۹۰، ۶۰۹۱، ۶۰۹۲، ۶۰۹۳، ۶۰۹۴، ۶۰۹۵، ۶۰۹۶، ۶۰۹۷، ۶۰۹۸، ۶۰۹۹، ۶۱۰۰، ۶۱۰۱، ۶۱۰۲، ۶۱۰۳، ۶۱۰۴، ۶۱۰۵، ۶۱۰۶، ۶۱۰۷، ۶۱۰۸، ۶۱۰۹، ۶۱۱۰، ۶۱۱۱، ۶۱۱۲، ۶۱۱۳، ۶۱۱۴، ۶۱۱۵، ۶۱۱۶، ۶۱۱۷، ۶۱۱۸، ۶۱۱۹، ۶۱۲۰، ۶۱۲۱، ۶۱۲۲، ۶۱۲۳، ۶۱۲۴، ۶۱۲۵، ۶۱۲۶، ۶۱۲۷، ۶۱۲۸، ۶۱۲۹، ۶۱۳۰، ۶۱۳۱، ۶۱۳۲، ۶۱۳۳، ۶۱۳۴، ۶۱۳۵، ۶۱۳۶، ۶۱۳۷، ۶۱۳۸، ۶۱۳۹، ۶۱۴۰، ۶۱۴۱، ۶۱۴۲، ۶۱۴۳، ۶۱۴۴، ۶۱۴۵، ۶۱۴۶، ۶۱۴۷، ۶۱۴۸، ۶۱۴۹، ۶۱۵۰، ۶۱۵۱، ۶۱۵۲، ۶۱۵۳، ۶۱۵۴، ۶۱۵۵، ۶۱۵۶، ۶۱۵۷، ۶۱۵۸، ۶۱۵۹، ۶۱۶۰، ۶۱۶۱، ۶۱۶۲، ۶۱۶۳، ۶۱۶۴، ۶۱۶۵، ۶۱۶۶، ۶۱۶۷، ۶۱۶۸، ۶۱۶۹، ۶۱۷۰، ۶۱۷۱، ۶۱۷۲، ۶۱۷۳، ۶۱۷۴، ۶۱۷۵، ۶۱۷۶، ۶۱۷۷، ۶۱۷۸، ۶۱۷۹، ۶۱۸۰، ۶۱۸۱، ۶۱۸۲، ۶۱۸۳، ۶۱۸۴، ۶۱۸۵، ۶۱۸۶، ۶۱۸۷، ۶۱۸۸، ۶۱۸۹، ۶۱۹۰، ۶۱۹۱، ۶۱۹۲، ۶۱۹۳، ۶۱۹۴، ۶۱۹۵، ۶۱۹۶، ۶۱۹۷، ۶۱۹۸، ۶۱۹۹، ۶۲۰۰، ۶۲۰۱، ۶۲۰۲، ۶۲۰۳، ۶۲۰۴، ۶۲۰۵، ۶۲۰۶، ۶۲۰۷، ۶۲۰۸، ۶۲۰۹، ۶۲۱۰، ۶۲۱۱، ۶۲۱۲، ۶۲۱۳، ۶۲۱۴، ۶۲۱۵، ۶۲۱۶، ۶۲۱۷، ۶۲۱۸، ۶۲۱۹، ۶۲۲۰، ۶۲۲۱، ۶۲۲۲، ۶۲۲۳، ۶۲۲۴، ۶۲۲۵، ۶۲۲۶، ۶۲۲۷، ۶۲۲۸، ۶۲۲۹، ۶۲۳۰، ۶۲۳۱، ۶۲۳۲، ۶۲۳۳، ۶۲۳۴، ۶۲۳۵، ۶۲۳۶، ۶۲۳۷، ۶۲۳۸، ۶۲۳۹، ۶۲۴۰، ۶۲۴۱، ۶۲۴۲، ۶۲۴۳، ۶۲۴۴، ۶۲۴۵، ۶۲۴۶، ۶۲۴۷، ۶۲۴۸، ۶۲۴۹، ۶۲۵۰، ۶۲۵۱، ۶۲۵۲، ۶۲۵۳، ۶۲۵۴، ۶۲۵۵، ۶۲۵۶، ۶۲۵۷، ۶۲۵۸، ۶۲۵۹، ۶۲۶۰، ۶۲۶۱، ۶۲۶۲، ۶۲۶۳، ۶۲۶۴، ۶۲۶۵، ۶۲۶۶، ۶۲۶۷، ۶۲۶۸، ۶۲۶۹، ۶۲۷۰، ۶۲۷۱، ۶۲۷۲، ۶۲۷۳، ۶۲۷۴، ۶۲۷۵، ۶۲۷۶، ۶۲۷۷، ۶۲۷۸، ۶۲۷۹، ۶۲۸۰، ۶۲۸۱، ۶۲۸۲، ۶۲۸۳، ۶۲۸۴، ۶۲۸۵، ۶۲۸۶، ۶۲۸۷، ۶۲۸۸، ۶۲۸۹، ۶۲۹۰، ۶۲۹۱، ۶۲۹۲، ۶۲۹۳، ۶۲۹۴، ۶۲۹۵، ۶۲۹۶، ۶۲۹۷، ۶۲۹۸، ۶۲۹۹، ۶۳۰۰، ۶۳۰۱، ۶۳۰۲، ۶۳۰۳، ۶۳۰۴، ۶۳۰۵، ۶۳۰۶، ۶۳۰۷، ۶۳۰۸، ۶۳۰۹، ۶۳۱۰، ۶۳۱۱، ۶۳۱۲، ۶۳۱۳، ۶۳۱۴، ۶۳۱۵، ۶۳۱۶، ۶۳۱۷، ۶۳۱۸، ۶۳۱۹، ۶۳۲۰، ۶۳۲۱، ۶۳۲۲، ۶۳۲۳، ۶۳۲۴، ۶۳۲۵، ۶۳۲۶، ۶۳۲۷، ۶۳۲۸، ۶۳۲۹، ۶۳۳۰، ۶۳۳۱، ۶۳۳۲، ۶۳۳۳، ۶۳۳۴، ۶۳۳۵، ۶۳۳۶، ۶۳۳۷، ۶۳۳۸، ۶۳۳۹، ۶۳۴۰، ۶۳۴۱، ۶۳۴۲، ۶۳۴۳، ۶۳۴۴، ۶۳۴۵، ۶۳۴۶، ۶۳۴۷، ۶۳۴۸، ۶۳۴۹، ۶۳۵۰، ۶۳۵۱، ۶۳۵۲، ۶۳۵۳، ۶۳۵۴، ۶۳۵۵، ۶۳۵۶، ۶۳۵۷، ۶۳۵۸، ۶۳۵۹، ۶۳۶۰، ۶۳۶۱، ۶۳۶۲، ۶۳۶۳، ۶۳۶۴، ۶۳۶۵، ۶۳۶۶، ۶۳۶۷، ۶۳۶۸، ۶۳۶۹، ۶۳۷۰، ۶۳۷۱، ۶۳۷۲، ۶۳۷۳، ۶۳۷۴، ۶۳۷۵، ۶۳۷۶، ۶۳۷۷، ۶۳۷۸، ۶۳۷۹، ۶۳۸۰، ۶۳۸۱، ۶۳۸۲، ۶۳۸۳، ۶۳۸۴، ۶۳۸۵، ۶۳۸۶، ۶۳۸۷، ۶۳۸۸، ۶۳۸۹، ۶۳۹۰، ۶۳۹۱، ۶۳۹۲، ۶۳۹۳، ۶۳۹۴، ۶۳۹۵، ۶۳۹۶، ۶۳۹۷، ۶۳۹۸، ۶۳۹۹، ۶۴۰۰، ۶۴۰۱، ۶۴۰۲، ۶۴۰۳، ۶۴۰۴، ۶۴۰۵، ۶۴۰۶، ۶۴۰۷، ۶۴۰۸، ۶۴۰۹، ۶۴۱۰، ۶۴۱۱، ۶۴۱۲، ۶۴۱۳، ۶۴۱۴، ۶۴۱۵، ۶۴۱۶، ۶۴۱۷، ۶۴۱۸، ۶۴۱۹، ۶۴۲۰، ۶۴۲۱، ۶۴۲۲، ۶۴۲۳، ۶۴۲۴، ۶۴۲۵، ۶۴۲۶، ۶۴۲۷، ۶۴۲۸، ۶۴۲۹، ۶۴۳۰، ۶۴۳۱، ۶۴۳۲، ۶۴۳۳، ۶۴۳۴، ۶۴۳۵، ۶۴۳۶، ۶۴۳۷، ۶۴۳۸، ۶۴۳۹، ۶۴۴۰، ۶۴۴۱، ۶۴۴۲، ۶۴۴۳، ۶۴۴۴، ۶۴۴۵، ۶۴۴۶، ۶۴۴۷، ۶۴۴۸، ۶۴۴۹، ۶۴۵۰، ۶۴۵۱، ۶۴۵۲، ۶۴۵۳، ۶۴۵۴، ۶۴۵۵، ۶۴۵۶، ۶۴۵۷، ۶۴۵۸، ۶۴۵۹، ۶۴۶۰، ۶۴۶۱، ۶۴۶۲، ۶۴۶۳، ۶۴۶۴، ۶۴۶۵، ۶۴۶۶، ۶۴۶۷، ۶۴۶۸، ۶۴۶۹، ۶۴۷۰، ۶۴۷۱، ۶۴۷۲، ۶۴۷۳، ۶۴۷۴، ۶۴۷۵، ۶۴۷۶، ۶۴۷۷، ۶۴۷۸، ۶۴۷۹، ۶۴۸۰، ۶۴۸۱، ۶۴۸۲، ۶۴۸۳، ۶۴۸۴، ۶۴۸۵، ۶۴۸۶، ۶۴۸۷، ۶۴۸۸، ۶۴۸۹، ۶۴۹۰، ۶۴۹۱، ۶۴۹۲، ۶۴۹۳، ۶۴۹۴، ۶۴۹۵، ۶۴۹۶، ۶۴۹۷، ۶۴۹۸، ۶۴۹۹، ۶۵۰۰، ۶۵۰۱، ۶۵۰۲، ۶۵۰۳، ۶۵۰۴، ۶۵۰۵، ۶۵۰۶، ۶۵۰۷، ۶۵۰۸، ۶۵۰۹، ۶۵۱۰، ۶۵۱۱، ۶۵۱۲، ۶۵۱۳، ۶۵۱۴، ۶۵۱۵، ۶۵۱۶، ۶۵۱۷، ۶۵۱۸، ۶۵۱۹، ۶۵۲۰، ۶۵۲۱، ۶۵۲۲، ۶۵۲۳، ۶۵۲۴، ۶۵۲۵، ۶۵۲۶، ۶۵۲۷، ۶۵۲۸، ۶۵۲۹، ۶۵۳۰، ۶۵۳۱، ۶۵۳۲، ۶۵۳۳، ۶۵۳۴، ۶۵۳۵، ۶۵۳۶، ۶۵۳۷، ۶۵۳۸، ۶۵۳۹، ۶۵۴۰، ۶۵۴۱، ۶۵۴۲، ۶۵۴۳، ۶۵۴۴، ۶۵۴۵، ۶۵۴۶، ۶۵۴۷، ۶۵۴۸، ۶۵۴۹، ۶۵۵۰، ۶۵۵۱، ۶۵۵۲، ۶۵۵۳، ۶۵۵۴، ۶۵۵۵، ۶۵۵۶، ۶۵۵۷، ۶۵۵۸، ۶۵۵۹، ۶۵۶۰، ۶۵۶۱، ۶۵۶۲، ۶۵۶۳، ۶۵۶۴، ۶۵۶۵، ۶۵۶۶، ۶۵۶۷، ۶۵۶۸، ۶۵۶۹، ۶۵۷۰، ۶۵۷۱، ۶۵۷۲، ۶۵۷۳، ۶۵۷۴، ۶۵۷۵، ۶۵۷۶، ۶۵۷۷، ۶۵۷۸، ۶۵۷۹، ۶۵۸۰، ۶۵۸۱، ۶۵۸۲، ۶۵۸۳، ۶۵۸۴، ۶۵۸۵، ۶۵۸۶، ۶۵۸۷، ۶۵۸۸، ۶۵۸۹، ۶۵۹۰، ۶۵۹۱، ۶۵۹۲، ۶۵۹۳، ۶۵۹۴، ۶۵۹۵، ۶۵۹۶، ۶۵۹۷، ۶۵۹۸، ۶۵۹۹، ۶۶۰۰، ۶۶۰۱، ۶۶۰۲، ۶۶۰۳، ۶۶۰۴، ۶۶۰۵، ۶۶۰۶، ۶۶۰۷، ۶۶۰۸، ۶۶۰۹، ۶۶۱۰، ۶۶۱۱، ۶۶۱۲، ۶۶۱۳، ۶۶۱۴، ۶۶۱۵، ۶۶۱۶، ۶۶۱۷، ۶۶۱۸، ۶۶۱۹، ۶۶۲۰، ۶۶۲۱، ۶۶۲۲، ۶۶۲۳، ۶۶۲۴، ۶۶۲۵، ۶۶۲۶، ۶۶۲۷، ۶۶۲۸، ۶۶۲۹، ۶۶۳۰، ۶۶۳۱، ۶۶۳۲، ۶۶۳۳، ۶۶۳۴، ۶۶۳۵، ۶۶۳۶، ۶۶۳۷، ۶۶۳۸، ۶۶۳۹، ۶۶۴۰، ۶۶۴۱، ۶۶۴۲، ۶۶۴۳، ۶۶۴۴، ۶۶۴۵، ۶۶۴۶، ۶۶۴۷، ۶۶۴۸، ۶۶۴۹، ۶۶۵۰، ۶۶۵۱، ۶۶۵۲، ۶۶۵۳، ۶۶۵۴، ۶۶۵۵، ۶۶۵۶، ۶۶۵۷، ۶۶۵۸، ۶۶۵۹، ۶۶۶۰، ۶۶۶۱، ۶۶۶۲، ۶۶۶۳، ۶۶۶۴، ۶۶۶۵، ۶۶۶۶، ۶۶۶۷، ۶۶۶۸، ۶۶۶۹، ۶۶۷۰، ۶۶۷۱، ۶۶۷۲، ۶۶۷۳، ۶۶۷۴، ۶۶۷۵، ۶۶۷۶، ۶۶۷۷، ۶۶۷۸، ۶۶۷۹، ۶۶۸۰، ۶۶۸۱، ۶۶۸۲، ۶۶۸۳، ۶۶۸۴، ۶۶۸۵، ۶۶۸۶، ۶۶۸۷، ۶۶۸۸، ۶۶۸۹، ۶۶۹۰، ۶۶۹۱، ۶۶۹۲، ۶۶۹۳، ۶۶۹۴، ۶۶۹۵، ۶۶۹۶، ۶۶۹۷، ۶۶۹۸، ۶۶۹۹، ۶۷۰۰، ۶۷۰۱، ۶۷۰۲، ۶۷۰۳، ۶۷۰۴، ۶۷۰۵، ۶۷۰۶، ۶۷۰۷، ۶۷۰۸، ۶۷۰۹، ۶۷۱۰، ۶۷۱۱، ۶۷۱۲، ۶۷۱۳، ۶۷۱۴، ۶۷۱۵، ۶۷۱۶، ۶۷۱۷، ۶۷۱۸، ۶۷۱۹، ۶۷۲۰، ۶۷۲۱، ۶۷۲۲، ۶۷۲۳، ۶۷۲۴، ۶۷۲۵، ۶۷۲۶، ۶۷۲۷، ۶۷۲۸، ۶۷۲۹، ۶۷۳۰، ۶۷۳۱، ۶۷۳۲، ۶۷۳۳، ۶۷۳۴، ۶۷۳۵، ۶۷۳۶، ۶۷۳۷، ۶۷۳۸، ۶۷۳۹، ۶۷۴۰، ۶۷۴۱، ۶۷۴۲، ۶۷۴۳، ۶۷۴۴، ۶۷۴۵، ۶۷۴۶، ۶۷۴۷، ۶۷۴۸، ۶۷۴۹، ۶۷۵۰، ۶۷۵۱، ۶۷۵۲، ۶۷۵۳، ۶۷۵۴، ۶۷۵۵، ۶۷۵۶، ۶۷۵۷، ۶۷۵۸، ۶۷۵۹، ۶۷۶۰، ۶۷۶۱، ۶۷۶۲، ۶۷۶۳، ۶۷۶۴، ۶۷۶۵، ۶۷۶۶، ۶۷۶۷، ۶۷۶۸، ۶۷۶۹، ۶۷۷۰، ۶۷۷۱، ۶۷۷۲، ۶۷۷۳، ۶۷۷۴، ۶۷۷۵، ۶۷۷۶، ۶۷۷۷، ۶۷۷۸، ۶۷۷۹، ۶۷۸۰، ۶۷۸۱، ۶۷۸۲، ۶۷۸۳، ۶۷۸۴، ۶۷۸۵، ۶۷۸۶، ۶۷۸۷، ۶۷۸۸، ۶۷۸۹، ۶۷۹۰، ۶۷۹۱، ۶۷۹۲، ۶۷۹۳، ۶۷۹۴، ۶۷۹۵، ۶۷۹۶، ۶۷۹۷، ۶۷۹۸، ۶۷۹۹، ۶۸۰۰، ۶۸۰۱، ۶۸۰۲، ۶۸۰۳، ۶۸۰۴، ۶۸۰۵، ۶۸۰۶، ۶۸۰۷، ۶۸۰۸، ۶۸۰۹، ۶۸۱۰، ۶۸۱۱، ۶۸۱۲، ۶۸۱۳، ۶۸۱۴، ۶۸۱۵، ۶۸۱۶، ۶۸۱۷، ۶۸۱۸، ۶۸۱۹، ۶۸۲۰، ۶۸۲۱، ۶۸۲۲، ۶۸۲۳، ۶۸۲۴، ۶۸۲۵، ۶۸۲۶، ۶۸۲۷، ۶۸۲۸، ۶۸۲۹، ۶۸۳۰، ۶۸۳۱، ۶۸۳۲، ۶۸۳۳، ۶۸۳۴، ۶۸۳۵، ۶۸۳۶، ۶۸۳۷، ۶۸۳۸، ۶۸۳۹، ۶۸۴۰، ۶۸۴۱، ۶۸۴۲، ۶۸۴۳، ۶۸۴۴، ۶۸۴۵، ۶۸۴۶، ۶۸۴۷، ۶۸۴۸، ۶۸۴۹، ۶۸۵۰، ۶۸۵۱، ۶۸۵۲، ۶۸۵۳، ۶۸۵۴، ۶۸۵۵، ۶۸۵۶، ۶۸۵۷، ۶۸۵۸، ۶۸۵۹، ۶۸۶۰، ۶۸۶۱، ۶۸۶۲، ۶۸۶۳، ۶۸۶۴، ۶۸۶۵، ۶۸۶۶،

صاحب، محمد یوسف صاحب، محمد یونس صاحب جنوبی، محمد شریف صاحب اور محمد یوسف صاحب شمالی، عبدالقادر صاحب، عطا اللہ سلہو کی وغیرہ ہوتے تھے اور پاکستان بننے کے بعد کے اجتماعات میں عبدالرحمن کیلانی صاحب کا عمل دخل زیادہ ہوتا تھا۔

دریا کے اس پار سے احمد الدین صاحب، محمد الدین صاحب، فضل کریم صاحب، سید عالم صاحب، مصطفیٰ صاحب، مرتضیٰ صاحب، فضل الدین صاحب، فضل حق صاحب، سلطان احمد صاحب، عبدالعزیز صاحب، محمد شریف صاحب، عطا محمد صاحب، غلام قادر صاحب، منظور حسین صاحب، اور مولوی عبدالعزیز صاحب شہر رسولنگر والوں کے نام آتے تھے۔

دریا کے آ رہا کے دونوں خاندانوں میں جہاں بھی اور جب بھی کسی جگہ اکٹھے ہوتے تو ایک دفعہ پورے خاندان کے گلوں شکووں کی تطہیر ہو جاتی اور بزرگوں کے سامنے کسی کی مجال نہ تھی کہ وہ سر اٹھا سکے اور خصوصاً پورے خاندان کی عورتوں کا اپنے خاندان کے بزرگوں کے ساتھ ایسا تعارف ہوتا کہ کسی کو اپنے والدین کی وفات کا غم یاد نہ رہتا کیونکہ ان کے سروں پر ایک کی بجائے بہت سے ہاتھ شامل ہو جاتے۔ سب کے سب اپنی نظریں نیچی رکھتے ہوئے ایک دوسرے سے پیار و محبت کی باتیں کرتے اور ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں دامے، درمے، سخنے شریک ہوتے اور اسی طرح شرعی محرموں کے ساتھ رہ کر نامحرم بھی اخلاقی محرم ہو جاتے جیسے قرآن کریم نے حقیق محرموں کے ساتھ دوستوں اور دوسرے اعتماد کنندگان کو بھی ساتھ رکھ کر بیان کیا ہے۔ اس کی تصویر کشی نظر آتی۔

خاندان کے بڑے بزرگ اپنی عمریں پوری کر کے رخصت ہونے لگے اور جو باقی رہ گئے وہ اتنے معمر ہو گئے کہ کہیں آنے جانے کے نہ رہے تاہم یہ مذکور سلسلہ کسی نہ کسی شکل و صورت میں 1975ء، 1976ء تک قائم رہا اور ان آخری سالوں میں اس طرح کے اجتماعات کے روح رواں محترم ماموں جان عبدالرحمن کیلانی تھے جن کے ساتھ مظفر حسین، خورشید احمد اور عاجز بندہ عبدالکریم اثری ممد و معاون ہوتے۔ جب کہ ہمارا تعلق دریا کے اس پار سے تھا۔

خاندان کے بزرگوں کے اٹھ جانے کے بعد وہ دور آیا کہ ان سب کی اولادیں جوان ہو گئیں اور مزاج میں شہری اور دیہاتی زندگی کے اثرات رونما ہونے لگے کیلانی برادری کا

الحاق ملک عزیز کی بعض بزرگ اہل حدیث شخصیتوں سے شروع ہو گیا جن کی گذشتہ روایات میں ضد اور ہٹ دھرمی کا عنصر بہت زیادہ پایا جاتا تھا لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنے آپ کو اسلامی روایات کا اصل وارث سمجھتے تھے اور آج تک سمجھ رہے ہیں۔ اندریں وجہ کیلانی خاندان کا ایک حصہ تقریباً اس خاندان میں ضم ہو گیا اور حالات زندگی ویسے ہی اس طرح بدل گئے اب زمانہ اس طرح نفسا نفسی کا شروع ہو گیا کہ اپنے قریبی بھی اپنے نہ رہے اور دور والوں کا ذکر ہی گویا فضول ہو گیا۔ اگر یہ بات زمانہ کے حالات کے ساتھ ہی ملتی رہتی تو اور بات تھی لیکن افسوس کہ اس نے آگے بڑھ کر اب دین اسلام کا لباس پہن لیا اور ”انگو موت“ جیسی روایات نے تفہیم نہ ہونے کے باعث بھائی کو بھائی سے اس طرح اجنبی کر دیا کہ وہ اپنا بھائی ہونے کے باوجود اجنبیت میں غیروں کا بھی غیر ہو گیا اور اس طرح امیر بھائی کی دولت نے غریب بھائی کو اس طرح اپنے پاؤں کے نیچے مسل دیا کہ گویا وہ انسان نہیں بلکہ کوئی کیڑا مکوڑا ہے۔

مجھے اعتراف ہے کہ محترم ماموں جان عبدالرحمن کیلانی رحمہ اللہ اور بندہ کے نظریات میں یقیناً اختلاف تھا لیکن برداشت کا یہ عالم تھا کہ آپس میں کبھی بھی ان کی وفات تک کسی طرح کی نوک جھوک نہیں ہوئی۔ جب ملے، جہاں ملے خوش و خرم ملے، اور میں نے ان کو استاذی حافظ صاحب کا مداح پایا۔ انہوں نے اپنی زندگی کے آخری چند سالوں میں ایک کتاب ”عقل پرستی اور انکار معجزات“ حافظ عنایت اللہ اثری رحمہ اللہ صاحب کی وفات کے بعد تحریر کی جب میں نے اس کو دیکھا تو تقریباً تین ماہ بعد میں نے ”ادہام پرستی پر اصرار معجزات“ طبع کرا کر ان کی خدمت میں پیش کی، دیکھ کر محظوظ ہوئے اور میری پشت پر تھکی دیتے ہوئے جو الفاظ انہوں نے ارشاد فرمائے وہ پردہ ہی میں رہیں تو بہتر ہیں کیونکہ وہ خود پردہ میں چلے گئے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہم اغفر لہ وارحمہ وعافہ واعف عنہ واکرم نزلہ۔

موصوف نے اپنی کتاب ”عقل پرستی“ میں نادانستی اور لاعلمی کے باعث دو الزامات بھی استاذی حافظ عنایت اللہ اثری رحمہ اللہ پر لگائے تھے ایک یہ کہ ”حافظ صاحب نے جو دلائل کتاب و سنت سے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے متعلق بیان کیے ہیں اور جن سے استدلال کیا ہے کہ علمائے گرامی قدر نے خواہ مخواہ جبریل فرشتہ کو عیسیٰ علیہ السلام

کا باپ یا باپ کا قاسم مقام قرار دیا ہے اور وہ ایسا بیان کر کے ظلم عظیم کے مرتکب ہوئے ہیں جب کہ قرآن و سنت کے ان بیانات سے صاف واضح ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کا باپ انسان تھا حالانکہ قرآن کریم کے ان مذکورہ بیانات سے ایسا استدلال اس لیے صحیح نہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش معجزانہ طور پر بغیر باپ کے ہوئی تھی، اور معجزہ کے ماننے والوں کے لیے حافظ صاحب موصوف کے یہ تمام استدلالات بیکار ہیں اور دوسری بات یہ بیان کی کہ ”حافظ صاحب موصوف نے تفسیر طبری کی جس روایت کا ذکر اپنی کتاب عیون زمزم میں کیا ہے یہ بھی خیانت ہے کیونکہ تفسیر طبری میں اس طرح کی کوئی روایت بیان نہیں کی گئی“

بندہ نے موصوف کی کتاب ”عقل پرستی اور انکار معجزات“ کے جواب میں ”اوہام پرستی پر اسرار معجزات“ میں واضح طور پر تحریر کیا کہ ”کیلانی صاحب نے حافظ صاحب موصوف کے بیکار دلائل کا ذکر ان کی کتاب عیون زمزم سے نقل فرما کر تحریر کیا ہے کہ ان باتوں سے کس کافر کو انکار ہے جب کہ یہ باتیں کتاب و سنت میں واضح طور پر بیان ہوئی ہیں بات تو یہ ہے کہ ان کا اثر معجزات کے قائلین پر نہیں ہو سکتا اس لیے یہ تمام دلائل بیکار ہیں جن کا حافظ صاحب موصوف نے انبار لگا دیا ہے۔ اگر یہ صحیح ہے تو کیلانی صاحب کو اپنے کارآمد دلائل کا ذکر بھی کرنا چاہیے تھا جو انہوں نے نہیں کیا۔ کاشکہ وہ اپنے کارآمد دلائل بھی ذکر فرماتے تاکہ حافظ صاحب کے بے کار دلائل پڑھنے والے کیلانی صاحب کے کارآمد دلائل بھی پڑھ کر خود موازنہ کر سکتے کہ کیلانی صاحب نے جو تحریر کیا ہے وہ کہاں تک صحیح ہے یا غلط ہے؟

اس کتاب کے دوسرے ایڈیشن میں، میں نے مزید عرض کیا کہ اب کیلانی صاحب بھی مرحوم ہو گئے ہیں ہم کیلانی صاحب کے ہم خیال دوستوں سے اس کا مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ اپنے کارآمد دلائل بیان کر دیں تاکہ ان کو دیکھ کر کوئی فیصلہ کیا جاسکے لیکن اب تک خاموشی ہے اور ان شاء اللہ خاموشی ہی رہے گی۔

دوسری بات جو طبری کی روایت کے متعلق کیلانی صاحب نے تحریر فرمائی اُس کی فوٹو میں نے دستی طور پر ان کو فراہم کر دی تھی جس کا انہوں نے اعتراف بھی فرمایا کہ یہ مجھ سے غلطی ہوئی لیکن اس کے باوجود اس روایت پر آج تک کسی نے کوئی تبصرہ نہ فرمایا نہ موصوف

نے اپنی زندگی میں اور نہ آپ کے بعد کسی دوسرے آپ کے ہم خیال نے کہ آیا طبری کی یہ روایت غلط ہے یا صحیح اور اس طرح یہ بھی کہ اس روایت سے جو استدلال حافظ صاحب موصوف نے کیا ہے کیا وہ بھی بے کار ہے یا کارآمد ہے۔ یاد رہے کہ طبری کی یہ روایت ”اوہام پرستی پر اسرار معجزات“ میں آج بھی دیکھی جاسکتی ہے۔

”حرف آخر“ کا یہ مضمون دراصل محض خاندانی روایات پر مبنی ہے اس لیے اس میں مذکورہ بات ضمنائے لیے بیان کی ہے کہ خاندان میں ماشاء اللہ صاحب علم موجود ہیں جو اپنے اس وقت کے قلم کار بھی ہیں شاید اس طرف متوجہ ہوں اور اپنی خاندانی روایات کے مطابق وہ نفرت پھیلانے کی بجائے محبت اور پیار کا اظہار کرتے ہوئے فہم و تفہیم کی طرف لوٹنے کی کوشش کریں جس کی اس وقت اشد ضرورت ہے۔ بات خاندان سپرا کی اس روایت کی چل رہی تھی کہ خاندان کے تمام لوگ اپنے خاندان کی تمام بیٹیوں کو اپنی حقیقی بیٹیوں کی طرح اہمیت دیتے تھے اور خاندان سپرا کی یہ روایت عین دین اسلام کی ہدایت کے مطابق تھی لیکن اس وقت اپنایت کی جگہ اجنبیت نے لے لی ہے تو آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ یہی کہ خاندان کے لوگوں نے اسلامی ہدایت کو مکمل طور پر ترک کر دیا ہے پھر صرف ترک ہی نہیں کیا بلکہ اس کو غیر اسلامی ثابت کرنے کی روش اختیار کر لی ہے جو پانی پر حباب کی طرح کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ سمجھ کی توفیق عطا فرمائے۔ اس وقت ہماری خاندانی حالت یہ ہے کہ:

میرے خاندان کی وہ بیٹیاں جو میری گود میں پلی تھیں میں نے ان کو اپنی حقیقی بیٹیوں سے بھی بڑھ کر پیار دیا تھا وہ اس وقت اس طرح پردہ اجنبیت میں ہیں کہ شاید ان کو میرا نام بھی یاد نہ رہا ہو اور جب میں دیکھتا ہوں کہ پیغمبر اسلام ﷺ نے جس کو اپنا ممتحنی ہونے کا شرف بخشا تھا اُس کے حقیقی بیٹا ہونے کی نفی تو قرآن کریم نے کر دی اور اس کی بیوی سے نبی اعظم و آخر ﷺ کی شادی بھی کرادی جس سے ممتحنی کی حیثیت کو رواج سے الگ کر دیا لیکن زید رضی اللہ عنہ اپنی زندگی کے آخری ایام تک نبی کریم ﷺ کے گھروں میں بدستور اسی طرح آتے جاتے رہے یہاں تک کہ آپ نے زید کے ذریعہ زہنبہؓ تک پیغام بھی پہنچائے۔ پھر زید تو زید تھے آپ نے زید کے بیٹے اُسامہؓ کو بھی حقیقی پوتوں سے بڑھ کر پیار دیا اور آپ کے ہاں اُن کا آنا جانا بھی بدستور قائم رہا اور اجنبیوں جیسا رویہ ان سے نہیں کیا

گیا۔ اللہ صلی علی محمد و علی آل محمد

میرے خاندان کی کیلانی شاخ سے تعلق رکھنے والی ایک روایت یہ بھی ہے کہ ایک بھائی نے اپنے دوسرے بھائی کے بیٹے کو اپنی بیٹی کا رشتہ دے دیا۔ وہ دونوں بالغ تھے لہذا ان کا نکاح نہایت خوشی اور چاؤ سے کر دیا گیا اور اس تقریب میں میں خود حاضر تھا اگرچہ چھوٹا تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ معلوم ہوا کہ اس نئے جوڑے کی کوئی بات ایسی نہیں دیکھی گئی جس سے معلوم ہو کہ یہ دونوں میاں بیوی ہیں۔ خاندان میں چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں اور اس دوران ڈھوک مالوال میں میرے دادا کے بھائی میاں محمد الدین کے ہاں برادری کا اجتماع ہوا۔ سب بزرگ جمع ہوئے سردیوں کی رات تھی دیر تک گفت و شنید کے بعد ان صاحب کو طلب کیا گیا جن کی شادی اپنی پچازاد سے ہوئی تھی۔ ان سے اس سلسلہ میں پوچھا گیا تو انہوں نے میرے دادا کے بھائی میاں محمد الدین کو مخاطب کر کے کہا کہ چچا جان مجھے یہ بتائیں کہ کیا بہن بھائی بھی آپس میں میاں بیوی ہو سکتے ہیں؟ میں حلفاً کہتا ہوں کہ ان کی یہ بات سن کر سب خاموش ہو گئے اور اس سلسلہ میں مزید کوئی بات نہیں ہوئی۔ یہ مجلس دو تین دن تک جاری رہی اور جو دن الوداعی کا تھا اُس دن جاتی دفعہ میاں محمد الدین نے اپنے بھائیوں عبدالقادر وغیرہ کو کہہ دیا کہ اپنی تسلی کے لیے طلاق کے الفاظ کہلوانا چاہتے ہیں تو میں کہلوادیتا ہوں اور ان دونوں کی شادی کا معاملہ سوچو۔ طلاق ہوگئی اور ان دونوں کی شادیاں بھی اپنے اپنے وقت پر ہوئیں دونوں کی اولاد در اولاد آج بھی موجود ہے اور وہ دونوں زندگی بھر ایک دوسرے کے بہن بھائی رہے۔

آج سپر خاندان کی اس کیلانی شاخ کے بادشاہ اسی مذکورہ شخصیت کی اولاد میں سے ایک ہیں اور وہ جو بادشاہی فرما رہے ہیں محض دولت کے بل بوتے پر قائم ہے علم و فکر سے اس کا کوئی تعلق نہیں اس لیے میں نے اس کو بادشاہی سے تعبیر کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی یہ بادشاہی قائم و دائم رکھے۔

وہ جب کبھی خاندان کو چہرہ شناسی کرانے کے لیے تشریف لاتے ہیں تو کیلانی خاندان کا خصوصی چکر لگاتے ہیں چونکہ اس خاندان پر ان کی مالی نوازشات عام ہیں اور ظاہر ہے کہ جو مال دیتا ہے وہ پذیرائی بھی چاہتا ہے اندریں وجہ وہ دیکھتے ہیں کہ کہیں ”اثری“ کے نام کی طرف منسوب کوئی کتاب تو نظر نہیں آتی؟ کتاب تو کتاب ہوتی ہے اگر کہیں فہرست بھی نظر

آئے تو وہ برہم ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے نتیجہ یہ ہے کہ میرے بالکل قریبی بھائی بھانجے بھتیجے اور ان کی اولادیں میری ان کتابوں کو ہاتھ لگانا جرم سمجھتے ہیں اور برملا کہتے ہیں کہ ان کو ہاتھ لگانے سے بھی ایمان خراب ہو جاتا ہے کیونکہ بادشاہ سلامت کا یہی فرمان ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ خاندان سپر میں اور خصوصاً کیلانی برادری میں جتنے دوست و احباب علمی مقام رکھتے ہیں وہ ان کتابوں میں سے کسی ایک کو منتخب کر کے اس کا جواب تحریر کرتے تاکہ اس کو پڑھ کر میری اور میرے جیسے دوسرے لوگوں کی اصلاح ہوتی اور نفرت کی بجائے خاندانی شفقت و محبت میں مزید اضافہ ہوتا اور ہماری گزشتہ روایات بھی قائم رہتیں۔ اللہ کرے کہ ان کی سمجھ میں یہ بات آجائے۔ اللہم الف بین قلوبہم۔

مختصر یہ کہ کیلانی خاندان کی ایک شاخ جو پہلے ہی ایک ضدی اور ہٹ دھرم مذہبی جماعت میں ضم ہو چکی ہے اور دوسری شاخ کے بادشاہ سلامت بغیر دیکھے سننے ویسے ہی برہم نظر آتے ہیں وہ چاہے جن روایات کو اسلام کے ساتھ منسوب کر دیں وہ روایات اسلامی ہو جاتی ہیں جب کہ میں اس بات کو کبھی تسلیم نہیں کر سکتا۔ میرے نزدیک اسلام صرف اور صرف وہ ہے جس کے لیے نبی اعظم و آخرہ ﷺ دنیا میں تشریف لائے اور جس کی آبیاری آپؐ نے اپنے اخلاق و کردار سے فرمائی۔ میں دیکھتا ہوں کہ میرے خاندان کی وہ روایت جس کا ذکر میں نے اس جگہ کیا ہے وہ خالصہ آپؐ کے طریقہ کے مطابق تھی اور اس روایت میں خاندان سپر کی دریا کے آ رہا دونوں بڑی شاخیں برابر کی شریک تھیں اور آج بھی ان حقیقی اسلامی روایات کو قائم رہنا چاہیے۔ کاش کہ ایسا ہو۔

بہت سی دوسری روایات کی طرح عورتوں کے پردہ کے متعلق جو اس وقت نئی روایات اسلام کے نام سے رواج پاری ہیں اُن کا کوئی وجود اسلام میں موجود نہیں جس کے نتیجے میں آج بھائی بھائی سے ایک اجنبی سے بھی زیادہ اجنبی ہو کر رہ گیا ہے۔ اسلام جو غیروں کو اپنا بنانے کے لیے آیا وہ اپنوں کو ہرگز ہرگز غیر نہیں بنا سکتا۔

میں نے جس جماعت کو ضدی اور ہٹ دھرم کہا ہے وہ ان کے اس وطیرہ کے عین مطابق کہا ہے جو آج سے اسی نوے سال پہلے ان کے ہاں دیکھا جاتا تھا جب یہ ملک آل انڈیا کے نام سے موسوم ہوتا تھا اور اس ملک میں جو مذہبی اجتماع ہوتے تھے ان میں ایک ہی فکر کے مختلف نام بھی گشت کرتے دکھائی دیتے تھے جن کو روپڑی، غزنوی، خانپوری اور

دہلوی کے ناموں سے یاد کیا جاتا تھا اور ان ہی میں ایک کا نام انہوں نے امرتسری رکھا ہوا تھا۔

امرتسری سے منسوب ہونے والوں میں حضرت العلام علامہ ثناء اللہ امرتسریؒ کا نام سر فہرست تھا اس نام پر طرح طرح کے زخم دینا اور پھر ان کو چاٹنے کا کام سرانجام دینا دوسرے ناموں سے منسوب ہونے والوں کا کام تھا تا کہ کہیں یہ زخم مندل نہ ہو جائیں اور یہ فرض انہوں نے امرتسری رحمہ اللہ کی وفات تک سرانجام دیا اور نہایت جاں فشانی سے دیا اور اب بھی ان کی اولاد در اولاد جس کے پیچھے پڑتی ہے ایڑی چوٹی کا زور صرف کر دیتی ہے ان کے سامنے غلام احمد پرویز ہوں، امین احسن اصلاحی ہوں یا غامدی اور ”الشریعہ“ والے۔ وہ تمام فرعی مسائل کو اصولی اور اصولی مسائل کو فرعی ثابت کرنے میں ید طولی رکھتے ہیں اور نظریاتی مخالفت کرنے والوں کی کھلوی اڈھیڑنے میں ماہر ہیں۔

کاٹھک وہ ”لحمو موت“ کے دو لفظوں سے یہ بات بھی سمجھ جاتے کہ جس طرح موت سے کسی کو مفر نہیں خواہ وہ کون ہو، کہاں ہو اور کیسا ہو۔ اسی طرح بھائی کو بھی بھائی سے کسی طرح جدا نہیں کیا جاسکتا کیونکہ قانون قدرت نے ان کو ایک ماں باپ سے جنم دیا ہے اور وہ اس طرح ایک دوسرے کے ساتھ ہیں جس طرح ذی روح کے ساتھ موت۔

اسلام نے عورت کو ایک خاص مقام دیا ہے اس کی شخصیت اور حیثیت کو تسلیم کیا ہے۔ عورت کبھی بیٹی ہوتی ہے، کبھی بہن، کبھی ماں اور کبھی اس کا قائم مقام اسی طرح جس طرح مرد کبھی بیٹا، کبھی باپ اور کبھی اس کا قائم مقام ہوتا ہے۔ قانون اسلامی کے مطابق ان مقدس رشتوں کے علاوہ جب ان کو میاں بیوی کے خاص تعلق میں جوڑ دیا جاتا ہے تو وہ ان تمام رشتوں کی ایک نئی بنیاد قائم کر دیتے ہیں۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی قرار پاتے ہیں جیسا کہ ارشاد الہی ہے کہ:

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ (۲۱:۳۰)

”اور اُس کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمہاری ہی جنس سے تمہارے جوڑے بنائے تاکہ تم ان سے سکون حاصل کرو اور تمہارے درمیان محبت و ہمدردی پیدا کر دی اس میں ان لوگوں کے لیے جو فکر سے کام لیں بہت نشانیاں ہیں۔“

عورتوں اور مردوں کو اپنی اپنی حدود کے اندر رہتے ہوئے ایک دوسرے سے ملاقات تمام انبیائے کرام کے ادوار میں موجود رہی ہے اور آپؐ نے بھی ہماری رہنمائی اس سلسلہ میں فرمائی ہے جس کی تفصیلات کتاب وسنت میں موجود ہیں جن کی جھلک پیچھے آپؐ بھی پڑھ چکے ہیں۔ جس سے مومنوں کے معاشرے کے حالات، عورتوں اور مردوں کی ملاقات کی صورتیں سامنے آ جاتی ہیں اور یہی کچھ اس کتاب کے صفحات میں پیش کیا گیا ہے۔

میں امید کرتا ہوں کہ تمام علمائے کرام عموماً اور سپر خاندان کے علمائے کرام خصوصاً اس پر غور کریں گے کہ عورتوں کے پردہ کے متعلق جو اسلام نے وسعت رکھی ہے اُس کو تنگی میں تبدیل نہیں کریں گے اور خاندانی اپنائیت کو وہ جگہ دی جائے گی جو اسلام نے اُس کے لیے روارکھی ہے تاکہ خاندان کے اندر پیار و محبت کی وہ فضا قائم رہے جو پیچھے سے چلی آ رہی ہے اور سنت کے بھی عین مطابق ہے۔ وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب۔

عبد الکریم اثری

4/ اکتوبر 2011ء

مطابق

پانچ ذی قعدہ ۱۴۳۲ھ

یوم الثلاثاء

